2012
عید مبارک
ماہنامہ
ڈائجسٹ
کراچی
چونکا دینے والی کہانیاں
PDFBOOKSFREE.PK

16 — قاسم رضا — **پس آئینہ**
شاہکار کہانیوں کے متلاشی باذوق لوگوں کے لئے ......ایک اچھوتی انوکھی اور منفرد تحریر

41 — شائستہ سحر — **نصیحت**
اصول اور حقیقت سے فرار اکثر انسان کو زندہ درگور کردیتا ہے۔ ایک متاثر کن کہانی

45 — نظارت نصر — **خون آشام**
برے کام کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے اس حقیقت کو جاننے کے لئے قارئین کہانی ضرور پڑھیں

53 — ایس امتیاز احمد — **حسین بدروح**
خراماں خراماں دل کو سرور سے سرشار کرتی ......ایک دلکش دلفریب اور حیران کن تحریر

60 — اے وحید — **رولوکا**
معاوقتی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

83 — صفدر شاہین — **کالا مندر**
جنتر منتر اور جادو کی اہمیت کی حامل...... ایک منفرد خوفناک اور دہشت ناک کہانی

93 — ایس حبیب خان — **چھپکلی**
خوفناک پر ہیبت اور ڈراؤنی کہانی۔ کمزور دل خواتین اسے پڑھنے سے اجتناب برتیں

101 — محمد عرفان رامے — **بھینٹ**
خودغرضی مطلب پرستی اور لالچ کی ایک انمٹ کہانی جو پڑھنے والوں کے ذہن سے مس نہ ہوگی

112 — ایم اے راحت — **سنہری تابوت**
شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

139 — انور فرہاد — **خواب سراب**
خودغرضی اور مطلب پرستی کی پگڈنڈیوں پر اچھلتی کودتی ایک دلفریب اور سبق آموز تحریر

147 — خلیل جبار — **ناکامی**
خودغرضی اور مطلب پرستی کی مہیب ...... پر ہیبت اور خوفناک داستان حیرت

153 — صائمہ حمید — **برا انجام**
ایک عبرتناک کہانی جسے پڑھنے والے پڑھ کر اپنے جسم و جاں میں کپکپی محسوس کریں گے

167 — عامر ملک — **راز**
رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ایک خوفناک اور دہشت ناک روداد

176 — ایم الیاس — **بلیک ٹائیگر**
تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں گے

203 — اقصیٰ رباب — **اداس آنکھیں**
اکثر لغویات اور بدزبانی انسان کو نقصان پہنچاتی ہے...... ثبوت کہانی میں موجود ہے

208 — ادارہ — **قوس قزح**
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

213 — ناصر محمود فرہاد — **برائے فروخت**
عشرت کا ثمر اکثر تلخ سدا ہوتا ہے ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے...... ایک سبق آموز تحریر

225 — شہاب شیخ — **پراسرار رات**
ویران سنسان اور پرہول ماحول میں ڈانواں ڈول ...... دلگداز اور دلفریب تحریر

236 — انوری رمضان — **سچی پکار**
اچھی کہانیوں کے دلدادہ لوگوں کے لئے عقیدت کے افق پر جھلمل کرتی کہانی

253 — نثار احمد قادری — **میرے مرشد سرکار!**
روحانی محفل جو میں نے دیکھا

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

ایڈیٹر وپبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

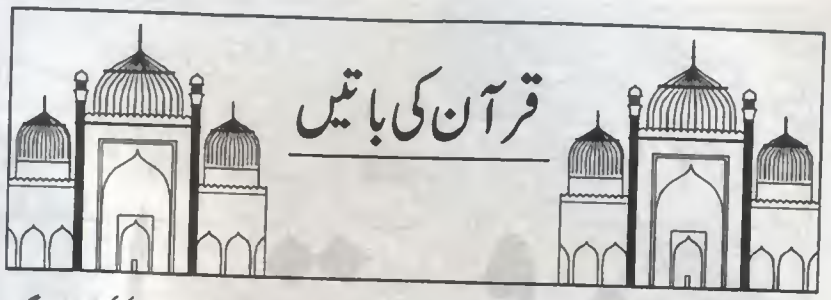

قرآن کی باتیں

☆ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ (سورۃ انعام 6۔ آیت۔ 151)

☆ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی در حقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ 17 آیت 31)

☆ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ (سورۃ نحل 16۔ آیت 58)

☆ اے محمد یہ جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو اس لئے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کر دے، جب کہ ان کے باشندے حقیقت سے ناواقف ہوں۔ (سورۃ انعام 6۔ آیت 131)

☆ اور تمہارا رب جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ (سورۃ ھود 11۔ آیت۔ 102)

☆ اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں، از راہ ظلم تباہ کر دے۔ (سورۃ ھود 11۔ آیت 117)

☆ ہم نے اس سے پہلے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لئے ایک خاص مہلت لکھی جا چکی تھی۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے نہ اس کے بعد چھوٹ سکتی ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ 17 آیت 4 سے 5)

☆ اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے۔ سو دیکھ لو، ان کے مکانات پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔ (سورۃ قصص۔ 28 آیت 58)

☆ اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا۔ تم وہ بستیاں دیکھ چکے ہو، جہاں وہ رہتے تھے۔ (سورۃ عنکبوت۔ 29 آیت 38)

☆ اور تمہارا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا، جب تک ان کے بڑے شہر میں ایک رسول نہ بھیج لے، جو ان کو ہماری آیت سناتا۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، جب تک کہ وہاں کے باشندے ظالم نہ ہو جائیں۔ (سورۃ عنکبوت 29 آیت 59)

☆ اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں بستیاں بسا دی تھیں اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں۔ چلو پھرو ان راستوں میں رات دن ... کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر کار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔ (سورۃ سبا۔ 34 آیت 18 سے 19)

☆ کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں منتخب کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا؟ اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ اس اللہ رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا اللہ کے حصے میں وہ اولاد آئی جو زیوروں میں پالی جاتی ہے۔ اور بحث و حجت میں اپنا مدعا پوری طرح واضح بھی نہیں کر سکتی۔ (سورۃ زخرف 43۔ آیت 17 سے 18)

☆ اور جب تم کو کوئی دعا دے تو جواب میں تم اس سے بہتر کلمے سے اسے دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 86)

☆ اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ (سورۃ اعراف 7 آیت 56)

☆ اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو اور کہہ دو کہ جو کتاب ہم پر اتری اور جو کتابیں تم پر اتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (سورۃ عنکبوت 29 آیت 46)

☆ سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ انصاف کے دن کا حاکم۔ اے رب ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ (سورۃ فاتحہ 1 آیت 1 سے 4)

☆ اور رنج و تکلیف میں صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بیشک نماز گراں ہے، مگر ان لوگوں پر گراں نہیں جو عجز کرنے والے ہیں۔ جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 45 سے 46)

☆ اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 153)

☆ اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے تو غیبت نہ کرو اور اللہ کا ڈر رکھو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ حجرات 49 آیت 12)

☆ تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 126)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی'' بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

قارئین کرام! السلام علیکم، اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے، جنہیں رمضان کا بابرکت مہینہ نصیب ہوا، اور روزہ داروں نے روزے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی جھولیوں میں بٹورا۔ اور پھر شب قدر کی بابرکت رات جو کہ ہزار مہینوں سے بھی بڑھ کر ہے، اس رات میں عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور کرم نوازی کو اپنایا۔ ویسے بھی انسان کو چاہئے کہ احکام خداوندی پر من و عن عمل کریں اور دین و دنیا میں فلاح پائیں۔ احکام خداوندی کو ماننے اور صراط مستقیم پر چلنے والوں کا قلب پرسکون ہوتا ہے اور جو لوگ دنیاوی جھمیلوں میں گردن تک دھنس جاتے ہیں وہ اکثر ذہنی و جسمانی کرب و اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس سامان سو برس کا ہوتا ہے مگر سکون قلب پل بھر کے لئے بھی نہیں ہوتا ہے، دنیا میں اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جو اچھائی اور برائی میں تمیز رکھتے ہیں، اپنے عملی اقدام کا بغور جائزہ لے کر اچھی سوچ کو اپناتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہر آدمی کو مثبت سوچ کے ساتھ زندگی گزارنی چاہئے اور جب آدمی مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو ملک اور معاشرہ خوشیوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

قارئین کرام رمضان کے بعد عید کی خوشیاں ملتی ہیں۔ اللہ کرے عید کی خوشیوں سے سب لطف اندوز ہوں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی عید کی خوشیوں میں دوسروں کی خوشیوں کا بھی خیال رکھیں جو لوگ ہماری مدد کے طلب گار ہیں ان کا خاص طور سے خیال رکھیں تاکہ ہماری مدد سے وہ بھی عید کی خوشیاں منائیں۔ قارئین! صرف عید کی ہی خوشیوں میں نہیں بلکہ اپنی تمام خوشیوں میں بھی دوسروں کا خیال رکھنا چاہئے اور یہی احکام خداوندی ہے، اپنی ذات اپنے اثر رسوخ اور اپنے عہدوں سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں بلکہ دوسروں کی خوشی اور غم واندوہ کا بھی خیال رکھیں، یہی انسانیت ہے۔ امید ہے کہ آپ سب میری باتوں پر ضرور غور فرمائیں گے۔ قارئین! ڈرڈائجسٹ کے حوالے سے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مصروف ترین قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر اپنی اچھی اچھی کاوشیں ارسال کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، آپ سب کو دلی عید مبارک قبول ہو۔

خالد علی مینجنگ ایڈیٹر

نوشین خان کوٹ مظفر میلسی سے، سلام! پہلی بار میں ڈرڈائجسٹ کی نگری میں داخل ہونے کی جسارت کر رہی ہوں اور پہلی بار ہی میں نے ڈرڈائجسٹ پڑھا ہے۔ امید ہے کہ نگری والے خوش آمدید کہیں گے۔ بات ہو جائے ڈرڈائجسٹ کی تو واقعی یہ معیاری اور قارئین کی توقعات پر پورا اترنے والا رسالہ ہے اور اس میں چھپنے والے کمرشل اشتہارات اس کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پچاس روپے میں 258 صفحات واقعی حیران کن ہیں۔ مجھے اتنے صفحات دیکھ کر حیرانگی ہو رہی ہے اور یقیناً اس بات پر ادارہ تحسین کا مستحق ہے۔ اگست کا شمارہ میلسی سے خریدا۔ کہانیوں میں پاگل خانہ اک مزاح انگیز دلچسپ مگر دہشت ناک کہانی تھی۔ ٹپکتا خون عام سی تحریر تھی پراسراریت طاری نہ کر سکی۔ انوکھا شکاری انوکھی کہانی تھی۔ مردہ پریڈ اعلیٰ تحریر تھی۔ سرکش روح گزارہ ٹائپ رہی۔ ملعون بھی ایوریج تھی۔ تیسری انگلی بہت اعلیٰ تحریر رہی۔ شروع سے اینڈ تک تجسس برقرار رہا۔ بھول بھلیاں بھی اچھی رہی۔ نحوست گزیدہ سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ پلاٹ جاندار تھا اور اس کہانی پر کافی محنت کی گئی تھی۔ پیشگوئی اتنی خوفناک نہیں تھی۔ ساحر تھی تو مختصر مگر اچھی اور جاندار تحریر تھی۔ رولو کا پکڑ کر بے حد مزہ آیا۔ خاص کر اس کی قسط نمبر دیکھ کر کافی حیرت ہوئی کہ اتنے عرصے سے لگاتار اسٹوری چل رہی ہے۔ ایم اے راحت صاحب کی تحریر ڈرڈائجسٹ کے معیار اور مارکیٹ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بلیک ٹائیگر میں جذباتی مناظر حد سے زیادہ تھے جو آئی تھنک یوں نہیں ہونے چاہئیں۔ اثر ڈالتے ہیں ذہن پر۔ اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ اگلے ماہ حاضر ہوں گی۔

☆☆ نوشین صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ڈرڈائجسٹ آپ کو اچھا لگا اور اس کی کہانیوں کو آپ نے سراہا اس کے لئے دیری دیری تھینکس۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

شائستہ سحر راولپنڈی سے، امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ حسب وعدہ آج اپنی کہانی بھیج رہی ہوں۔ مختصر ہے مگر امید ہے پسند آئے گی۔ 12 جولائی کو ایگزامز ختم ہوئے تھے۔ میں فوراً ہی اپنی کہانی بھیجتی مگر بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا سو یہ دن کافی پریشانی میں گزرے، خدا کا شکر ہے، اب بھائی کی طبیعت بہتر ہے۔ میں انشاء اللہ مزید کہانیاں بھی بہت جلد ارسال کروں گی۔ اور ریگولر لکھنے کی پوری کوشش کروں گی کیونکہ میرے لئے بہت بڑی اور خوشی کی بات ہے آپ نے جو تعریفی الفاظ سے میری تحریروں کو نوازا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ انشاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

☆☆ شائستہ صاحبہ: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود کہانی ارسال کی جو کہ شامل اشاعت ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو کلی صحت عطا کرے اور آپ کو اچھے نمبروں سے امتحان میں کامیابی دے۔ آئندہ ماہ بھی نئی کاوش اور خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ تھینکس۔

صدف حسین کراچی سے، امید کرتی ہوں کہ ڈر کا پورا اسٹاف خیر خیریت سے ہوگا۔ 21 جولائی کو ڈر بازار سے خریدا جیسے ہی بیچ پر نظر پڑی تو wou کہے بنا رہ نہ سکی، سچ کہوں تو ڈومنٹ تو میں نائنل بیچ میں ہی کھوئی رہی ہر ماہ کا سرورق ایک الگ ہی خوبصورتی لئے ہوتا ہے۔ اب آتے ہیں اس ماہ کی کہانیوں کی طرف تو سب سے پہلے قسط وار پڑھتی ہوں کیونکہ ان میں ایک الگ ہی تجسس ہوتا ہے کہ پتہ نہیں اگلے ماہ کی قسط میں کیا ہوگا۔ سب سے پہلے سنہری تابوت پڑھی اس کہانی نے تو واقعی قدیم دنیا کی سیر کروادی۔ رولو کا بس سوسو، بلیک ٹائیگر بھی اتنی خاص نہیں لگی۔ دوسری کہانیوں میں نمبرون پر پاگل خانہ بھی بہت ہی زبردست..... واہ اور سرسراہٹ، خوفناک دکٹوریہ، ٹپکتا خون، نحوست گزیدہ اور کہانیاں زیر مطالعہ ہیں۔ آخر میں ڈر کے لئے ڈھیروں دعائیں قبول کیجئے کہ ڈر یونہی ترقی کے منازل طے کرے۔ آمین۔

☆☆ صدف صاحبہ: بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ڈرڈائجسٹ کو یاد رکھا۔ اگر آپ کا رابطہ حمیرا صاحبہ سے ہو تو پلیز! انہیں یاد دلا دیجئے گا کہ اپنی مصروفیات میں ڈرڈائجسٹ کو بھی یاد رکھیں اور اپنی کہانیاں ارسال کریں۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

ارم اعجاز کراچی سے، السلام علیکم امید کرتی ہوں کہ ڈرڈائجسٹ اور تمام رائٹر حضرات خیریت سے ہوں گے۔ 30 مئی 2012ء کو میرے ابو جی کا انتقال ہو گیا ہے پلیز! میری آپ سب سے درخواست ہے کہ میرے ابو کے لئے مغفرت کے لئے دعا کریں اور میں کچھ کہنا نہیں چاہوں گی اجازت دیجئے۔ اللہ حافظ۔

☆☆ ارم صاحبہ: آپ کے ابو کے انتقال کا پڑھ کر بہت دلی دکھ ہوا، ماں باپ سے بڑھ کر انسان کی زندگی میں کوئی اور رشتہ اتنا مضبوط ہمدرد، و شفیق نہیں۔ ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ابو کی مغفرت فرما کر انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور تمام اہل خانہ و قلبی رشتہ رکھنے والوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

آستر کراچی سے، اگست کا ڈرڈائجسٹ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، اس میں شامل تمام کہانیاں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے اس ڈائجسٹ کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کی قسط وار کہانیاں پڑھنے والوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ گاہے بگاہے کچھ رائٹر فلمی یا قلم سے سچ اسٹوری ڈر میں چھپواتے ہیں جو کہ میری نظر میں ٹھیک نہیں۔ ایسے رائٹروں کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے۔ خیر ڈرڈائجسٹ بہت اچھا جا رہا ہے، ہر ماہ کہانیوں کا انتخاب خوب سے خوب تر ہوتا ہے۔ میں ڈرڈائجسٹ کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔

☆☆ آستر صاحبہ: ایک مرتبہ پھر ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، ڈرڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، امید ہے فلمی کہانی لکھنے والے حضرات غور کریں گے۔ امید ہے آپ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔

اقصیٰ رباب فیصل آباد سے، ایڈیٹر صاحب السلام علیکم، بہت عرصے بعد آپ کے رسالے کا حصہ بن رہی ہوں اور یہ صرف آپ سب کے پیار کا نتیجہ ہے۔ میں نے بہت عرصہ پہلے کہانی بھیجنا چھوڑ دیا تھا مگر ادارہ ڈرڈائجسٹ یاد رکھنا نہ بھولا۔ ''اداس آنکھیں'' 100 فیصد سچ ہے اس لئے میں امید کرتی ہوں کہ آپ اسے اپنے رسالے میں لازمی جگہ دیں گے۔ بڑی ممنون رہوں گی، تمام قارئین اور لکھاریوں کو دل سے عید مبارک۔ اپنے ایل ایل بی کے پیپرز کے لئے آپ کی دلی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آپ سب کی دعائیں اس لئے کہ اپنی محنت کے بل بوتے پر پاس ہونا مجھے ناممکن نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ستم نظر آئے تو اصلاح کی استدعا کرتی ہوں۔

☆☆ اقصیٰ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ کی خطوط کی محفل میں خوش آمدید، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس کرے اور آپ کو زندگی کی تمام جائز خوشیوں سے نوازے، کہانی شامل اشاعت ہے، آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا انتظار رہے گا۔

فاریہ تبسم تھینک موڑ قصور سے، پہلے تو ڈائجسٹ کے تمام لکھاریوں، قاریوں اور اسٹاف کو میری طرف سے بہت بہت سلام۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگست 2012ء کا شمارہ بڑی دیر بعد ملا۔ قرآن کی باتیں پڑھیں، سبحان اللہ ایمان تازہ ہوگیا۔ ایڈیٹر بھیا کیا یہ کتاب (قرآن مجید کے روشن موتی) مل سکتی ہے۔ اس کے بعد خطوط میں اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی بلکہ دل باغ باغ ہوگیا۔ غلام نبی نوری صاحب آپ کی خریت کی خبر سن کر دل کو سکون ملا۔ خدا آپ کو ہر مصیبت سے بچائے۔ آمین۔ شرف الدین جیلانی صاحب آپ کی آنکھ کی خبر سن کر افسوس ہوا۔ اللہ آپ پر کرم کرے اس کے بعد کہانیوں میں ایم اے راحت کی تحریر سنہری تابوت زبردست تھی۔ اس کے بعد خونی گڑیا، خوفناک وکٹوریہ، ساحر، نحوست گزیدہ، پنکتا خون، پاگل خانہ اور مردہ پریڈز بردست، اس کے علاوہ انوکھا شکاری، رولوکا لاجواب، بلیک ٹائیگر اپنی مثال آپ تھی۔ قوس قزح میں سب نے بہت اچھا لکھا۔

☆☆ فاریہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ۔ امید ہے آپ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔ قرآن کے روشن موتی مل سکتی ہے۔

بشیر احمد بھٹی فوجی بستی بہاولپور سے، جولائی کا ڈرا اپنی تابناک صورت میں مارکیٹ کی زینت بنا، شمارہ خریدا، شمیکا آخری صفحات کی قسط وار کہانی اپنے اختتام کو پہنچی۔ ایم الیاس صاحب کی سلسلہ وار کہانی بلیک ٹائیگر کی پہلی قسط پڑھی۔ رولوکا کی قسط نمبر 86 پڑھ کے اندازہ ہوا۔ یہ کہانی اپنی سنچری پوری کرے گی۔ ابھی اس کے اختتام کے قریب ہونے کے کوئی آثار نہیں کہانی زبردست جارہی ہے۔ پہلی کہانی اماوس کا غلام ولولہ انگیز رہی۔ آسیبی حویلی، بھیانک انجام، قاتل مردہ، اس ماہ کی بہترین کہانیاں تھیں۔ ایک مشورہ حاضر خدمت ہے۔ ڈراؤنی کہانیوں کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح یعنی مزاحیہ کہانیاں اور ناقابل فراموش واقعات کے لئے بھی کچھ صفحات مخصوص کرلیں۔ اس طرح قارئین کا مطالعاتی ذائقہ چینج ہوجائے گا۔ مزاحیہ کہانیاں بھی قارئین کو محظوظ کرتی ہیں۔ امید ہے یقیناً آپ اس مشورے پر غور فرمائیں گے۔

☆☆ بشیر صاحب: خط ارسال کرنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، آپ کے مشورے پر بہت جلد عمل ہوگا۔ رائٹر حضرات اس موضوع پر اپنی کہانیاں ارسال کریں تو، آئندہ بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا، ماہ رواں کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ تمام ترسلسلے خوب رہے۔ اسٹوریز کا انتخاب لاجواب رہا۔ اقتباسات اور غزلیں عمدہ رہیں۔ آرٹیکلز لگانے کا شکریہ۔ میٹر آپ کے پاس ہیں۔ پلیز دیکھئے گا مزید میٹر میں۔ کمرے کا آسیب (ترجمہ)، غزل اور مراسلے ارسال خدمت ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ''ڈرڈائجسٹ'' کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے دو یورز کو دعا سلام۔ پلیز اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ امتیاز صاحب: آپ ہر ماہ جس خلوص اور پیار سے اپنی کاوشیں ارال کرتے ہیں اس کے لئے دیری دیری تھینکس، کہانی شامل اشاعت ہے۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم، کے عرض ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، ماہ اگست کا تازہ ڈرڈائجسٹ بک اسٹال پر دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی، ایسا خوبصورت پرچہ نکالنے پر دلی مبارک باد قبول کریں ویسے اس بار سرورق بہت ہی پھیکا پھیکا سا نظر آیا۔ کیا بات ہے ذرا سرورق پر توجہ دیا کریں اس بار تمام تحریریں اپنی اپنی جگہ پر اچھی تھیں جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ غزلیں اور قوس قزح کے اشعار بڑے ہی خوب صورت تھے۔ خطوط اور غزل شائع کرنے پر میں بے حد شکر گزار ہوں، ڈرڈائجسٹ کا بڑی شدت سے ہمیں انتظار ہوتا ہے یہ ایک معیاری پرچہ ہے گرمی بہت ہی زیادہ ہے اور ساتھ ماہ قیام کا رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے۔ اس میں لوگ اپنی اپنی جگہ پر روزے رکھتے ہیں اور نیکیاں کماتے ہیں۔ یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آئندہ پرچہ سالگرہ نمبر ہے۔ غزل ارسال کررہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ ہماری حوصلہ افزائی کریں گے۔

☆☆ اسلم صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

رانا حبیب الرحمن گوجرہ سے، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ ڈرڈائجسٹ کا تمام اسٹاف اور تمام قارئین خیریت سے ہوں گے۔ میری طرف سے سب کو عید مبارک۔ اس دفعہ ڈرڈائجسٹ 25 جولائی کو مل گیا تھا خطوط کی محفل میں اپنا خط اور غزلوں میں اپنی غزل چھپی دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا امید ہے قارئین کو میری غزلیں اور اشعار ضرور پسند آیا کریں گے جناب ایڈیٹر صاحب میں

کسی زمانے میں میرا مطلب کوئی سات آٹھ سال پہلے دوسرے ڈائجسٹوں میں کہانیاں لکھتا تھا پھر جیل آنے کے بعد میں نے لکھنا بند کردیا اور چھوٹی تحریریں لکھتا رہا ہوں۔ اس کی وجہ میں پچھلے خط میں بیان کرچکا ہوں۔ اب اگر میں ماہنامہ ڈر میں کہانیاں لکھ کر بھیجوں تو ضائع تو نہ ہوں گی۔ لاہور کے خوفناک ڈائجسٹ میں مجھے وہ معیار نظر نہیں آیا جو ڈر میں ہے کیوں کہ جب سے میں ڈر کے ساتھ وابستہ ہوا ہوں تو یہ مجھے بہت اچھا اور معیاری لگا۔ اسی وجہ سے میں یہ سب لکھنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ کہانیوں میں انوکھا شکاری، خوفناک وکٹوریہ، سرسراہٹ، نحوست گزیدہ، خونی گڑیا اس کے بعد سلسلہ وار کہانیوں میں رولوکا، سنہری تابوت، بلیک ٹائیگر بہت اچھی اور ڈر کے معیار کی تھیں۔ قوس قزح میں سب نے بہت اچھا لکھا۔

☆☆ حبیب صاحب: خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور آپ کو ڈرا اچھا لگا ہے اس کے لئے شکریہ، کہانی آپ بصد شوق لکھ سکتے ہیں اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

قدیر رانا راولپنڈی سے، آپ کی خیریت کا طالب ہوں، اگست کے تازہ شمارے میں غزلوں کی اشاعت پر مشکور ہوں۔ اس خط کے ہمراہ بھی دو غزلیں ارسال ہیں۔ معیاری ہونے کی صورت میں اگلی اشاعت میں جگہ دیکھ کر مشکور فرمائیں۔ ادارے کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔ ڈر کے تمام قارئین کو میری جانب سے عید کی مبارکباد قبول ہو۔

☆☆ قدیر صاحب: ڈرڈائجسٹ سے دلی لگاؤ کے لئے دیری ویری تھینکس۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، رمضان کی برکتوں بھرا اسلام برسات کے موسم میں گھر سے نکل آیا، ڈر بھی اٹھا لایا اے بارشوں ڈر پڑھنے دو، ابتدا قرآن کی باتوں سے تعریف کے لئے الفاظ نہیں۔ ہمیں یقین ہے۔ بلیک ٹائیگر رسالے کی جان بنے گی۔ سالگرہ نمبر کے لئے عنقریب تراشے ارسال کریں گے۔ دیگر سب کہانیاں سنہری تابوت کے علاوہ دلچسپی سے بھرپور تھیں، سوائے نماز کے دقفہ کے علاوہ ڈائجسٹ رکھنے کو جی نہ چاہا۔ پیر شاہ محمد قادری سرکار آخری صفحات پر ملاقات روح خوش ہوگئی۔ آخر میں ڈر کے پورے اسٹاف سمیت ڈر کے ساتھیوں کو دلی عید مبارک۔

☆☆ شرف الدین صاحب: ڈرڈائجسٹ سے آپ کی چاہت واقعی قابل دید ہے کہ بہت زیادہ مصروفیات کی بنا پر وقت نکال کر ہر ماہ ڈرڈائجسٹ میں محبت کا اظہار کرتے ہیں، اپنی کاوشیں ارسال کرتے ہیں۔ شکریہ۔

عمر فاروق نور پور خوشاب سے، السلام علیکم، جولائی اور اگست کا شمارہ اس دفعہ لیٹ موصول ہوا، لیکن ملتے ہی دل بلیوں اچھلنے لگا، سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں ایمان تازہ ہوگیا، قرآن کی باتیں میں ہر ماہ مختلف موضوع پر بہت اچھا لٹریچر شائع ہوتا ہے ٹائٹل شاندار تھا۔ تمام کہانیاں شاندار تھیں، لیکن اماوس کا غلام، رولوکا، خونی کتے، شیطانی کھیل اور آسیبی حویلی نے بہت متاثر کیا۔ ایم الیاس کی نئی قسط وار کہانی بلیک ٹائیگر بہت شاندار ہے۔ شمیکا بہت زبردست تھی۔ اچھا اینڈ ہوا۔ اس کے علاوہ اگست کے شمارے میں بھی بہت زبردست کہانیاں تھیں جن میں پاگل خانہ، پنکتا خون، انوکھا شکاری، ملعون، سرسراہٹ اور بلیک ٹائیگر بہت زبردست تھی اور رولوکا کی تعریف قلم کے بیان سے باہر ہے۔ باقی کا مطالعہ ابھی جاری ہے۔ تمام رائٹرز اچھا لکھتے ہیں کسی ایک کی تعریف اچھی بات نہیں، تمام غزلیں اور شعر خوب صورت تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ڈرڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆ عمر صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، کہانیوں کی تعریف اور آئندہ بھی ڈرڈائجسٹ کو نہ بھولنے کے لئے شکریہ قبول کیجئے، خط کا انتظار رہے گا۔

محمد ولی ہمدرد بکن کرم ایجنسی سے، ایڈیٹر صاحب: السلام علیکم! اللہ تعالیٰ تمام اسٹاف اور تمام قارئین کو خوش اور سلامت رکھے۔ ڈر کی محفل میں یہ میرا دوسرا خط ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اسے ضرور شائع کریں گے۔ ویسے ڈائجسٹ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ یہ بہت اعلیٰ معیار کا حامل ہے۔ صبار مضان کی کہانی بہت پسند آئی۔ باقی تمام تحریریں بھی اچھی لگیں۔ دیگر کہانیوں پر تبصرہ اس لئے نہیں کرسکتا کہ ڈائجسٹ بہت لیٹ موصول ہوا۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں۔ بہرحال سب لکھنے والے بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام رائٹروں کو سدا خوش و سلامت رکھے۔ تمام رائٹر اسی طرح لکھتے رہیں۔ تاکہ ڈرڈائجسٹ کی چمک دمک قائم رہے۔ اب اجازت! آخر میں میری طرف سے ڈرڈائجسٹ کے پورے اسٹاف، رائٹروں اور قارئین کو سلام۔

☆☆ محمد ولی صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خوش و خرم رکھے۔ کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی خط بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

محمد رضوان قیوم راولپنڈی سے، السلام علیکم، اگست کا شمارہ ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، تمام کہانیاں بہت زبردست ہیں، ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، خیریت، بخیریت کے بعد عرض ہے کہ مافوق الفطرت طرز کی ایک کہانی روانہ کررہا ہوں۔ یہ مجھے ایک بزرگ نے سنائی تھی۔ اب اس میں کہاں تک سچائی ہے۔ خدا جانے۔ یہ کہانی جس کا نام میں نے ذرا سی غلطی تجویز کیا ہے۔ اگر آپ کو پسند نہ آئے تو آپ بے شک اسے تبدیل کرلیجئے گا۔ بہرحال پلاٹ کے لحاظ سے یہ انتہائی اچھی کہانی ثابت ہوگی۔

☆☆ رضوان صاحب: خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانی بھیجنے کے لئے اور آئندہ ماہ بھی رابطہ کے لئے ڈھیروں شکریہ۔

عامر ملک راولپنڈی سے، محترم ایڈیٹر صاحب السلام علیکم، اگست کا ڈر پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، جون 2010ء کا شمارہ اگر مل جائے تو نوازش ہوگی۔ خط کے ہمراہ دو تحریریں ارسال ہیں۔ ایک "ڈر" کے لئے اور دوسری "فکشن" کے لئے ہے۔ جو میری بھتیجی کے نام سے ہے۔ برائے کرم اسے "فکشن" والوں کو دے دیجئے گا۔ ممنون رہوں گا۔ سالگرہ نمبر کے لئے رمضان کے بعد تحریر ارسال کروں گا۔ دیگر خیریت ہے۔ تمام اسٹاف کو سلام اور دعائیں۔

☆☆ عامر صاحب: خط لکھنے، نئی کہانی ارسال کرنے اور آئندہ ماہ بھی شرف ملاقات کے لئے ویری ویری تھینکس۔

نیر رضوی کراچی سے، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ "ڈر" کے لئے پہلی تحریر ارسال کررہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دیگر شعراء کی طرح میری تحریروں کو بھی شائع ہونے کا موقع ملتا رہے گا۔ نہایت ممنون رہوں گا۔ ڈر کی تمام کہانیاں بہت خوب ہوتی ہیں۔ ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم۔ بہرحال ڈر زندہ باد۔

☆☆ نیر صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کو ڈر ڈائجسٹ اچھا لگتا ہے اس کے لئے شکریہ، آپ کی تحریروں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے شائع کیا جائے گا۔ اب تو آپ خوش ہیں ناں۔

محمد وارث آصف داں بھچراں سے، محترم جناب ایڈیٹر اور معزز اسٹاف ممبران! السلام علیکم! زندگی کی تمام مصروفیات کے باوجود ڈر ڈائجسٹ سے رشتہ جڑا ہے اور رہے گا۔ یہ سچ ہے کہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے بنا پر میں باقاعدگی سے تحریر ارسال نہیں کرسکتا مگر اسے ہر ماہ خرید کے مکمل پڑھتا، بہرحال میں ہوں۔ اگست کا شمارہ اپنے بہترین دوست احسان سحر میانوالی کے دل کی تار ہلا دینے والی کہانی مردہ پریڈ پڑھ کر ویلکم کہا۔ سرورق کچھ خاص نہیں تھا۔ کہانیوں میں خوفناک وکٹوریہ ایس امتیاز صاحب کی میں پہلے بھی ایک ڈائجسٹ میں پڑھ چکا ہوں اور اب ڈر میں بھی اسی کہانی کو ارسال کردیا۔ میرے خیال میں یہ ٹھیک نہیں۔ سرسراہٹ صبا رمضان گانے کے بول کہانی میں لکھنے کا مقصد......؟ ٹپکتا خون اک عام بچکانہ تحریر تھی۔ ساحر اچھی تحریر تھی مگر اس کا اینڈ کافی چینج تھا اور اس کی مثال ایسے دی جاسکتی ہے کہ بندہ کمرے کی چھت پر بجائے اس کے کہ قدم بہ قدم چڑھے اک ہی جست میں چھت پر ہو۔ تھوڑا سا دھیان دیں پلیز......! سنہری تابوت ہمیشہ کی طرح دل و دماغ کو چھو لینے والی تحریر پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ رولوکا کا سحر ہر طرف طاری ہے جی کرتا ہے کہ کبھی ختم نہ ہو اور ہم پڑھتے ہی رہیں۔ پاگل خانہ عمران قریشی کی کافی دلچسپ تحریر تھی مگر ہمیشہ بات اینڈ کی ہوتی ہے اور کہانی ایسے ختم ہوتی ہے کہ بندہ خونچکاں بھونچکاں رہ جاتا ہے۔ اتنی اچھی کہانی اینڈ ذرہ بھی پسند نہیں آیا۔ نحوست گزیدہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بلیک ٹائیگر اک شاندار اور مزید تحریر تھی۔ ملعون اچھی تحریر تھی مگر اس میں شامل کئے گئے چند واقعات ایسے تھے جو بالکل بھی کہانی سے ملتے نہیں تھے اور کہانی کا بیلنس ڈگمگا جاتا تھا۔ اشعار بہت زبردست تھے مگر غزلیات کچھ خاص نہ تھیں آخر میں تمام قارئین کو ایڈوانس عید مبارک۔

☆☆ وارث صاحب: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ ڈر ڈائجسٹ آپ کو اچھا لگتا ہے اور آپ اس کے لئے وقت نکال لیتے ہیں کہانیوں کی تعریف اور تجزیہ کے لئے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

علی کاشف آفاقی آزاد کشمیر سے، پیارے انکل السلام علیکم! کیا حال ہے آپ کا؟ یقیناً گرمی نے ہماری طرح آپ کو بھی متاثر کیا ہوگا۔ بہرحال دعا کریں اللہ بارش دے۔ اس ماہ ڈر اپنی مقررہ تاریخ کو ملا۔ سب سے پہلے شمیکا کا اینڈ پڑھا۔ ویسے ڈاکٹر صاحب کو ان دونوں کی شادی کا منظر بھی دکھانا چاہئے تھا۔ اس کے بعد سنہری تابوت پڑھی جو کہ دل میں گھر کرگئی۔ اس کے بعد بلیک ٹائیگر کو ملاحظہ کیا۔ ویلڈن ایم الیاس۔ اتنا اچھا کردار تخلیق کیا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ چوم لوں۔ اور پھر رولوکا اور وحید صاحب، ہم اس کی تعریف ہی نہیں کرتے کیونکہ سورج کو چراغ نہیں دکھایا جاسکتا اس کے بعد اماوس کا غلام، انتقام، آسیبی حویلی وغیرہ پڑھیں بہت اچھی تھیں۔

☆☆ علی صاحب: خط لکھنے اور قلبی لگاؤ سے کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ امید ہے خط لکھنا بھولیں گے نہیں۔

غلام نبی نوری کھڈیاں خاص سے، میری طرف سے ڈر ڈائجسٹ کے تمام پڑھنے والوں کو سلام اور بہت بہت عید مبارک، رمضان شریف کے روزے رکھنے کے بعد عید کی خوشی ہمارے لئے باعث رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ خوشی سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس کے بعد آتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، تو دلی سکون ہوا ویسے بھی قرآن کی باتیں رمضان شریف میں پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ خطوط کی محفل میں حاضری دی تو کچھ ساتھیوں کے علاوہ کچھ نیا نیا تھا۔ موسٹ ویلکم نئے ساتھیو! اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ افشاں رمضان کی کہانی سرکش روح پڑھ کر مزہ آگیا، کہانیوں میں پاگل خانہ "ٹپکتا خون، ساحر، خونی گڑیا، بھول بھلیاں، سرکش روح، خوفناک وکٹوریہ، تیسری انگلی اور سرسراہٹ دل میں ہول کرنے والی تھیں۔ بلیک ٹائیگر، رولوکا اور سنہری تابوت سپرہٹ تھیں۔ واقعی مزہ آگیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اگلے ماہ تک اجازت دیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ خدا حافظ۔

☆☆ غلام نبی صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خط پڑھ کر مزہ آگیا۔ جناب محدود صفحات کو مدنظر رکھتے ہوئے تھوڑا بہت کاٹ چھانٹ ضرور ہوجاتا ہے۔ بہرحال پورا متن موجود ہوتا ہے۔ آئندہ ماہ بھی ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔

ثاقب بشیر لاہور سے، السلام وعلیکم! تمام اسٹاف کو سلام عرض ہے۔ سر جی آپ تمام خطوط کے جواب اتنے پیار سے دیتے ہیں کہ مزہ آجاتا ہے۔ ڈر پڑھنا خطوط کی محفل سے اسٹارٹ کرتا ہوں اور آخر تک پڑھتا ہوں۔ اس مرتبہ کے شمارے میں میری کہانی شیطانی کھیل بھی شامل اشاعت تھی اور 28 جولائی کو میری برتھ ڈے بھی ہے، تو آپ کا ایڈوانس گفٹ مجھے بہت اچھا لگا۔ میری کہانی کی اپ ڈیٹ آپ مجھے ہر مرتبہ دیتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف آپ جواب دیتے ہیں بلکہ دل سے جواب دیتے ہیں۔ کہانیوں میں اماوس کا غلام پلاٹ تھوڑا تھوڑا بڑھا ہوا لگا مگر طرز تحریر عمدہ تھی۔ قاتل مردہ ترجمہ تھی؟ نفرت، ساتواں جنم، روح کا انتقام، معاوضہ، شیطانی کھیل، آسیبی حویلی اچھی تھیں۔ اب اجازت کا طلبگار ہوں شکریہ۔

☆☆ ثاقب صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ بھی نوازش نامہ ارسال کرنے کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

محمد ہمایوں تنولی مانسہرہ ہزارہ سے، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ آج کل کالجوں کی چھٹیاں ہیں اس لئے 2 دن کے اندر ڈائجسٹ ختم ہوجاتا ہے باقی دنوں پچھلے ڈائجسٹوں کو پڑھ پڑھ کے ٹائم پاس کرنا پڑتا ہے۔ ماہ اگست کا ڈائجسٹ 22 جولائی کو مل گیا اور دل سے آپ کے لئے دعا نکلی کہ آپ تمام لوگوں کی محنت سے ہمیں اپنا ہردلعزیز ماہنامہ بروقت مل جاتا ہے۔ حسب معمول رولوکا سے ہی پہلے ملنے گئے اس کے بعد ٹائیگر بھائی کے ساتھ ممبئی کے ڈان کی محفل میں شریک ہوئے۔ باقی کہانیوں میں خونی گڑیا اچھی کہانی تھی۔ سنہری تابوت، پاگل خانہ، بڑی ڈراؤنی کہانی تھی کس طرح سے لاشوں کو نمک ملے پانی سے غسل کراتے تھے۔ انوکھا شکاری، انوکھی کہانی تھی مردہ پریڈ پڑھ کر کئی بار سنسنی محسوس کی اور پھریری بھی لی۔ سرکش روح افشاں رمضان کی اچھی کہانی تھی۔ ملعون پڑھ کر آج کل کے ڈبہ پیر یاد آئے۔ تیسری انگلی بھی مختصر اور اچھی کہانی تھی۔ پیشگوئی بھی بڑی اچھی کہانی تھی۔ نحوست گزیدہ اور ساحرا بھی زیر مطالعہ ہیں۔

خصوصی نوٹ: اس وقت میری نظر میں پاکستان میں کہانیوں میں ڈر ڈائجسٹ ٹاپ پر ہے، میں تقریباً 3 سال سے مطالعہ کررہا ہوں۔ پہلے دن سے آج تک معیار میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ آپ کی محنت کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ دن رات لگا کر کس محنت سے شمارہ کانٹ چھانٹ کر ہر ماہ کی 22,20 تاریخ تک لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ خدا آپ تمام لوگوں کو صحت وتندرستی دے۔ آمین۔

☆☆ ہمایوں صاحب: خط ارسال کرنے اور کہانیوں کے تجزیہ کے لئے بہت بہت شکریہ۔ آپ کو ڈر ڈائجسٹ اچھا لگتا ہے اور آپ کی باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ امید ہے آپ آئندہ ماہ بھی ایک لائن چھوڑے بغیر خط ضرور لکھیں گے۔ Thanks۔

☆☆☆

ڈر ڈائجسٹ کے معروف رائٹر جناب ذیشان اقبال عظمی جن کی آخری کہانی "ساحر" اگست کے شمارے میں شائع ہوئی ہے، پچھلے ماہ آزاد کشمیر سیر و تفریح کے لئے گئے تھے۔ دریائے نیلم میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ نہاتے ہوئے ڈوب گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے دوست کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ (ادارہ ڈر ڈائجسٹ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پس آئینہ

قاسم رضا۔ چنیوٹ

دماغ پر سکتہ طاری کرتی، دل کو مسوستی ہوئی حقیقت پر مبنی اپنی نوعیت کی ناقابل فراموش، خوف کے لبادہ میں چھپی ہوئی اچنبھے میں ڈالتی کہانی جسے پڑھنے والے عش عش کر اٹھیں گے۔

شاہکار کہانیوں کے متلاشی باذوق لوگوں کے لئے.....ایک اچھوتی انوکھی اور منفرد تحریر

"پاپا! لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، ان کو اتنا بھی احساس نہیں ہوتا کہ ان کے ایسا کرنے سے کسی کے دل پر کیا گزرے گی۔" نبیلہ نے روتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ رکھو بیٹی! خدا ان سے خود پوچھے گا۔ ایسے لوگ کم عقل ہوتے ہیں۔ وہ خود کو فریب دے رہے ہوتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن ایسے لوگوں کا بھانڈا ضرور پھوٹتا ہے۔" کرنل آفریدی نے بیٹی کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

کرنل آفریدی نبیلہ سے بہت پیار کرتے تھے، بیوی کے فوت ہونے کے بعد انہوں نے آرمی سے استعفیٰ ہی اسی لئے دیا تھا کہ بیٹی کی پرورش اچھے طریقے سے کریں۔ نبیلہ میں ان کی جان تھی۔ ان کو علم تھا کہ نبیلہ بہت حساس اور جذباتی بچی ہے اس لئے وہ فکر مند تھے کہ جذبات میں وہ کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالے۔

کرنل آفریدی کو نبیلہ کا بچپن یاد آ گیا تھا۔ جب اپنی پالتو بلی کے مرنے پر اس نے پورے تین دن کچھ کھایا تھا نہ پیا۔ بہت مشکل سے اسے دوبارہ زندگی کی طرف موڑ لائے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی بات کو دل پر لگا کر بیٹھ جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کرنل صاحب اس کے موجودہ رویہ پر بہت فکر مند تھے۔

"پاپا! پچھلے تین سالوں میں چھ بار ایسا ہو چکا ہے۔ مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا۔" رو رو کر نبیلہ کی ہچکیاں بندگئی تھیں۔ "اگر آپ کی ذاتی جائیداد کوئی زبردستی اپنے نام کروالے تو کیا آپ کو دکھ نہیں ہوگا.....؟" نبیلہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے اپنا سوال مکمل کیا۔

کرنل آفریدی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیٹی کو کیسے مطمئن کریں۔ وہ سمجھانے والے انداز میں بولے۔ "میری جائیداد میری ہی ہے اگر کوئی اسے اپنے نام کروالے تو لوگوں کو تو پتہ ہی ہے کہ یہ میری املاک ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے بزرگ و برتر سب دیکھ رہا ہے۔ تم صبر کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا۔" لیکن آفریدی صاحب کی تسلی و تشفی کا نبیلہ پر کوئی اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ لاؤنج سے اٹھی اور سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ایک خیال کے آتے ہی کرنل آفریدی بھی بجلی کی طرح صوفے سے اٹھے اور دوڑتے ہوئے نبیلہ کے کمرے کے دروازے پر جا پہنچے، کافی دستکیں دینے سے بھی دروازہ نہ کھلا تو وہ دوڑ کر کھڑکی کے پاس پہنچے۔ کھڑکی کا شیشہ، ان کا زوردار گھونسہ برداشت نہ کر سکا، اندر کا منظر دیکھتے ہی کرنل آفریدی کی آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کانوں تک جا پہنچیں۔ ان کے سینے میں بائیں طرف درد اٹھا اور پھر وہ زمین پر گرتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

جواد کے دماغ میں ابھی تک دھماکے سے ہو رہے تھے۔ مسافر بردار طیارہ کسی فنی خرابی کی وجہ سے ایک زوردار دھماکے سے زمین سے جا ٹکرایا تھا۔ مگر دماغ میں ہونے والے دھماکوں کی نوعیت اور ہی تھی۔ لازمی بات تھی کہ جہاں طیارہ گرا تھا۔ وہاں اس کی تباہی کے نشانات اور ملبہ ہونا چاہیے تھا۔ یا پھر جلنے کے کچھ آثار اور طیارے میں سوار "150" افراد میں سے کسی کی لاش یا کم از کم کوئی ایسی نشانی جس سے پتہ چلے کہ طیارہ واقعی یہیں گرا تھا۔ طیارے کے زمین سے ٹکراتے ہی جواد کے سر پر کسی وزنی چیز کے گرنے سے اس پر بے ہوشی چھا گئی تھی۔ مگر ہوش میں آتے ہی اس نے اپنے چاروں اطراف کا جائزہ لے ڈالا مگر اسے ایسی کوئی چیز نہ ملی جس سے ثابت ہو کہ وہ طیارہ یہیں پر گرا تھا۔

وہ ایک کم گھنا جنگل تھا۔ درختوں میں موجود فاصلہ بتا رہا تھا کہ یہ درخت انسانی ہاتھ کے لگے ہوئے ہیں نہ کہ خودرو۔ جواد نے اطراف کا جائزہ لیا تو تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر اسے ایک عمارت کے خدوخال نظر آئے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ عمارت کی طرف جائے یا کوئی اور راستہ ڈھونڈے۔ ایک تو وہ اس خیال سے پریشان تھا کہ اسے جائے حادثہ سے یہاں کس نے لا پھینکا ہے، دوسرا اسے شام کے بڑھتے دھندلکے سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا اپنے پر پھیلا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جنگلاتی علاقے میں اندھیرا پھیلتے ہی زہریلے حشرات یا سانپ وغیرہ نکل آتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے تمام احتیاط بالائے طاق رکھتے ہوئے عمارت کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ جواد اپنے شہر کا مایہ ناز مصنف تھا۔

خوف تخلیق کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کی تحریریں پورے ملک میں پڑھی جاتی تھیں، اس کے کئی ناول چھپ چکے تھے۔ بیرون ملک اس کے چکر لگتے رہتے تھے۔ حال ہی میں وہ ملائیشیا کے دورے پر گیا تھا۔ اور آج واپسی پر اس کا طیارہ پراسرار طور پر کریش ہو گیا تھا۔

پہلے تو وہ جھجکتے قدموں سے عمارت کی طرف بڑھا۔ مگر چند قدم چلنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ عمارت سے نکلتی ان دیکھی مقناطیسی لہریں اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ اور پھر وہ دیوانہ وار اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ شکستہ ہونے کے باوجود وہ عمارت بہت عالی شان محسوس ہو رہی تھی۔ عمارت کے فصیلوں سے ایک ڈیڑھ فٹ نیچے دیوار میں پتھر اس انداز سے لگائے گئے تھے کہ پتھر کا آدھا حصہ عمارت پر شیڈ کی طرح جھکا ہوا تھا عمارت بنوانے والے نے اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے ان شیڈ نما پتھروں کو تراش کر جنگلی جانوروں کی اشکال میں ڈھال لیا تھا۔ ان جانوروں کی آنکھوں میں کوئی بلب نما سرخ لائٹ سی لگی تھی۔ جو شام کے پھیلتے اندھیروں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ عمارت عالیشان ہونے کے ساتھ ساتھ پر ہیبت بھی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی جواد کے قدم عمارت کے عالیشان گیٹ کی طرف بڑھتے گئے۔

گیٹ کے قریب پہنچتے ہی گیٹ مشینی انداز میں کھلتا چلا گیا۔ اندر کا ماحول باہر سے بھی شاندار تھا، گیٹ مکمل طور پر کھل چکا تھا مگر گیٹ کھولنے والا کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ جواد سحر زدہ انداز سے چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ سامنے وسیع و عریض ہال تھا جو کسی ٹی وی لاؤنج کی طرح سجایا گیا تھا۔ ایک سائیڈ پر آرام دہ صوفے رکھے ہوئے تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ قالین پر قدم رکھتے ہی اس کے پاؤں قالین میں دھنستے چلے گئے۔

اچانک ہی باہر سے ٹرین کی وسل اور اس کے پہیوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ اس کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اور وہ جیسے سحر سے نکل آیا۔ ٹرین کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔ جہاں تک جواد کو یاد پڑتا تھا اس آس پاس کہیں بھی اسے ٹرین کی پٹری نظر نہیں آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ کہیں دور کوئی اسٹیشن ہو، یہ سوچ اس کے لئے کافی حوصلہ افزاء

ثابت ہوئی۔

اچانک ہی عمارت میں جلتی ہوئی تمام روشنیاں بجھ گئیں۔ اندھیرا ہوتے ہی اس کو خوف محسوس ہونا شروع ہو گیا۔ خوف تخلیق کرتے ہوئے اسے اتنا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا جتنا آج حقیقی زندگی میں ہو رہا تھا۔

آج اسے معلوم ہوا تھا کہ لفظوں میں خوف سمونا اور حقیقت میں خوف کا سامنا کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

باہر جانے کا راستہ ابھی کھلا تھا۔ اور گیٹ تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے اپنے جسم کی تمام قوت ٹانگوں میں سمو کر دوڑ لگا دی۔ مگر گیٹ تک پہنچنے سے پہلے ہی گیٹ ایک زوردار دھماکے سے خود بخود بند ہو گیا۔ عمارت کی تمام لائٹیں پھر سے جل اٹھیں۔ جواد اپنے ہی زور میں گیٹ سے جا ٹکرایا۔ اس کے جسم میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹا مگر سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ جہاں پر لاؤنج ختم ہو رہا تھا وہاں سے سیڑھیاں اوپر چڑھ رہی تھیں۔

وہاں گیلری میں کوئی شخص چغہ نما لباس پہنے ہوئے کھڑا تھا۔ چغا کا اوپری حصہ کسی نقاب کی طرح اس کے پورے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ وہ شخص گیلری سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

جواد کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ اس شخص سے جواد کو کافی دہشت محسوس ہو رہی تھی جو پراسرار چال چلتا ہوا آہستہ آہستہ اس کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر آنے والے دہشت ناک لمحات کا تصور کرتے ہوئے جواد نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

ٹرین اپنی رفتار سے سفر کر رہی تھی، باہر اندھیرے میں دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کئی بھوت پیچھے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ وہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ تھا جس میں تین افراد بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے تک تینوں اجنبی تھے جبکہ اب وہ اچھے دوستوں کی طرح گفتگو کر رہے تھے۔

"اچھا تو آپ ہیں اکمل صاحب! آپ کی تحریروں میں بہت جان ہوتی ہے۔ قسم سے اکیلے بیٹھ کر پتلون والے سے کہا۔

"یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے بٹ صاحب کہ آپ جیسا رائٹر میری تعریف کر رہا ہے۔" اکمل نے بھی شلوار قمیض والے کی تعریف کا تعریفی میں جواب دیا۔

"ویسے اتفاق کی بات ہے کہ ایک ہی ٹرین میں ایک ہی ڈبے میں ہم تینوں رائٹر اکٹھے ہو گئے۔ اور مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ جن کی کہانیاں میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں آج ان کو دیکھ بھی لیا۔" تیسرا شخص جو خاموش بیٹھا ہوا تھا گفتگو میں شریک ہوا۔ یہ شخص بھی اچھی تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس تھا۔

مگر یہ عمر میں ان سے بڑا تھا اور سر کے سامنے والا حصہ بالوں سے خالی تھا۔

"اقرار صاحب! آپ بھی ہم سے کم نہیں۔ سنسنی پیدا کرنا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" اکمل نے تعریف کی تو دوسرا شخص جس کا پورا نام احتشام بٹ تھا، نے بھی تائید کی۔

ٹرین کی رفتار یک دم سست ہونی شروع ہو گئی۔ اکمل نے باہر دیکھا کہ کہیں بھی کوئی ایسا نشان نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ یہاں کوئی اسٹیشن ہے۔ ٹرین رکتے ہی تینوں اٹھے اور دروازہ کھول کر باہر دیکھنے لگے دوسرے مسافروں میں سے بھی بہت سے مرد نیچے اتر آئے تھے اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اکمل، اقرار، اور احتشام بھی نیچے اترے اور ٹرین کے انجن کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ جو بھی مسئلہ تھا وہ اب ڈرائیور سے ہی پتہ چل سکتا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسافر بھی انجن کی طرف بڑھنے لگے۔ ڈرائیور سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ کوئی مشینی پرابلم ہے۔ اور گھنٹہ دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ یہ سن کر کچھ مسافر تو وہیں پر بیٹھ گئے اور کچھ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے آس پاس ٹہلنے لگے۔ اقرار اور اکمل وغیرہ تینوں اکٹھے ایک سمت کو چل دیئے۔

"بٹ صاحب! کیا ماحول ہے ایسے پراسرار ماحول کبھی کبھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اب دیکھیں ناں۔ ٹرین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں خرابی پیدا نہ ہوتی تو ہم کو یہ تفریح کہاں ملتی۔'' اقرار نے ماحول کو انجوائے کرتے ہوئے چہک کر کہا۔

''یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے اب ہمیں تو یہ ماحول اچھا لگ رہا ہے مگر کئی مسافر دل ہی دل میں ٹرین کے سفر کو کوس رہے ہوں گے۔'' احتشام نے بھی چہکتی آواز میں کہا۔

''یہ تو کوئی عجیب سی عمارت لگتی ہے۔'' اکمل نے سامنے نظر آتی عمارت کو دیکھ کر کہا۔ باتوں باتوں میں انہیں پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ وہ کتنا دور نکل آئے ہیں۔

''دیکھنا تو چاہیے یہاں رہتا کون ہے؟'' اکمل نے ان دونوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اور ٹرین کو تو ابھی ٹھیک ہونے میں دیر لگے گی چلو اس طرف ایڈونچر ہی سہی۔'' اقرار نے اکمل کی تائید کی اور پھر تینوں جیسے جیسے عمارت کے قریب تر ہوتے گئے۔ عمارت سے نکلنے والی مقناطیسی لہریں انہیں اپنی طرف کھینچنے لگیں۔ وہ سحر زدہ انسانوں کی طرح چلتے ہوئے عمارت کے پاس پہنچ گئے۔ عمارت کا گیٹ دوسری طرف تھا۔ یہ عمارت کی بیک سائیڈ تھی۔ پھر وہ گھومتے ہوئے عمارت کی فرنٹ سائیڈ پر پہنچ گئے۔ عمارت کے بالکل سامنے ایک قطعہ زمین کافی دور تک درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ تینوں چلتے ہوئے عمارت کے گیٹ پر پہنچے۔ ان کے پہنچتے ہی گیٹ بغیر آواز کے کھلتا چلا گیا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی ٹرین کی وسل سنائی دی۔ ٹرین کی سیٹی سنتے ہی وہ تینوں اس انجان سحر سے آزاد ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کے پیچھے گیٹ بے آواز طریقے سے بند ہو چکا تھا۔

''یہ ہم کہاں آ گئے؟'' احتشام بٹ نے حیرانگی سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے ہم کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا کہ میں اس عمارت میں داخل کیسے ہوا.....؟'' اکمل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔'' اقرار نے دونوں کو خوفزدہ ہوتے دیکھ کر ہمت بندھائی۔ وہ ہی ان سب میں بڑا تھا۔ ''ہمیں یہاں گھوم پھر کر دیکھنا چاہیے کہ اس ویرانے میں اتنی عالیشان محل نما عمارت کس نے بنائی ہے؟'' اقرار نے اپنی بات آگے بڑھائی۔

''اقرار کی بات بالکل ٹھیک ہے اگر ہم.....''

ابھی احتشام کی بات منہ میں ہی تھی کہ ٹرین نے دسل پر دسل دینی شروع کر دی۔ کافی دور سے بھی دسل کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ''لگتا ہے ٹرین کا نقص دور ہو گیا ہے اور اب مسافروں کو بلانے کے لئے وہ دسل دے رہے ہیں۔'' اکمل نے تیزی سے کہا اور عمارت کے خارجی دروازے کی طرف بڑھا۔ ان دونوں نے بھی اکمل کی تائید کی۔

''ٹھہر جاؤ۔'' ایک خرخراتی ہوئی آواز نے انہیں مڑنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے سامنے سیاہ چغے میں ملبوس کوئی آدمی کھڑا تھا جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

''کون ہو تم؟'' احتشام نے آواز میں رعب لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے چھوڑ دو کہ میں کون ہوں، تم صرف یہ بات یاد رکھو کہ اب تم کچھ دنوں کے لئے یہیں رہو گے۔'' وہی خرخراتی آواز سنائی دی مگر اجنبی کا چہرہ پھر بھی نظر نہ آیا۔

''کیوں ہم کیوں یہاں رہیں گے اچھی زبردستی ہے۔ ہم جا رہے ہیں ہماری ٹرین چھوٹ رہی ہے۔'' اقرار نے سٹپٹاتے ہوئے کہا۔

''جا رہے ہو تو جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا جاؤ۔'' خرخراتی آواز میں طنز چھپا ہوا تھا۔

وہ تینوں پلٹے اور گیٹ پر زور آزمائی کرنے لگے۔ ٹرین چل پڑی تھی پہیوں کی کھڑکھڑاتی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ ٹرین کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہو رہی ہے۔ تینوں دیوانگی سے گیٹ پر پل پڑے۔ مگر کافی کوششوں کے بعد بھی گیٹ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر تینوں پسینے میں بھیگے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ چغے میں ملبوس شخص وہیں کھڑا تھا۔

''اتنا ہی دم خم تھا تم میں، یاد رکھو یہاں لوگ آتے بھی میری مرضی سے ہیں اور جاتے بھی میری مرضی سے ہیں۔ یہاں سے واپس جانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

آواز پھر سے سنائی دی۔ بلاشبہ یہ آواز اسی چغے والے شخص کی تھی۔ اس کا چہرہ نیچے تھا۔ مگر وہ حیرت انگیز طور پر ان کی تمام حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم یہاں ہم کو کیوں روکنا چاہتے ہو؟'' احتشام نے تھکے تھکے انداز میں اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اب کی ناں کام کی بات! آؤ میرے ساتھ۔'' چغے والے نے کہا اور انہیں اٹھتا دیکھ کر چل پڑا۔ چغہ اتنا لمبا تھا کہ اس آدمی کے پاؤں اور ہاتھ بھی اس میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ تینوں اس کا بغور جائزہ لیتے چل پڑے۔ انہوں نے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ اجنبی چلتا ہوا ایک سائیڈ پر بنے دروازے پر رکا۔ تو وہ دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ دروازے کے پیچھے سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ تہ خانے میں بہت اندھیرا تھا مگر اجنبی کے اندر قدم رکھتے ہی تہ خانہ روشنیوں سے منور ہو گیا۔ تہ خانہ بہت شاندار انداز میں سجا ہوا تھا۔ چھت پر فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ نیچے فرش پر سنگ مرمر سے عجیب و غریب ڈیزائن بنے ہوئے تھے سائیڈوں پر صوفے اور تہ خانے کے وسط میں ایک ٹیبل کے گرد چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جبکہ ایک دیوار میں ایک شاہی تخت نما نشست تھی جس کی سیڑھیوں پر دبیز قالین بچھایا گیا تھا۔

اجنبی نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود چلتا ہوا تخت پر جا بیٹھا۔ تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر اس نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا جیسے اس نے کسی کو بلایا ہے۔ تہ خانے میں بنے ایک دروازے سے ایک پہلوان نما آدمی اندر داخل ہوا۔ اس اجنبی نے اسے کچھ کہا تو وہ واپس چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک اور نوجوان کے ساتھ داخل ہوا۔ اجنبی تخت نشین نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور پہلوان نما شخص کو کچھ کہا تو وہ چلا گیا۔

''اب کام کی بات ہو جائے کہ تمہیں یہاں کس لئے روکا گیا ہے.....؟'' تخت نشین کی مخصوص آواز سنائی دی۔

''جلدی بتاؤ ہم سے کیا کام ہے حالانکہ نہ تم ہمیں جانتے ہو اور نہ ہم تمہیں جانتے ہیں۔'' احتشام نے زوردار لہجے میں کہا۔

''بے شک تم مجھے نہیں جانتے مگر میں تم سے اور تمہارے اگلے پچھلوں سے واقف ہوں۔ تمہارا نام احتشام بٹ ہے۔ تم اپنے شہر کے مشہور و معروف رائٹر ہو۔ ڈر، دہشت، خوف اور سنسنی لفظوں میں پرو دینا تمہارا کام ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' خرخراتی آواز نے احتشام کا تعارف ظاہر کیا۔

''بالکل مگر کہانیاں لکھنا کوئی جرم تو نہیں۔'' احتشام نے زہر خند لہجہ میں کہا۔

''میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ تم نے کوئی جرم کیا ہے اور ہاں میں پہلے سب کا تعارف کروا دوں۔ تم تینوں ایک دوسرے کو جانتے ہو۔ یہ اکمل ہے اس کے ساتھ اقرار اور اس چوتھے آدمی کو تم نہیں جانتے۔ اس کا نام جواد ہے۔ یہ بھی تم تینوں کی طرح ایک مشہور رائٹر ہے۔'' آواز خاموش ہوئی تو اقرار گویا ہوا۔

''ہمیں ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمیں اس جس بے جا میں کیوں رکھا گیا ہے؟''

''میں اسی موضوع کی طرف آ رہا ہوں۔ تم لوگوں کو یہاں مہمانوں کی طرح رکھا جائے گا اس عرصے کو قید نہ سمجھو۔ جو چیز کھانے پینے کی تمہیں چاہیے ہو گی وہ یہیں منگوا لی جائے گی۔ جتنے دن تم یہاں رہو گے تمہیں باہر کی دنیا سے رابطہ ختم کرنا پڑے گا بلکہ ختم ہو چکا ہے۔ اور اب آتا ہوں اصل بات کی طرف جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم سب منجھے ہوئے مصنف ہو۔ یوں سمجھ لو کہ مجھے قصہ سننے کا شوق ہے۔ اپنی زندگی میں تم لوگ جن جن کہانیوں سے مشہور ہو کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچے ہو مجھے وہ کہانیاں سننی ہیں۔'' چغے میں ملبوس تخت نشین نے طویل تقریر کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی خفیہ آنکھوں سے ان کے تاثرات کا جائزہ لے رہا ہو۔

''اتنی سی بات کے لئے آپ نے ہم لوگوں کو اس طرح یہاں قید کر لیا۔ کہانیاں سننے کا آپ کو شوق ہے تو آپ بازار سے ہماری مشہور تصانیف حاصل کر سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔" جواد کو اس اجنبی کی احمقانہ بات سن کر غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے کتنی بار تم لوگوں سے کہا ہے کہ اسے قید نہ سمجھو۔ تم میرے معزز مہمان ہو۔ اور میں نے خاص طور پر تم چاروں کو یہاں بلایا ہے۔ یہ کوئی اتفاق یا حادثہ نہیں تمہاری ٹرین خراب ہوئی اس کا طیارہ کریش ہوا یہ سب میں نے اپنی خفیہ طاقتوں سے کیا ہے۔ میرا مقصد تمہیں ڈرانا نہیں۔ میں صرف تمہیں یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ میں اپنے شوق کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ رہی بات تمہاری تصانیف منگوانے کی تو تمہاری دنیا کے تمام مشہور رائٹرز کی اسٹوریز میری لائبریری میں محفوظ ہیں۔ تمہارے منہ سے سننے کی بھی ایک وجہ ہے جو میں بعد میں بتاؤں گا۔" خرخراتی آواز میں بھی غصے کا عنصر شامل تھا اور وہ چاروں اسے غصے میں دیکھ کر سہم گئے تھے۔ اتنی دیر میں وہی دروازہ پھر سے کھلا اور وہی پہلوان ایک بڑا سا طباق ہاتھوں میں اٹھائے ظاہر ہوا۔ اس نے وہ طباق میز پر رکھا۔

بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو سے چاروں کی بھوک چمک اٹھی وہ سب کچھ بھول بھال کر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ ہرن کا گوشت تازہ روٹیوں کے ساتھ انہیں بہت لطف دے رہا تھا۔ کھانا کھا کر ان کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ پیٹ بھر جائے تو نیند اسی طرح آتی ہے اجنبی نے موٹے شخص کو کچھ کہا اور پھر ان سے مخاطب ہوا۔

"یہ شخص تمہیں تمہارے کمروں تک پہنچا دے گا۔ تم آرام کرو باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" اور وہ سب پہلوان کے پیچھے چلتے ہوئے تہ خانے سے باہر نکل گئے۔

صبح وہی پہلوان نما شخص انہیں دوبارہ تہ خانے میں لے گیا۔ اس نے تہ خانے میں ایک سائیڈ پر دیوار میں ابھری جگہ پر ہاتھ مارا تو وہاں سے دیوار ہٹ گئی۔ وہاں ایک اور تہ خانہ تھا سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ روشنی یہاں پہلے ہی سے تھی۔ موٹے شخص نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ چاروں بھی اس کے پیچھے اتر گئے۔ اندر کی دنیا دیکھ کر چاروں حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کافی وسیع تہ خانہ کتابوں سے بھری شیلفوں سے سجا ہوا تھا۔ ایک کونے میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو غالباً کچن تھا۔ پہلوان نما شخص انہیں لے کر شیلفوں کے بیچوں بیچ جا پہنچا۔ وہاں پانچ کرسیاں تھیں۔ جن میں سے ایک پر وہی چغے میں ملبوس شخص بیٹھا تھا۔

"آؤ میرے معزز دوستو۔ بیٹھو!" اس نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔ اور وہ چاروں چلتے ہوئے کرسیوں پر جا بیٹھے۔

"آپ ہمارے میزبان ہیں مگر ہم نے ابھی تک آپ کا چہرہ دیکھا نہ ہی نام سے واقف ہیں۔" اکمل نے کب سے ہونٹوں پر مچلتا سوال پھینک ہی دیا۔

"وقت آنے پر تمہیں تمہارے سارے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ اب ہم اپنی محفل کا آغاز کرتے ہیں۔" اجنبی نے تھوڑا توقف کیا پھر بولا۔ "تم میں سے سب سے پہلے کون اپنی لکھی ہوئی کہانی سنائے گا۔" کسی بھی رائٹر سے اس کی مشہور کہانی سننے کا کہا جائے تو وہ بڑے فخر سے سناتا ہے یہی وجہ تھی کہ سب نے اپنے ہاتھ کھڑے کر لئے تھے۔ "ایسے نہیں، میں بتاتا ہوں کیا میرا فیصلہ تمہیں منظور ہے یا قرعہ اندازی کی جائے۔" میزبان نے پوچھا۔ "منظور ہے۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا تو میزبان نے احتشام کا نام لیا۔ "احتشام کی کہانیاں سبق آموز اور خوفناک ہوتی تھیں۔" احتشام اجازت ملتے ہی اپنی بے شمار لکھی گئی اسٹوریز میں سے کوئی مشہور کہانی سوچنے لگا۔ یوں تو اس کی بہت سی کہانیاں مشہور ہوئی تھیں مگر "خونی ندی" سے اسے جو شہرت ملی تھی وہ دوسری اسٹوریز کے مقابلے میں ہزار گنا تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی اسٹوری "خونی ندی" کی شروعات کر دی۔

قدرتی مناظر اور دلکش نظاروں سے بھرپور وہ ندی ہر دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتی تھی۔ حد نگاہ تک پھیلی اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں اور قدم قدم اونچائی کی طرف جاتے چیڑ اور دیودار کے درختوں میں سیاحوں کے لئے بہت کشش تھی۔ قدرتی چشموں کے پانی سے بنی نیلگوں پانی کی اس خوبصورت ندی نے گاؤں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ نومبر سے مارچ تک وہ ندی برف

سے ڈھکی رہتی اور گرمیوں کے موسم میں جب برف پگھلتی تو ندی کا پانی سورج کی کرنوں میں سونے کے پانی کی طرح چمکتا۔ یہاں کے رہائشی یعنی اس گاؤں کے رہنے والوں کا پیشہ ماہی گیری اور کشتی رانی تھا۔ عابد، مشتاق، اور آصف۔ تینوں گہرے دوست تھے اور میلوں تک پھیلی اس ندی سے روزی حاصل کرتے تھے۔ ان مچھیروں میں سب سے لمبا سانس عابد مچھیرے کا تھا۔ سانس روکنے کی مشقیں کر کر کے اس کا سانس چار منٹ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ پانی کے نیچے غوطہ لگا کے چار چار منٹ اوپر آنا بھول جاتا تھا۔ اور عابد ہی ان سب میں اچھا تیراک تھا۔

چند دن پہلے کچھ لوگ یہاں کی سیر کے لئے آئے تھے ان میں سے ایک نوجوان لڑکا نہانے کے لئے ندی میں اترا پانی گہرا ہونے کی وجہ سے وہ غوطے کھانے لگا۔ مشتاق سے دیکھا نہ گیا تو وہ کمیض اتار کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"رک جاؤ مشتاق!" عابد نے مشتاق کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "عابد یار وہ لڑکا ڈوب رہا ہے اسے بچانا ہمارا فرض ہے۔" مشتاق نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ "تو جاؤ" عابد نے اس کا ہاتھ غصے سے دور کرتے ہوئے کہا۔

مشتاق جانتا تھا کہ عابد کا یہ وقتی غصہ ہے۔ وہ ہمیشہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ کبھی کسی ڈوبتے ہوئے انسان کے پاس جانے کی جرأت نہ کرنا۔ اس کی بعض بلکہ اکثر باتیں دانائی سے بھرپور ہوتی تھیں، مگر ایک انسان کو زندگی اور موت کی کشمکش میں جھولتا دیکھ کر مشتاق سے دیکھا نہ گیا۔ اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی اور پانی کو چیرتا ہوا تیزی سے اس لڑکے کی طرف بڑھنے لگا۔

دور کنارے پر کھڑے اس کے رشتہ دار چیخ و پکار کرتے اسی طرف آ رہے تھے۔ لڑکے کے الٹے سیدھے پڑتے ہاتھ نہ صرف اس کے زندہ ہونے کی نشاندہی کر رہے تھے بلکہ اس کے تیراکی کے فن سے ناواقف ہونے کا ثبوت بھی دے رہے تھے۔ وہ پانی میں کسی فٹ بال کی طرح گھوم رہا تھا۔ کبھی سر نیچے تو کبھی ٹانگیں۔ مشتاق نے اس کے قریب جا کر اسے بازو سے پکڑا۔ لڑکا تو جیسے کسی سہارے کی تلاش میں تھا اس نے ٹانگوں اور بازوؤں سے مشتاق کو جکڑ لیا۔ مشتاق کے ہاتھ پیر جیسے معذور ہو گئے تھے۔ وہ نہ تو تیر سکتا تھا اور نہ ہی اسے اپنے آپ سے الگ کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ نتیجتاً دونوں نیچے گہرائیوں میں اترتے گئے۔ اس کے دماغ میں میں آندھیاں چل پڑیں اسے اپنے دوست عابد کی نصیحت یاد آ رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے اپنے دونوں بازو آزاد کئے اور پھر اس کی ٹانگوں کو پکڑ کر کھولا اسے بنیان کے پیچھے سے پکڑا اور ہاتھ پیر مارتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھا۔ لڑکا ابھی تک مزاحمت کر رہا تھا۔ وہ موت سے بچنے کے لئے بدحواسی میں موت کو گلے لگانے والی حرکتیں کر رہا تھا۔ پانی کی سطح پر آتے ہی اس نے لڑکے کا منہ اپنی طرف گھمایا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

"کچھ ہوش ٹھکانے آیا۔" مشتاق نے زہریلے لہجے میں لڑکے سے پوچھا۔ لڑکا اب اپنے حواس میں تھا اور اسے ہونقوں کی طرح دیکھے جا رہا تھا۔ تھپڑ کا نشان اس کے گال پر ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔ "اب میری انگلی پکڑ لو اور آ جاؤ۔" مشتاق نے اب کی بار نرم لہجے میں کہا۔ لڑکے نے سعادت مندی سے اس کی بڑھی ہوئی انگلی پکڑ لی۔ مشتاق آہستہ آہستہ تیرتا ہوا کنارے پر آ گیا۔ لڑکا باہر نکل کر زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بالکل ہشاش بشاش ہو گیا۔ لڑکے کے گھر والوں سے ایک ادھیڑ عمر آدمی آگے بڑھا اور مشتاق سے کہا۔ "تم نے ہمارے بیٹے کی زندگی بچائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"یہ تو میرا فرض تھا آپ کے بیٹے کی نادانی کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی بھی ڈوبتی محسوس ہو رہی تھی خدا کو ہم دونوں کی زندگی منظور تھی جو ہم بچ گئے اس میں احسان والی کوئی بات نہیں۔" مشتاق نے سادگی سے جواب دیا۔ "تم جو بھی کہو مگر میں تو زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ اور یہ کچھ رقم ہے اسے اگر رکھ لو تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔" ادھیڑ عمر آدمی نے جیب سے پرس نکال کر چند نوٹ مشتاق کی طرف بڑھائے۔ مشتاق کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ "ایک طرف تو آپ میرے احسان مند ہو رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ دوسری طرف میرا احسان خریدنے کی کوشش کررہے ہیں۔'' مشتاق بہت غصے میں تھا۔

''یہ تمہارے احسان کی قیمت نہیں۔ یہ تمہاری بہادری کا انعام ہے اور مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر یہ انعام لو، میرا دل خوش ہوجائے گا۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑیں سب یہ تو نادان ہے بھائی ہے میرا یہ رقم اسے میں دے دوں گا۔'' عابد نے نوٹ پکڑے اور جیب میں ڈال لئے۔ مشتاق سٹپٹاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

اس دن کے بعد سے تینوں دوستوں میں بول چال بند ہوگئی۔ عابد کی طرح آصف بھی لالچی ذہن کا مالک تھا۔ موقع پر تو وہ نہیں تھا مگر عابد کے بتانے پر اس نے عابد کی ہی تائید کی۔

گرمیوں کا سیزن شروع ہوچکا تھا۔ اس سیزن میں گاؤں کے اکثر لوگ طرح طرح کی چیزیں لگا لیتے۔ خنک میوہ یہاں کی مشہور سوغات تھی۔ اس کے علاوہ سموسے پکوڑے اور تلی ہوئی مچھلی کی بہت مانگ ہوتی تھی۔ دوسرے علاقوں میں کافی شدید گرمی ہونے کے باوجود یہ علاقہ سرد رہتا تھا۔ غرض کہ گرمیوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کے لوگوں کی چاندی ہوتی تھی۔

اور پھر وہ بھیانک حادثہ ہوا جس کی وجہ سے مشتاق کے دل سے عابد اور آصف کی رہی سہی دوستی کے نقش مٹ گئے۔ مشتاق اس وقت اپنے ٹھیلے پر تلی مچھلی گاہکوں کو فروخت کرنے میں مگن تھا کہ ایک شور سا اٹھا۔ ذرا سی دیر میں ندی کے کنارے سیاحوں کا ہجوم اکٹھا ہوچکا تھا۔ مشتاق بھیڑ کو چیرتا وہاں پہنچا تو آصف کی کشتی کنارے پر پہنچ رہی تھی۔ اس میں بیٹھی عورتیں آہ وبکا کررہی تھیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کی چھ سالہ بیٹی ندی میں ڈوب گئی ہے۔ اتنے میں عابد بھی دور سے آتا نظر آیا۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

کنارے پر کھڑے افراد اسے پانی میں جاکر بچی کو تلاش کرنے کی منت کرنے لگے۔ مگر اس نے کسی کی نہ سنی۔ ایک عورت جو اس بچی کی ماں تھی اس نے عابد کے آگے ہاتھ جوڑے اور بولی۔ ''میری بچی کو بچالو! خدا کے واسطے!'' اتنا کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی۔

عورت کے ساتھ آئی دو اور عورتوں نے بھی اس کی منت کی تو وہ بولا۔ ''یہ ندی بہت خطرناک ہے اپنی جان پر کھیل کر آپ کی بچی کو تلاش کروں گا مگر اس کی قیمت آپ کو دینی پڑے گی۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شاید اب اس کی لاش ہی ملے۔'' عابد کی بات سنتے ہی عورت نے چیخ ماری اور غش کھا کر زمین پر گرتی چلی گئی۔ دوسری دو عورتوں میں سے ایک آگے بڑھی اور بولی۔ ''تم جتنا پیسہ کہو گے ہم تمہیں دیں گے مگر خدا کے لئے جلدی کرو۔''

''میں دس ہزار لوں گا اور وہ بھی نقد۔'' عابد نے ماہر سودے باز کی طرح کہا۔

''لعنت ہو تم پر مجھے تو تمہیں دوست کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔'' مشتاق جواب تک یہ باتیں سن رہا تھا آگے بڑھا اور نفرت سے زمین پر تھوکتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اپنی ممیض اتاری۔ شلوار کو مخصوص انداز میں سمیٹا اور ندی میں چھلانگ لگادی۔ باتوں باتوں میں اسے پتہ چل گیا تھا کہ بچی کس جگہ پر گری ہے۔ وہ نیچے پانی کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ صاف وشفاف پانی میں بھی دو تین فٹ سے آگے نظر نہیں آرہا تھا۔ کافی گہرائی میں اتر کر اسے زمین نظر آئی تو وہ مخصوص مقام کی طرف بڑھا۔ کافی دیر کی جہدوجہد کے بعد بچی کا کہیں نام ونشان نظر نہ آیا تھا۔ وہ ندی کی تہہ میں اتر اچپہ چپہ دیکھ رہا تھا۔

آخر کار اس کے پھیپھڑوں نے آکسیجن مانگی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پانی کی سطح کی طرف بڑھا۔ سطح پر آکر اس نے سانس درست کیا اور ایک بار پھر نیچے چلا گیا۔ تین چار بار ایسا کرنے کے بعد جب وہ تھک گیا تو مایوس ہوکر باہر نکل آیا۔ ''استاد کا کام استاد کو ہی زیب دیتا ہے مشتاق صاحب۔'' عابد نے اسے مایوسی سے آتا دیکھ کر طنز کیا۔ عورت نے جب دیکھا کہ نوجوان مایوس لوٹا ہے تو اس نے اپنے بازوؤں پر پہنے سونے کے کنگن اتارے کانوں سے جھمکے اتارے اور عابد کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''ہمارے پاس نقد پیسے تو نہیں

یہ سونا لے لو، یہ تمہاری مانگ سے کہیں زیادہ پیسوں کا ہے مگر ہماری بچی کو تلاش کرو۔

اتنا سارا سونا دیکھ کر عابد کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے ساری چیزیں آصف کو پکڑائیں اور خود ندی میں اتر گیا۔ پانچ چھے منٹ گزرے تھے کہ وہ بچی کی لاش اٹھائے پانی پر طلوع ہوا۔ بلاشبہ وہ ایک تجربہ کار تیراک تھا۔ اس نے اپنا سانس درست کیا، وہ اپنی مقررہ مقدار سے زیادہ دیر پانی میں رہا تھا۔ اسی لئے وہ ہانپ رہا تھا۔ آخر وہ تیرتا ہوا کنارے پر آگیا۔ بچی کی حالت دیکھ کر عورتیں تو رو رہی تھیں مگر ساتھ کھڑے ہجوم کی آنکھوں میں بھی پانی آگیا تھا۔ بچی کے چہرے پر آبی جانوروں کے دانت کے نشانات واضح تھے۔ وہ لوگ اسے لے کر چلے گئے۔

مشتاق نے آصف اور عابد کی طرف نفرت سے دیکھا اور اپنی دکان کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں سونے کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہے تھے۔

یہ ان بھیانک حادثات کی شروعات تھیں جو بعد میں پیش آئے۔ گرمی کے چھ مہینوں میں اس طرح کے چودہ واقعات اور پیش آئے جن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچایا جاسکا۔ مرنے والے تو مرتے رہے مگر آصف اور عابد کی لاٹری لگی رہی۔ ہفتوں میں ہی وہ کافی دولت مند ہوگئے تھے۔ گرمیوں کا سیزن ختم ہوا، برف گرنی شروع ہوئی تو سیاحوں کی آمد رفت میں کمی آئی۔ عابد اور آصف اور لاشیں نکال نکال کے ان کے لواحقین سے اتنی دولت اکٹھی کرلی تھی کہ وہ اب ساری زندگی بھی کام نہ کریں تو بیٹھ کے کھا سکتے تھے۔ جبکہ مشتاق سیزن کا کمایا ہوا پیسہ ان دنوں میں استعمال کرتا تھا۔

آصف اور عابد کافی رئیسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ آصف کے تین اور عابد کے دو بچے تھے۔ دونوں کو اپنی اولاد سے کافی محبت تھی۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ عابد کے دروازے کی اندرونی کنڈی بغیر کسی آواز کے کھل گئی۔ ایک سولہ سالہ نوجوان اندر داخل ہوا اور عابد کے ساتھ پڑی چارپائی کی طرف دیکھا۔ جس پر اس کا چودہ سالہ نوجوان بیٹا سو رہا تھا۔ اس اجنبی نوجوان نے آہستہ سے پکارا۔ ''شاہان اٹھو!'' ایک دو مرتبہ ایسا کرنے سے عابد کا بیٹا شاہان اٹھا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایسے چل رہا تھا جیسے نیند میں چل رہا ہو۔ آگے والے نوجوان کے کپڑوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

آگے پیچھے چلتے وہ اس ندی پر پہنچے جو برف کی موٹی تہہ میں ڈھکی ہوئی تھی۔ نوجوان چلتا ہوا ندی کے بالکل درمیان میں جاکھڑا ہوا شاہان بھی سحرزدہ سا اس کے ساتھ جاکھڑا ہوا۔ برف کا وہ ٹکڑا کسی لفٹ کی طرح ندی کے ٹھنڈے پانی میں اترتا چلا گیا اور چند لمحوں میں وہ ٹکڑا آکر اپنی جگہ پر فٹ ہوگیا۔

اپنے بیٹے کو صبح ہونے پر عابد نے چارپائی پر نہ پایا تو باہر نکل کر اسے تلاش کرنے لگا۔ چند لمحوں میں ہی یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ عابد کا جوان سالہ بیٹا شاہان پراسرار طور پر غائب ہوگیا ہے۔ گاؤں کے چند لوگ ایسے تھے جو پاؤں کے نشانات سے کھوج لگا لیتے تھے۔ ان میں سے تیز کھوجی دین محمد تھا جو کہ کھرا دیکھ کر بتا دیتا تھا کہ چلنے والا مرد ہے یا عورت یا بچہ۔ دین محمد کھرے کا پیچھا کرتے کرتے ندی تک جا پہنچا۔ ''عابد میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا بیٹا اس ندی کی طرف آیا ہے وہ اکیلا تھا اور یہاں سے واپس نہیں گیا۔'' دین نے ختم ہوتے ہوئے نشانوں پر جھک کر کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو دینو، ندی پر اس کا کیا کام جب کہ سارا پانی منجمد ہے۔ اگر ندی کا پانی برف میں نہ چھپا ہوتا، پھر تو ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ یہاں نہانے آیا ہوگا۔'' عابد نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''حالات مجھے جو بتا رہے ہیں میں نے وہی بتایا ہے میرا اندازہ سو فیصد درست ہے۔ اگر ندی کے کنارے آکر اس کے قدموں کے نشانات غائب ہوئے ہیں تو لازمی بات ہے وہ برف پر چل کر دوسرے کنارے گیا ہے جہاں اس کے قدموں کے نشانات ہونے چاہیے۔'' دینو نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔

''تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے کیا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بھلا ندی کے دوسرے کنارے کیا کرنے جائے گا۔ اور اگر اسے جانا بھی ہوتا تو وہ پل پر سے گزر کر چلا جاتا برف کے اوپر سے جانے کی اسے کیا ضرورت تھی۔'' عابد نے غصے سے کہا۔

''تو تم ہی بتاؤ وہ کہاں گیا؟ نہ اس کے قدموں کے نشان واپس جارہے ہیں نہ پل کی طرف اگر وہ دوسرے کنارے بھی نہیں گیا تو پھر واضح بات ہے کہ وہ زمین میں اتر گیا ہے۔'' اب کی بار غصہ کرنے کی باری دینو کی تھی۔ اتنا کہہ کر دینو لوگوں کو ہٹاتا ہوا بھیڑ سے نکل گیا۔

لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کررہے تھے۔

تین دن تک عابد نے بیٹے کو بہت تلاش کیا مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ملا۔

پورے چاند کی رات تھی جب آصف کے گھر کی چٹخنی کھلی۔ دروازے پر ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی جس کے لمبے بال اور کپڑے پانی سے ایسے بھیگے ہوئے تھے جیسے سوئمنگ پول سے نکل کر آئی ہو۔ ''نادیہ اٹھو آؤ میرے ساتھ۔'' لڑکی کے منہ سے آہستہ سی آواز میں یہ لفظ نکلے۔

آصف کی چودہ سالہ بیٹی مشینی انداز میں اٹھی اور ننگے پاؤں اس لڑکی کے پیچھے چل پڑی۔

شاہان والا واقعہ پھر سے دہرایا گیا۔ دونوں لڑکیاں سرد پانی میں اتر گئیں۔

صبح ہوتے ہی آصف کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ لڑکا گھر سے غائب ہو تو اتنی افراتفری نہیں ہوتی جتنی کسی لڑکی کے غائب ہونے پر ہوتی ہے۔ یہ خبر بھی پورے گاؤں میں گردش کرنے لگی۔

ایک دفعہ پھر سے پاؤں کے نشانوں کا پیچھا ہوا تو وہ ندی پر جا کر رکے۔ اب کی بار بھی دینو کا پہلے والا موقف تھا۔ دینو کے مشورے پر سب لوگ دور بنے پل سے گزر کر ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچے، میلوں دور تک کھوج لگانے کے باوجود انہیں نادیہ کے پاؤں کا کوئی نشان نہ ملا۔

سب لوگ ہی حیران تھے کہ کنارے پر پہنچ کر لڑکی لڑکا گئے تو کہاں گئے؟ تھک ہار کر سب واپس آگئے۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ آصف کی آنکھ کھلی۔ اس کے کانوں میں نادیہ کی آواز پڑی جو بہت دل سوز انداز میں رو رہی تھی۔ وہ فوراً اسے پیشتر گھر سے باہر نکلا آواز کا تعاقب کرتے کرتے وہ کافی دور نکل آیا۔ رونے کی آواز ایک مخصوص فاصلے سے آرہی تھی مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے آواز بھی آگے ہوتی جارہی تھی۔ اسے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو بچانا چاہتا تھا۔ اور پھر آواز کا تعاقب کرتے کرتے وہ ندی پر پہنچ گیا۔ برف کی جمی تہہ پر سے ایک جگہ سے برف ہٹی ہوئی تھی ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس جگہ سے برف کا گول ٹکڑا کسی نے کاٹ لیا ہو۔

چار فٹ قطر کے اس دائرے میں سے نادیہ کی دل گداز سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ آصف بھاگ کر برف کی سطح پر چڑھا اور دوڑتا ہوا اس سوراخ کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ پانی میں آگے کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ اس نے سر تھوڑا نیچے کیا تو ایک چھپاکے سے پانی سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نکلی اور اسے گردن سے پکڑ کر پانی کی گہرائیوں میں گھسیٹ لیا۔

آصف لمحے کے ہزارویں حصے میں عورت کو پہچان گیا تھا۔ یہ وہی عورت تھی جس کی لاش نکال کر دینے پر عابد اور خود اس نے پندرہ ہزار روپے حاصل کئے تھے۔

یخ ٹھنڈے پانی میں گر کر بھی اسے محسوس ہورہا تھا کہ اس کے جسم کے مساموں سے پسینہ پھوٹ رہا ہے۔ اور یہ سب خوف کی زیادتی کی وجہ سے تھا۔ وہ عورت اسے گھسیٹتی ہوئی پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں لے گئی۔ پانی حیرت انگیز طور پر شیشے کی طرح صاف ہو چکا تھا۔ اسے دور دور تک سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہاں کا منظر دیکھ کر ہی اس کا سانس ٹوٹا تھا جواب تک اس نے روک رکھا تھا۔

اب تک جتنے لوگوں کی لاشیں انہوں نے معاوضہ لے کر نکالی تھیں سب کے سب اس پانی میں موجود تھے۔ ان میں بچے بوڑھے اور نوجوان لڑکے لڑکیاں بھی تھے۔ آصف کو اپنی موت سامنے نظر آرہی

تھی اس عورت نے اسے کمر سے پکڑ کر دھکا دیا اور وہ تیرتا ہوا ان سب کے درمیان جا کر رکا۔

بارہ چودہ افراد تھے وہ انہوں نے آصف کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا۔ آصف نے خوف کی زیادتی سے چیخنے کی کوشش کی مگر معدے اور سانس کی نالی میں اترتے پانی نے اس کی چیخ وہیں روک دی۔ وہ سب اس پر پل پڑے۔ پانی کی اوپری سطح پر خالی خلا برف کے ایک گول ٹکڑے کے فٹ ہونے سے بند ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

آہستہ آہستہ لوگ پراسرار طریقے سے غائب ہوتے جارہے تھے اور سب کا کھوج ندی کے قریب ہی جا کر ختم ہورہا تھا۔ اس گاؤں میں یہ تیسری واردات تھی۔ اور یہ تینوں وارداتیں آصف اور عابد کے ساتھ ہی پیش آئی تھیں۔ سب لوگ ہراساں تھے۔

وہ خوبصورت ندی اب خونی ندی کے نام سے مشہور ہو چکی تھی۔ دن کے وقت بھی کوئی اس ندی کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ اتنی دہشت کے باوجود رات کے پچھلے پہر عابد اپنے گھر سے نکلا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا ندی کی طرف بڑھا۔

رات کے اس پہر مشتاق کو بھی نیند نہیں آرہی تھی وہ چھت پر ٹہلنے آیا تو دور جاتے ہوئے عابد پر اس کی نظر پڑی مشتاق لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا کہ وہ یعنی عابد ندی کی طرف جارہا ہے اور اس کا اندازہ ایسا تھا جیسے کسی کو تلاش کررہا ہو۔ مشتاق جلدی سے سیڑھیاں اترا اور عابد کے پیچھے چل پڑا۔ وہ بغیر آواز کئے عابد کا تعاقب کررہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب تک کے تمام حادثات کا تعلق کچھ نہ کچھ عابد سے ضرور ہے اور وہ چھپ کر دیکھنا چاہتا تھا کہ عابد ندی کی طرف کیا کرنے جارہا ہے۔ اور پھر چلتے چلتے عابد ندی کے کنارے پہنچ گیا۔

مشتاق نے وہاں عجیب وغریب منظر دیکھا ندی پر جمی برف کی سطح ایک جگہ سے گول دائرہ کی طرح خالی تھی اور عابد چلتا ہوا وہیں جا کے رکا۔

مشتاق بھی برف پر چڑھ گیا اور تقریباً پانچ قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوگیا۔

''شاہان میرے بیٹے کہاں ہو تم؟'' عابد سوراخ پر دوزانو بیٹھ کر نیچے پانی میں دیکھتے ہوئے چلایا۔ مشتاق کو اس کی ذہنی حالت پر ترس آرہا تھا۔ کہ اچانک ندی سے دو ہاتھ نکلے اور عابد کے جھکے ہوئے سر کو پکڑ کر نیچے کھینچا۔

مشتاق چند لمحے تو جیسے سکتے میں آگیا مگر پھر دوڑتا ہوا سوراخ کے اوپر پہنچا۔ چند لمحے وہ پانی کے اندر کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک گہری سانس پھیپھڑوں میں بھری اور سوراخ میں چھلانگ لگا دی۔ وہ گہرائیوں میں اترتا جارہا تھا۔ ٹھنڈے یخ پانی نے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو جیسے منجمد کردیا۔

مشتاق نے ہاتھوں پیروں کو تیزی سے حرکت دینی شروع کردی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے حرکت روک دی تو اس کے پٹھے کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ آہستہ آہستہ پانی شیشے کی طرح صاف ہونا شروع ہوگیا۔ پھر جو منظر مشتاق کے سامنے آیا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ جتنے لوگ اس پانی میں ڈوبے تھے سب کے سب بہ نفس نفیس وہاں موجود تھے۔

مشتاق کے سامنے ان لوگوں کے مردہ وجود ان کے لواحقین کے سپرد کئے گئے تھے۔ مگر وہ اب پانی میں بغیر تنفس کی رکاوٹ کے موجود تھے۔

بھوت، روحیں، یہ خیال آتے ہی مشتاق کو خوف نے آن جکڑا۔ اور وہ تیزی سے ہاتھ پاؤں چلاتا اوپری سطح کی طرف بڑھا۔ اوپر پہنچتے ہی اس کے خوف میں اضافہ ہوگیا۔ کیونکہ جہاں سے برف کا گول ٹکڑا اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا۔ وہاں برف کی موٹی تہہ ایسے جمی تھی جیسے کبھی وہاں سوراخ ہوا ہی نہ ہو۔

مشتاق نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو سب عابد کو پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ شاید وہ چیخ بھی رہا تھا کیونکہ اس کے کھلے منہ سے نکلتا سانس پانی میں بلبلے چھوڑ رہا تھا۔ وہ درجن کے حساب سے تھے ان افراد نے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو پکڑ رکھا تھا۔

ان میں سے ایک لڑکی کی نگاہ مشتاق کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھی تو عابد کے سر کے بالوں کو اس نے چھوڑ دیا اور مشتاق کی طرف بڑھی۔ مشتاق کے پاس آ کر وہ رکی اور بالکل سفید آنکھوں سے اسے گھورنے لگی۔ لڑکی کے پیچھے پانی میں سرخی گھلنی شروع ہوگئی۔ مشتاق نے ایک نظر دیکھا عابد کا ایک بازو ان روحوں نے اکھاڑ دیا تھا۔

لڑکی پانی میں جیسے چلتی ہوئی مشتاق کے روبرو ہوئی تو مشتاق کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ اس کا سانس ویسے بھی اکھڑ رہا تھا، موت کے خوف سے وہ اپنے ہوش وحواس چھوڑ گیا۔ مگر بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے اتنا دیکھا کہ لڑکی نے اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا تھا۔

جانے کتنی دیر وہ بے ہوش رہا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ندی کے کنارے پڑا تھا اور وہی لڑکی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ”ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں۔“ لڑکی نے اسے تسلی دی۔

”کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟“ مشتاق نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا وہ موت کے منہ سے نکل کر آیا ہے۔

”یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ ہمارا انتقام آج پورا ہوگیا ہے اور یہ ندی اب ہر قسم کے ڈر سے پاک ہے۔“ آواز مردانہ تھی اور مشتاق کے پیچھے سے آئی تھی۔

مشتاق نے گھوم کر دیکھا تو تمام روحیں اس کے پیچھے کھڑی تھیں۔ ان میں جوان لڑکے لڑکیاں، عورتیں بچے، اور دو بوڑھے بھی تھے۔ کل چودہ افراد تھے۔

”آپ نے اچھا نہیں کیا میرے دوستوں اور ان کی اولاد کا کیا قصور تھا؟“ یہی ناں کہ انہوں نے آپ کی لاشیں رقم لے کر نکالیں۔ اس کی اتنی بڑی سزا دی آپ نے انہیں۔“ مشتاق کا خوف دور ہو چکا تھا۔ اسی لئے اب وہ بغیر گھبرائے بات کر رہا تھا۔

”پیسے لے کر لاش نکالنا بھی بہت بڑا جرم ہے مگر تمہیں اصل حقیقت کا پتہ چلے تو، جنہیں تم دوست کہتے ہو ساری زندگی ان کے نام پر تھوکتے رہو۔“ ایک بوڑھا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ تمام روحیں مشتاق کے سامنے اور سائیڈوں میں دائرہ بنا کر بیٹھ گئی تھیں۔

”کیا حقیقت ہے بتاؤ مجھے۔“ مشتاق نے تجسس سے بھرپور لہجے میں کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ وہی بوڑھا اٹھا اور مشتاق کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔ ندی کا ماحول بڑی تیزی سے تبدیل ہوا۔ جہاں برف تھی وہاں اب ندی کا نیلگوں پانی اپنی روانی سے چل رہا تھا۔ رات کا سماں دن میں بدل گیا تھا اور ندی پر کافی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ ایسا گرمیوں کے سیزن میں نظر آتا تھا۔ مشتاق حیرت سے سب دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے نے پانی پر قدم رکھا اور مشتاق کو کھینچا۔ حیرت انگیز طور پر مشتاق پانی پر چلنے لگا۔ سامنے مچھیروں کی کشتیاں رواں دواں تھیں۔ ان میں آصف کی کشتی بھی تھی۔

بوڑھا چلتا ہوا اس کشتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور مشتاق کو بھی بیٹھنے کا کہا۔ کشتی میں چھ مسافر تھے۔ ایک پر نظر پڑتے ہی مشتاق کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب آ گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جسے دیکھ کر مشتاق حیران ہوا تھا وہ کوئی اور نہیں وہی بوڑھا تھا جس کی روح اس وقت مشتاق کے ساتھ بیٹھی تھی۔

بوڑھا اس وقت پچھلی سائیڈ پر کشتی کے کنارے ایسے بیٹھا تھا کہ ذرا توازن بگڑے تو ندی میں جا گرے۔

اچانک ہی ندی میں سے ایک ہاتھ نکلا اور کشتی میں بیٹھے بوڑھے کو کالر سے پکڑ کر ندی میں کھینچ لیا۔ یہ سب آنکھ جھپکنے کی مہلت میں ہوا تھا۔ اگر مشتاق کی نظر بوڑھے پر نہ ٹکی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ بوڑھا اپنی غفلت کی وجہ سے ندی میں گرا ہے۔

بوڑھے کی روح نے مشتاق کا ہاتھ پکڑا اور اسے لئے ہوئے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ مشتاق پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ ندی میں ایک اور حیرت اس کی منتظر تھی۔ عابد بوڑھے کی گردن میں رسہ ڈالے اسے زور سے کھینچ رہا تھا۔ بوڑھے کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل پڑی تھیں۔ پھر وہ بے نور ہو گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عابد نے اسے پکڑا اور تیرتا ہوا آگے چل پڑا۔ بوڑھے کی روح بھی مشتاق کو لئے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

ایک خیال کے آتے ہی مشتاق کی بڑھتی ہوئی حیرت مزید بڑھ گئی۔ وہ پانی میں با آسانی سانس لے رہا تھا۔ عابد نے ایک جگہ پہنچ کر بوڑھے کی لاش کو پانی کی تہہ میں رکھا اور ایک وزنی پتھر جو پاس ہی پڑا تھا رسی سے اچھی طرح باندھ کر رسی کو بوڑھے کی کمر کے ساتھ باندھ دیا۔ یہاں پر ندی بل کھا کر مڑ رہی تھی اور یہاں ندی کنارے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو ندی کی تہہ تک اترے ہوئے تھے۔

عابد نے ایک پتھر ہٹایا تو وہاں ایک چھوٹی سی غار نما جگہ بنی ہوئی تھی۔ اس میں ایک آدمی کی لاش آسانی سے چھپ سکتی تھی۔ عابد نے اسے غار میں دھکیلا اور وزنی پتھر اس کے سینے پر رکھ کر دوسرے پتھر سے غار کا منہ بند کر دیا۔

اب تمام بھید مشتاق پر کھل چکا تھا پہلے دن جو بچی ندی میں ڈوبی تھی وہ کافی کوشش کے باوجود کہیں نہیں ملی تھی اور عابد نے چند منٹ کی تلاش میں اسے کیسے ڈھونڈ لیا تھا۔

بوڑھے کی روح اسے لے کر پانی کی سطح پر آئی۔ وہاں اب پہلے جیسا ماحول تھا۔ پانی کی سطح پر برف جمی تھی اور اسی برف پر چل کر وہ کنارے تک پہنچے۔ ”اس گاؤں کے تمام لوگوں کو بتا دینا کہ یہ ندی کبھی آسیب زدہ نہیں تھی اور نہ اب ہے۔ بس صرف اتنا ضرور کہنا کہ چند مظلوم لوگوں کی روحوں نے ظالموں سے انتقام لیا ہے۔“ بوڑھے نے مشتاق کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

مگر مشتاق اس وقت ان دونوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جو انسان کہلانے کے قابل بھی نہیں تھے۔ فجر کی اذان کی آواز سنتے ہی بوڑھے نے الوداعی سلام کیا مشتاق ابھی وہیں کھڑا تھا کہ آسمان سے زمین تک روشنی کا ایک دائرہ ان روحوں پر آ پڑا اور وہ آسمان کی طرف اٹھتی چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

”بہت اچھے احتشام صاحب! کافی اچھی اسٹوری ہے اس کے بعد تو آپ کا مشہور ہونا لازمی تھا۔“ میزبان موصوف نے اپنی مخصوص آواز میں احتشام کی اسٹوری کی تعریف کی۔

”ویل ڈن! بٹ صاحب آپ نے کمال کر دیا یہ اسٹوری میری نظر سے نہیں گزری۔ ورنہ تو آپ کی ان گنت اسٹوریز پڑھی ہیں میں نے۔“ اب کی بار اکمل نے تعریف کی انہیں اب اس کھیل میں مزہ آ رہا تھا۔

”اب کون سنائے گا اپنی مشہور کہانی.....؟“ میزبان نے ان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”آپ سنا دیں اقرار صاحب۔“ احتشام جو اپنی کہانی سنا کر فارغ ہوا تھا بولا۔ پھر سب نے احتشام کی تائید کی اور اقرار خلاؤں میں گھورنے لگا۔

”ڈاکٹر فائق اپنے کلینک پر بیٹھا تھا کہ وہی لڑکی پھر سے کلینک میں داخل ہوئی۔ یہ کوئی ایک مہینے میں بیسواں چکر تھا اس کا۔ ڈاکٹر فائق اس لڑکی سے بہت تنگ آ چکا تھا۔ اس کے کانوں میں کوئی پرابلم نہ تھی مگر وہ آئے دن ڈاکٹر فائق کے کلینک پر آ دھمکتی۔ ڈاکٹر فائق آنکھ، کان اور ناک کے اسپیشلسٹ تھا۔

اس لڑکی جس کا نام روزی تھا۔ کا کہنا تھا کہ اس کے کانوں میں اچانک زبردست شور اٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دماغ پھٹنے کے قریب ہو جاتا ہے۔

پہلے پہل تو ڈاکٹر فائق نے اچھی طرح چیک اپ کیا۔ کمپیوٹرائزڈ مشینوں سے ہر طرح کے ٹیسٹ کئے مگر لڑکی کی بیماری کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ڈاکٹر نے اندازاً اسے چند دوائیاں لکھ کر دیں۔ اس کے تین دن بعد لڑکی پھر آ گئی اور ڈاکٹر سے اصرار کرنے لگی کہ وہ اس کے کانوں کو اندر سے چیک کریں۔ وہ لڑکی شکل سے سلجھی ہوئی لگتی تھی مگر جیسی باتیں وہ کر رہی تھی اس سے ڈاکٹر کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگا تھا۔ پھر وہ ہر روز یا ایک دن چھوڑ کر آنے لگی، ڈاکٹر اس سے بہت عاجز آ چکا تھا مگر پیشہ ورانہ مروت آڑے آ رہی تھی۔ وہ ہر دفعہ لڑکی کو سمجھاتا کہ اسے کوئی بیماری نہیں۔ آج بھی جب وہ کلینک میں داخل ہوئی تو ڈاکٹر فائق اسے دیکھ کر بے زاری سی محسوس کرنے لگا۔

”ڈاکٹر صاحب! میری حالت اور خراب ہوتی جا رہی ہے اس بیماری کی وجہ سے میری راتوں کی نیند اڑ چکی ہے۔ آپ یہاں علاج کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، آپ نے میرا علاج نہ کیا تو میں اس شور سے مر جاؤں گی۔“ روزی نے کہا۔

”دیکھئے محترمہ! آپ کی بیماری میری سمجھ میں نہیں آتی میرے حساب سے آپ کو کچھ نہیں۔ آپ کو کسی نفسیاتی ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔“ ڈاکٹر نے ذرا سخت انداز میں کہا۔

”میں کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے کوئی نفسیاتی مرض نہیں، آپ کیوں مجھے پاگل قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔“ روزی کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ ڈاکٹر کو اس کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔ ”اچھا تمہیں یہ شکایت اب بھی محسوس ہو رہی ہے۔“ ڈاکٹر نے ہمدردی سے کہا۔

”نہیں مجھے یہ سب رات کے وقت محسوس ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے میری اور میری ماں کی رات کی نیند اور دن کا سکون اڑ چکا ہے۔ جب رات کو ایسی کیفیت ہوتی ہے تو میری چیخوں سے سارا گھر گونجتا ہے۔“

”یہ بات ہے تو پھر بیماری کی تشخیص بھی رات کو اسی وقت ہی ہوگی، تم اپنا پتہ دو میں رات کو تمہارا چیک اپ کرنے کے لئے آؤں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ روزی نے کہا اور پتہ لکھ کر ڈاکٹر کو دیا۔ جب وہ چلی گئی تو ڈاکٹر دوسرے مریضوں کو چیک کرنے لگا۔

شام میں جلد ہی کلینک بند کر کے ڈاکٹر اپنے دوست ڈاکٹر نوید کے پاس چلا گیا۔ ڈاکٹر نوید ایک ماہر نفسیات تھا کئی الجھے ہوئے کیس اس نے چٹکی بجاتے سلجھا لئے تھے۔ ڈاکٹر فائق کو روزی کے پیچیدہ کیس کو حل کرنے لئے نوید سے بہتر کوئی ڈاکٹر نظر نہ آیا۔ اسی لئے اب وہ ڈاکٹر نوید کے کلینک میں بیٹھا ہوا تھا۔

”اس سے تم نے پوچھا نہیں کہ اس کی یہ حالت پیدائشی ہے یا بعد میں ہوئی ہے۔“ ڈاکٹر نوید نے تمام بات سننے کے بعد پوچھا۔

”میں نے تو ابھی تک کوئی بات نہیں پوچھی کیونکہ میرے سارے ٹیسٹ ok ہیں۔ آپ خود ہی جا کر اسے پوچھئے گا۔“ ڈاکٹر فائق نے لاپرواہ سے انداز میں کہا۔

”تو چلو ابھی چلتے ہیں۔“ ڈاکٹر نوید نے اپنے اسسٹنٹ کو چند ضروری ہدایات دیں اور کلینک سے باہر نکلا۔ چند ہی منٹ میں وہ مطلوبہ پتے پر موجود تھے۔ گھر کا دروازہ پہلی دستک پر ہی کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی روزی کی ماں تھی۔

”میرا نام ڈاکٹر فائق ہے اور یہ میرے دوست ڈاکٹر نوید۔ روزی نام کی لڑکی غالباً یہیں رہتی ہے ہم اس کا چیک اپ کرنے کے لئے آئے ہیں۔“

”اوہ! آیئے آیئے ڈاکٹر صاحب اندر تشریف لایئے روزی میری ہی بیٹی ہے۔“ عورت نے دروازہ کھول دیا اور خود پیچھے ہٹ گئی۔

ڈاکٹر فائق اور ڈاکٹر نوید اس کے پیچھے چلتے ایک کمرے میں داخل ہوئے روزی کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی اور اس کا چہرہ انجانے کرب سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھے ادھر ادھر کروٹیں لے رہی تھی۔

”ڈاکٹر صاحب دیکھئے! میری بچی کی حالت دیکھئے کیسے درد سے تڑپ رہی ہے۔ نہ جانے اس وقت اسے کیا ہو جاتا ہے۔ میری بیٹی کا علاج کر دیں میں آپ کو دعائیں دیتی رہوں گی۔“ عورت نے روزی کا سر گود میں رکھا اور روتے ہوئے بولی۔

ڈاکٹر نوید نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا اور ایک انجکشن بنا کے روزی کی نس میں لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی روزی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

”آپ کچھ بتائیں گی کہ آپ کی بیٹی کو یہ بیماری کب سے ہے؟“ ڈاکٹر نوید کی پیشہ ورانہ صلاحیتیں جاگ اٹھی تھیں۔

”تقریباً پچھلے پانچ سال سے، روزی کی ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”پچھلے پانچ سال سے۔“ آپ کی بیٹی اس اذیت میں ہے اور آپ اس کا علاج نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروار ہیں۔" ڈاکٹر فائق نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ڈاکٹر پیٹر! ہم لوگ بہت غریب ہیں بڑے بڑے ہسپتالوں کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے۔ اسی لئے چار سال تک تعویز گنڈے کرواتے رہے۔ پھر تھک ہار کے روزی نے وہ بھی کرنا چھوڑ دیا اور اب اس کی یہ بیماری بہت بڑھ چکی ہے۔ ساری رات سوتی نہیں۔" روزی کی ماں روزی کا سر گود میں رکھے ہلکے ہلکے دبا رہی تھی۔

"اچھا! پانچ سال پہلے کوئی ایسا واقعہ تو نہیں ہوا تھا جس کا روزی نے کوئی منفی اثر لیا ہو۔" ڈاکٹر نوید اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے کیس کی الجھی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کررہا تھا۔

"مجھے تو یاد نہیں، مگر پانچ سال پہلے روزی کو ایک لڑکے سے محبت ہوگئی تھی۔ اور وہ لڑکا روزی کو لے کر اپنے ملک آسٹریلیا چلا گیا تھا۔ میں نے تقریباً دو ماہ روزی کی واپسی کا شدت سے انتظار کیا۔ اور جب وہ آئی تو چپ چاپ سی تھی۔"

"اس کو پہلے پہل تو یہ دورے مہینوں کے وقفے سے پڑتے تھے مگر پھر یہ عرصہ کم ہوتے ہوتے ایک دن تک پہنچ گیا اور اب ہر رات میری بچی اس کرب سے گزرتی ہے۔"

"اس لڑکے کا نام پتہ آپ کے پاس ہے جو روزی کو ساتھ لے گیا تھا۔" ڈاکٹر نوید کو یہ کیس سابقہ تمام کیسوں سے زیادہ پیچیدہ لگ رہا تھا۔

"نہیں مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں یہ سب آپ کو روزی ہی بتا سکتی ہے۔"

اب مزید پوچھنے کے لئے کچھ نہ بچا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر نوید نے ڈاکٹر فائق کو چلنے کا اشارہ کیا اور روزی کی ماں سے مخاطب ہوا "آج رات انشاء اللہ آپ کی بیٹی سکون سے سوئے گی۔ میں نے نیند کا انجکشن دے دیا ہے۔ صبح جب یہ اٹھے تو اسے ڈاکٹر فائق کے کلینک پر بھیج دیجئے گا۔" دونوں ڈاکٹر وہاں سے نکلے اور اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔

"آپ جب تک کھل کر تمام حالات نہیں بتائیں گی تب تک ہم کچھ نہیں کرسکیں گے۔" صبح کے دس بجے ہی روزی کلینک پر پہنچ گئی تھی اور ڈاکٹر فائق نے ڈاکٹر نوید کو بھی بلوالیا تھا۔ ڈاکٹر نوید نے جب اس لڑکے کے بارے میں پوچھا تو روزی جیسے کشمکش میں پڑ گئی۔ وہ بار بار اپنی مٹھیوں کو بھینچ رہی تھی۔

"جو بھی بات ہے بتا دو تمہاری ہر بات راز ہی رہے گی۔" اب کی بار ڈاکٹر فائق نے کہا۔

تھوڑی دیر تک روزی شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا رہی پھر ایک لمبی سانس نکالتے ہوئے گویا ہوئی۔ "شاید یہ بات مجھے پہلے ہی بتا دینی چاہیے تھی مگر میں ڈرتی رہی کہ میرے ہم مذہب مجھے طعنے دیں گے۔ اور اب مجھے لگتا ہے کہ میری اس بیماری کی وجہ بھی میرا وہ گناہ ہے جو میں نے مائیکل کے ساتھ مل کر کیا۔"

ڈاکٹر نوید اور فائق نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر روزی کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اس لڑکے کی تمام عادتیں اچھی تھیں انگریزوں کی طرح اسے کوئی برا شوق نہیں تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کی طرح بے حیائی سے نفرت کرتا تھا۔ اس میں خامی تھی تو صرف یہ کہ جب بھی میں اسے خدا کی نازل کی ہوئی کتاب "قرآن مجید" میں سے کچھ پڑھ کے سناتی تو خدا مجھے معاف کرے وہ کہتا۔ "یہ بات سچ ہو ہی نہیں سکتی۔"

اسی طرح ایک دن میں نے اس سے کہا کہ "مرنے کے بعد جب انسان قبر میں دفن ہوتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب چلے جاتے ہیں تو خدا کے مقرر کردہ فرشتے اس سے سوالات کرنے کے لئے قبر میں تشریف لاتے ہیں۔" مائیکل میری بات سن کے ہنس پڑا۔ مجھے غصہ آیا تو اس میں اور مجھ میں تلخ کلامی ہوگئی۔ دو دن ہم ایک دوسرے سے دور دور رہے۔ آخر تیسرے دن وہ میرے قریب ہوا اور بولا۔ "آج فیصلہ ہو جائے کہ تم سچی ہو یا میں۔ اگر تم سچی ہوئیں تو میں تمہارا مذہب سچے دل سے قبول کرلوں گا۔"

اگر وہ اس وقت بنا پر کھے ہمارا دین اپنا لیتا تو وہ حادثہ پیش نہ آتا جس کی وجہ سے آج میں اس عذاب میں گرفتار ہوں۔" روزی سانس لینے کو رکی تو اس کی خاموشی کا لمبا ہوتا دورانیہ ڈاکٹر فائق سے برداشت نہ ہوا۔ "کون سا حادثہ؟" بے اختیار ڈاکٹر فائق کے منہ سے نکلا۔

"مائیکل نے ایک تجربہ کیا تھا۔ مجھے لے کر وہ قبرستان پہنچا وہاں ایک تازہ قبر کھدی ہوئی تھی وہ اس قبر کے پاس سے گزرتا ہوا گورکن والے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کمرہ قبرستان کے بیچوں بیچ تھا۔ گولائی میں بنے ہوئے اس کمرے کی چاروں دیواریں شیشے کی تھیں۔ وہاں پر مائیکل نے عجیب انتظامات کئے ہوئے تھے۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ "اس نے ایک ننھا سا مائیک تازہ کھدی قبر میں لگایا ہے جبکہ اس کی تار زمین میں سے گزرتی ہوئی اس کمرے میں سے نکلتی ہے اس تار سے دو طاقتور ہیڈ فون جڑے ہوئے تھے۔ تدفین کا وقت رات کا تھا۔

وقت مقررہ پر کئی لوگ مردے کو دفنا کر چلے گئے۔ اب مائیکل نے اٹھ کر ایک طرف پڑے ریڈیو نما آلے کو چلایا اور ایک ہیڈ فون اپنے سر پر چڑھا لیا جبکہ دوسرا میری طرف بڑھا دیا۔ نہ جانے اس وقت میرا ایمان کیوں ڈگمگا گیا تھا۔ میرے دل میں بھی اس خواہش نے جنم لے لیا۔ کہ "سنوں تو سہی فرشتے ہوتے بھی ہیں یا؟ خدا مجھے معاف کرے میں نے بہت اشتیاق سے وہ ہیڈ فون کانوں پر چڑھا لیا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ..... میں بیان نہیں کرسکوں گی، اتنی پاٹ دار اور ایسی اونچی آواز، ہموار تا نہیں حقیقتاً کمرے کے شیشے جھنجھلا اٹھے تھے۔ مائیکل تو کرسی سمیت پیچھے جا پڑا تھا۔ اس کا بھیجا کانوں کے راستے باہر آ گیا تھا اور وہ زمین پر گرا اور دردناک انداز میں تڑپ رہا تھا جبکہ میرے کانوں میں وہی آواز ابھی تک گونج رہی تھی۔ جانے میری کون سی نیکی میرے کام آ گئی تھی۔ نہیں تو پانچ سال پہلے ہی میں بھی مائیکل کے ساتھ ہی ختم ہو چکی ہوتی۔" اتنا کہہ کر روزی خاموش ہوگئی۔

روزی کی روداد سن کے دونوں ڈاکٹر کانوں کو ہاتھ لگا رہے تھے۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ "بے شک خدا کا کلام سچا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچائی اور حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ شیطان کا کام ہے انسان کو صراط مستقیم سے بھٹکانا۔ تم اگر ثابت قدم رہتیں تو..... تمہیں کچھ نہ ہوتا۔ جب تمہارا ایمان ڈگمگایا، شیطان نے تم پر قبضہ جما لیا، اور خدا شاہد ہے کہ جب کوئی انسان، شیطان کے بتائے راستے پر چلتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔" ڈاکٹر نوید نے مدبرانہ انداز میں کہا۔

"تمہارا علاج دنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں سوائے استغفار کے۔ کثرت سے استغفار کرو۔ سچے دل سے خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگو اس کے دروازے موت سے پہلے بند نہیں ہوتے۔ توبہ کرو۔ ہمیں امید ہے کہ خدا تمہاری خطائیں بخش دے گا۔" ڈاکٹر فائق نے کہا۔

"بے شک! وہ غفور الرحیم ہے وہ عاجزی پسند کرتا ہے۔ ہر وقت عاجزی سے اس سے مغفرت مانگو۔" ڈاکٹر نوید نے کہا۔

روزی ان کی باتیں سن کر کافی طمانیت محسوس کررہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

تین ماہ بعد ڈاکٹر فائق کو اس کا خیال آیا تو پتہ کرنے چلا گیا۔ اس کے گھر کا ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔ روزی کی ماں نے دروازہ کھولا تھا۔ اس نے فائق کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور بتایا کہ "اب روزی پر خدا کی رحمت ہے۔ وہ مکمل صحت یاب ہوگئی ہے۔ پانچ وقت کی نمازی، تہجد گزار اور غیر محرم سے پردہ کرنے والی۔"

ڈاکٹر فائق کو روزی کی ادا اتنی اچھی لگی کہ دوسرے دن ہی اس نے نوید کے ذریعے اپنا رشتہ وہاں بھیجا جسے بلا چوں و چراں قبول کرلیا گیا۔

☆.....☆.....☆

"بہت اچھے! اقرار صاحب کیا خوب انداز بیان ہے، شاباش۔" احتشام نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ "واقعی کہانی دلچسپ ہے۔ اس میں اتنا ڈرتو نہیں تھا مگر سبق آموز ہے۔ اب کی بار اکمل بولا۔ "آپ نے اس کہانی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی عنوان نہیں دیا کیا؟" جواد نے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں کیا عنوان دیا اس نے۔" میزبان کی خرخراتی آواز سنائی دی جس میں غصے کا عنصر نمایاں تھا۔ میزبان نے ایک شیلف کی طرف اپنی نظر نہ آنے والی آنکھوں سے دیکھا تو شیلف میں سے ایک پتلی سی کہانی اڑتی ہوئی آ کر ٹیبل پر گر گئی۔ "اٹھاؤ اسے!" میزبان نے تحکمانہ آواز سے کہا۔ اقرار نے کہانی اٹھائی جس کا عنوان تھا۔ "خدائی راز۔" یہ کہانی ہی لکھی تھی نا تم نے!" میزبان کی آواز میں جانے کیا تھا کہ سب سہم سے گئے۔

"جج..... جی..... جی..... ہاں....." اقرار نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں۔" میزبان کی آواز جیسے زہریلی سی ہوگئی تھی۔ میزبان نے نامعلوم زبان میں موٹے پہلوان کو بلوالیا۔ اس سے کچھ کہا تو پہلوان نے اقرار کو بازو سے پکڑا اور اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اقرار کچھ نہ سمجھتے ہوئے اٹھا اور ساتھ چل پڑا۔ شیلفوں کے درمیان بنی خالی جگہ سے سب کو نظر آ رہا تھا کہ اقرار کو لئے موٹا آدمی کہاں لے جا رہا ہے۔ وہ سامنے بنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ دروازہ بند ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اقرار کی فلک شگاف چیخ نے پوری لائبریری کو ہلا کر رکھ دیا۔

"یہ..... یہ کیا ہوا ہے اقرار کو....." احتشام نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ جبکہ اکمل اور جواد بھی سہم سے گئے تھے۔

"کچھ نہیں اسے اپنی اسٹوری کا انعام ملا ہے۔ اب بتاؤ کس نے اسٹوری سنائی ہے۔" میزبان نے ایسے کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ تینوں افراد خاموش ڈرے ڈرے سے بیٹھے تھے۔ "اچھا رات بہت ہو چکی ہے۔ تم آرام کرلو۔ تم دونوں سے کل اسٹوری سنی جائے گی۔ اور ہاں اوپر والے بیسمنٹ میں تمہارا کھانا لگ گیا ہوگا کھا کر کمروں میں جانا۔" میزبان نے ان کا موڈ محسوس کر کے اٹھتے ہوئے کہا اور خود شیلفوں کے پیچھے غائب ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

"انہیں یہاں آئے آج تیسرا دن تھا۔ اسی تہ خانے میں شیلفوں کے درمیان رکھی کرسیوں پر سب براجمان تھے۔ اقرار بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور ہاتھ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ اجنبی میزبان سے اقرار کی اس حالت کے متعلق پوچھتے۔ آخر احتشام سے رہا نہ گیا تو وہ بول اٹھا۔ "کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اقرار کا ہاتھ کیسے اور کیوں کٹا؟"

یہ سب تمہیں وقت آنے پر بتا دیا جائے گا۔ میں نے اسے اس کی کہانی کا انعام دیا ہے۔" میزبان نے جواب دیا۔

"یہ میرا انعام نہیں سزا ہو سکتی ہے۔ ایسے انعام ہمیں نہیں چاہیے۔" جواد نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"اپنی بکواس بند کرو۔ تم مجھے سمجھاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ اب تم میں سے صرف اس کی آواز آنی چاہیے جو کہانی سنائے گا باقی سب چپ کر کے سنو! تمہیں تمہارے تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔" میزبان کافی طیش میں لگ رہا تھا۔ کہانی سنانے کے لئے احتشام بٹ نے جواد کا نام چنا۔ جواد نے بھی اپنی شہرت یافتہ کہانی کی شروعات کردیں۔

☆.....☆.....☆

پیٹر اور خالد ملک کے مانے ہوئے سائنس دان تھے۔ اپنی نجی زندگی میں انہوں نے ایسے ایسے تجربات کئے تھے کہ سائنسی دنیا میں انقلاب برپا ہوگیا تھا۔ حکومت نے انہیں سرکاری طور پر بہت شاندار تنخواہ پر ملازم رکھ لیا تھا۔ مذہب کا فرق ہونے کے باوجود پیٹر اور خالد میں خوب جمتی تھی۔ بے شک وہ حکومت کے ملازم تھے مگر اس کے باوجود صدر مملکت انہیں ڈاکٹر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے گھروں میں بھی ایک کمرہ لیبارٹری کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا۔ اور گاہے بگاہے کئے جانے والے تجربات میں

وہ ایک دوسرے کی مدد طلب کرلیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اکٹھے بھی کئی گھنٹے نئے نئے تجربات میں مشغول رہتے تھے۔ سائنس سے ان کی لگن ہی تھی کہ 30,35 سال کے ہوجانے کے باوجود انہوں نے شادیاں نہیں کی تھیں۔

پھر ایک دن ڈاکٹر پیٹر نے ڈاکٹر خالد کو اپنی تجربہ گاہ پر بلایا۔ اور اسے اپنے نئے تجربہ کے بارے میں بات چیت کی۔ "آج تک تم نے جو کیا سب ٹھیک تھا۔" ڈاکٹر خالد نے اس کی بات سننے کے بعد بولنا شروع کیا۔ "مگر اب جو تم کرنے جا رہے ہو، اس میں، میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔"

ڈاکٹر پیٹر حیرانی سے اسے تکے جا رہا تھا۔ خالد سے اسے اس قسم کے جواب کی توقع نہیں تھی۔

"دیکھو! ہم نے تین سال کا عرصہ ساتھ گزارا ہے مگر میں نے تمہیں کبھی مذہب کے حوالے سے کسی برے کام سے نہیں روکا مگر اب جو تم کرنے جا رہے ہو وہ بہت بڑا گناہ ہے۔" ڈاکٹر خالد نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں خالد! اگر ہمارا یہ تجربہ کامیاب ہوگیا تو ہمیں کس قدر سراہا جائے گا۔ کتنی دولت ملے گی ہمیں۔" ڈاکٹر پیٹر نے آخر حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے اور میرے خیال میں تمہارے پاس بھی اتنا ہے کہ تمہاری سات پشتیں آرام سے کھا سکیں۔ پھر بھی اگر تم باز نہیں آئے تو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" خالد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے میں اکیلا ہی اپنا یہ تجربہ مکمل کروں گا مجھے تمہاری مدد کے بغیر بھی کام کرنا آتا ہے۔" اب ڈاکٹر خالد سے وہاں بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا۔ لیبارٹری سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

پیٹر کی کار سڑک سے کچے میں اتر گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کے متعلق علم ہو کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس لئے اس نے کار کی روشنیاں بھی گل کر رکھی تھیں۔ رات کے ایک بجے کا عمل تھا۔ کار بڑھتی ہوئی کچی سڑک پر ہچکولے کھا رہی تھی۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد کار روک کر نیچے اترا۔ یہ کوئی قبرستان تھا۔ جس کی چار دیواری کے ساتھ اس نے کار روکی تھی۔ پھر وہ چلتا ہوا کار کی ڈگی کی طرف بڑھا۔ ڈگی کھول کر اس نے اندر ہاتھ ڈالا تو ایک تھیلا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ پھر اس نے دوسرے ہاتھ سے ڈگی میں موجود بیلچہ اٹھا لیا۔ ڈگی بند کر کے وہ قبرستان کے گیٹ پر آیا۔ گیٹ اندر سے بند تھا۔ اس نے چار دیواری کا جائزہ لیا۔ دیوار آٹھ فٹ بلند تھی۔ ذرا سا جمپ لے کر وہ دیوار پر چڑھ سکتا تھا۔ اس نے پہلے ہاتھ اونچا کر کے بیلچہ اندر پھینکا۔ پھر تھیلا اور پھر جمپ لگا کر خود بھی دیوار کے ساتھ لٹک گیا۔ تھوڑا سا زور لگا کر اس نے اپنا جسم اوپر اٹھایا۔ اور قبرستان میں کود گیا۔

صبح کے وقت وہ یہاں آ کر تازہ بنی قبر کا جائزہ لے گیا تھا اور اب اس کے قدم اسی قبر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دفن ہونے والا مردہ کافی کسرتی جسم کا تھا۔ اور اسے ایسے جسم والے مردے کی ضرورت تھی۔ قبر کے پاس پہنچ کر اس نے تھیلا نیچے اتارا اور بیلچہ سے کھدائی شروع کردی۔ قبر تازی ہونے کی وجہ سے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑ رہی تھی۔ سلیں ہٹانے کے بعد کفن پوش مردہ ظاہر ہوگیا تھا۔ پہلی بار خوف کی ایک شدید لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرگئی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ قبر میں اترے۔ قبرستان کا ماحول کافی پراسرار ہو رہا تھا۔

آخر وہ دھڑکتے دل سے قبر میں اترا۔ اوپر پڑا تھیلا بھی اس نے قبر میں ہی کھینچ لیا تھا۔ اس نے مردے کا کفن کھولا اور اسے سر سے پاؤں تک عریاں کردیا۔ مردے کے بازو اس کے جسم میں نمایاں تھے۔

پیٹر کو جوائس کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس نے تھیلا کھولا اس میں کافی تیز دھار آلات جراحی پڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ پیٹر نے چند اوزار نکالے اور ان میں سے ایک بار یک سا کٹر مردے کے کندھے پر رکھا۔ اور آہستہ آہستہ گوشت کو چیرنے لگا۔

اچانک ہی مردے نے اپنا سر گھمایا۔ ڈاکٹر پیٹر کے ہاتھ سے آلہ جراحت گر کر دور جا پڑا اور وہ ایک جھٹکے سے خود پیچھے جا گرا۔ خوف سے اس کا دل پھٹنے کے قریب تھا۔ اس نے آنکھیں جھپک کر دیکھا تو مردہ پہلے والی حالت میں تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے خود کو ڈھارس دی۔ تیز دھڑکنیں اپنے اعتدال پر آئیں تو وہ دوبارہ آگے بڑھا۔ اور پھر دونوں کندھے جدا کرنے تک اسے مردے سے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ اس نے دونوں بازو ایک بڑے تھیلے میں ڈالے جو اس نے آلات جراحی والے تھیلے میں ہی رکھا ہوا تھا۔ پھر وہ قبر سے نکلا۔ دونوں تھیلے ایک سائیڈ پر رکھ کر سل دوبارہ قبر پر رکھی اور بیلچے سے مٹی قبر پر ڈالنے لگا۔ قبر کو دوبارہ اپنی پوزیشن پر لانے کے بعد اس نے تھیلے اور بیلچہ اٹھایا اور واپس جانے کے لئے مڑا تو سامنے دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔

ایک بوڑھا داڑھی والا شخص جس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسے گھور رہا تھا۔ پیٹر منزل پر پہنچ کر نا کام نہیں ہونا چاہتا تھا سو بولا۔ ”کون ہو تم اور کیوں راستہ روک رکھا ہے۔“ میں اس قبرستان کا چوکیدار اور گورکن ہوں۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو اور اس تھیلے میں کیا ہے۔“ بوڑھے نے کرخت آواز میں کہا۔

پیٹر نے جیب میں ہاتھ ڈالا چند کرارے نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھے وہ بوڑھے کی طرف نوٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ رکھ لو اور منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا۔“ بوڑھے نے نوٹ دیکھے تو جھٹ سے کڑ لئے۔ کافی بڑی رقم تھی جسے دیکھ کر وہ خوش ہو رہا تھا۔ پھر اس نے ہی قبرستان کا گیٹ کھولا۔ پیٹر نے تمام سامان ڈگی میں رکھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچ کر وہ سیدھا لیبارٹری میں داخل ہوا۔ او رتھیلے میں موجود دونوں بازو نکال کر ایک بڑے سے جا کو کھول کر اس میں ڈال دیئے۔ وہ جا رنیلے رنگ کے کیمیکل سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں کوئی بھی اعضاء تین مہینے تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ پھر وہ لیبارٹری میں گھس گیا۔ وہ دو تین دن لیبارٹری میں ہی رہا۔ ملازم کھا دروازے کے پاس رکھتا اور دستک دے کر چلا جاتا اسے یہی ہدایت دی گئی تھی کہ جب ڈاکٹر پیٹر لیبارٹری میں ہو تو وہ اسے زیادہ ڈسٹرب نہ کرے۔ اس ملازم کا کافی عرصہ یہاں گزرا تھا۔ اور وہ پیٹر کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔

ڈاکٹر پیٹر پورے چھ دن بعد لیبارٹری سے نکلا اور قبرستان کا رخ کیا۔ گورکن سے پوچھنے پر پتہ چلا ایک روز پہلے دو مردے یہاں دفن کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک نوجوان کافی تنومند تھا جبکہ دوسرا سوکھے سڑے وجود کا تھا۔ پیٹر نے گورکن سے تنومند کی قبر پوچھی اور گورکن کو کافی موٹی رقم دے کر رات کو آنے کا وعدہ کیا اور واپس آ گیا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہی اس نے کار نکالی اور قبرستان جا پہنچا۔ اب کی بار اسے دیوار پھاندنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ گورکن تو جیسے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے گیٹ کھولا اور پیٹر کو لئے قبر کے پاس جا پہنچا۔ بیلچہ اور تھیلا پیٹر ساتھ لانا نہیں بھولا تھا۔ پھر سے قبر کھودی گئی۔ واقعی نوجوان کافی صحت مند تھا۔ پیٹر کی نظر اس کی رانوں پر جا ٹھہری۔ اس کی رانیں کافی صحت مند تھیں۔ اب کی بار پیٹر کا خوف کم ہو چکا تھا۔ اس نے تیز دھار خنجر سے مردہ کی رانیں جسم سے علیحدہ کر لیں۔ تھیلے میں ڈال کر باہر نکلا۔ قبر کو دوبارہ بند کر دیا گیا۔ گورکن کو موٹی رقم مل گئی اور ڈاکٹر پیٹر تھیلا لے کر گھر واپس آ گیا۔

اس نے مردہ کی رانیں بھی کیمیکل میں رکھ دیں۔ پیٹر کافی تھک چکا تھا کتنے دنوں سے وہ سویا بھی نہیں تھا۔ اسے ایک لمبی نیند کی ضرورت تھی۔ وہ لیبارٹری سے نکلا اور بیڈروم میں چلا گیا۔

رات کا پچھلا پہر تھا اسے سوئے آدھ گھنٹے سے

زیادہ نہیں ہوا تھا۔ کہ اس کی آنکھ کھل گئی اس کی چھٹی حس کسی انجانے خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ اپنے بیڈ روم سے نکلا۔ لیبارٹری میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے بیڈ روم سے چابیاں اٹھائیں اور لیبارٹری کا دروازہ کھولا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اسے خوف محسوس ہونے لگا۔ اندر دو نوجوان سفید چادروں میں لپٹے انہی جاروں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جن میں پیٹر نے مردوں کے اعضاء رکھے تھے۔ ایک نوجوان بغیر ٹانگوں کے زمین پر پڑا تھا۔ جبکہ دوسرا کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ کھڑا تھا۔ آہٹ پا کر دونوں نے اپنا رخ بدلا تو پیٹر کی جیسے گھگھی بندھ گئی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ یہ دونوں وہی مردے تھے جن کے اعضاء کاٹ کر پیٹر نے مرتبانوں میں رکھے تھے۔ پھر وہ دونوں جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

”بس کر و تھک جاؤ گے سناتے سناتے۔“ میزبان نے جواد کو ٹوکا۔ اس کی آواز زہر سے بھری ہوئی تھی۔ ”آگے میں تمہیں اس کہانی کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں۔“ خرخراتی آواز کافی سرد ہوتی جا رہی تھی۔ میزبان کا لہجہ سن کر چاروں خوف سے سمٹ گئے۔

”اس ڈاکٹر نے چند نوجوانوں کے اعضاء کاٹ کر پورا بغیر سر کے انسان مکمل کر لیا تھا اسے پھر سر کی تلاش ہوئی اس کے مطلب کا سر نہیں مل رہا تھا۔ تو اس کی سوچ گورکن کے سر کی طرف گئی۔ اسے مار کر سر کاٹنا وہ ایک الگ دہشت ناک واقعہ ہے۔ اس کے بعد اسے مکمل انسان کے لئے طاقتور دل اور دماغ کی ضرورت پڑی۔ دل تو اس نے حاصل کر لیا۔ مگر دماغ اسے کافی ذہین چاہیے تھا جو عجائب گھر میں پڑا ہوا تھا۔ عجائب گھر میں دو طرح کے دماغ دو مرتبانوں میں تھے۔ ایک بہت ذہین انسان کا اور ایک پاگل انسان کا۔ غلطی سے اس نے پاگل انسان کا دماغ اس سر میں لگا دیا اور پھر آسمانی بجلی کے ذریعے اس کے دل کو حرکت دی۔ میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔“ میزبان نے اسی زہریلی آواز میں پوچھا۔

”لگتا ہے آپ نے میری کہانی دلچسپی سے پڑھی ہے۔“ جواد نے اس کے لہجے میں چھپا طنز نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اپنا منہ بند رکھو، ذلیل انسان۔“ میزبان نے چلاتے ہوئے کہا۔ تہ خانے میں جیسے طوفان سا ابل پڑا۔ بھاری شیلف بھی زوردار ہوا سے ہلنے لگے۔ وہ چاروں اپنی کرسیوں پر سمٹ سے گئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

میزبان نے اجنبی آواز میں پھر سے پہلوان کو آواز دی۔ پہلوان کو کچھ کہا تو اس نے جواد کو بازو سے پکڑا اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ ”میں نہیں جاؤں گا تم کیا کرنے والے ہو۔“ جواد نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

”ہم تمہیں تمہاری خوبصورت کہانی کا انعام دینا چاہتے ہیں۔“ میزبان نے جواب دیا۔

”نہیں چاہیے مجھے انعام، مجھے میرے گھر جانے دو خدا کے لئے مجھے جانے دو۔“ جواد اب رونے لگا تھا اس نے اقرر کا حشر دیکھا تھا۔ یہ شخص جنونی تھا جواد کو اپنے ہاتھ کی سلامتی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ اسی لئے وہ اپنی تمام تر قوتوں سے پہلوان سے نبرد آزما تھا۔ مگر پہلوان نے اس کا بازو کافی طاقت سے قابو کیا ہوا تھا۔ جواد اپنے آپ کو چھڑانے کی کافی جدوجہد کر رہا تھا۔ ایک زوردار تھپڑ کی آواز تہ خانے میں گونجی اور جواد کے چہرے پر انگلیوں کے نشانات ثبت ہو کر رہ گئے۔ پہلوان کا ہاتھ کافی وزنی تھا۔ جواد کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ کسی سعادت مند بچے کی طرح پہلوان کے ساتھ چل پڑا۔

پہلوان اسے شیلفوں کے پیچھے بنے کمرے میں لے گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی جواد کی نہ تھمنے والی چیخوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ احتشام سے رہا نہ گیا تو اٹھا اور اسی کمرے کی طرف بڑھ گیا، باقی دونوں نے بھی اس کی تائید کی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احتشام کو سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔ ''خدا کی پناہ یہ آدمی ہے یا زمین کے اندر رہنے والی کوئی مخلوق۔ تہ خانے کے نیچے تہ خانہ بنایا ہوا ہے۔'' احتشام کی بڑبڑاہٹ اقرار اور اکمل نے بھی سن لی تھی۔ اور وہ بھی حیرانگی سے سیڑھیاں نیچے جاتی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سیڑھیاں اترنا شروع کردیں۔ جواد کی دہشتناک چیخوں نے انہیں دائیں طرف دیکھنے پر مجبور کردیا۔ وہ روح فرسا منظر دیکھ کے تینوں کی آنکھیں کانوں تک جا پہنچیں اس تہ خانے کو عجیب قسم کی مشینوں سے سجایا گیا تھا۔ کئی مشینیں کسی بڑی پاور لوم کی طرح تھیں۔ اور وہ مشین گنے کا رس نکالنے والی مشین کی طرح تھی جس میں جواد کا آدھا جسم قیمہ بن کر دوسری طرف گر چکا تھا۔ اور اب اس کا سینہ اور سر آہستہ آہستہ اندر داخل ہو رہا تھا وہ پہلوان ابھی تک وہیں کھڑا تھا اس کا ایک ہاتھ مشین کے ہینڈل پر تھا۔ یہ سب دیکھ کر ان تینوں کے پاؤں میں پھرکیاں سی لگ گئیں۔ وہ دوڑتے ہوئے پہلوان کے پاس پہنچے اور اسے زوردار دھکا دیا۔ پہلوان اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پیچھے جا گرا۔ انہوں نے ہینڈل اوپر کردیا۔ چلتی ہوئی مشین رک گئی۔ جواد کی چیخوں میں کمی آ گئی مگر اب وہ کافی کرب میں لگ رہا تھا۔

''مشین چلا دو خدا کے لئے مشین چلا دو۔'' جواد نے انتہائی کرب کے عالم میں کہا وہ مشین میں جیسے لٹکا ہوا تھا اس کا آدھا جسم قیمہ بن چکا تھا اور درد سے وہ سر ادھر ادھر پٹک رہا تھا۔ ''مجھے اس اذیت سے آزاد کرو احتشام! مشین چلا دو تمہیں خدا کا واسطہ۔''

''نہیں میرے دوست تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ ہم تمہارا علاج کروالیں گے تم حوصلہ رکھو۔'' احتشام نے اس کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

تہ خانے کا دروازہ کھلا اور چغے میں ملبوس اجنبی میزبان سیڑھیاں اترتا ہوا تہ خانے میں آ گیا۔ ''یہ کیا کردیا تم نے، میں نے آج تک تم جیسا پاگل انسان نہیں دیکھا، انسانی جان کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت نہیں کیا؟''

''تمہارے نزدیک جرم نہیں مگر میرے لئے یہ سنگین جرم ہے۔'' میزبان نے جواب دیا۔ ''اب اس ناول کو بھی دیکھ لو۔'' میزبان کی بات سنتے ہی احتشام نے جلد کیا ہوا ناول کھولا۔ ناول کا عنوان تھا۔ ''لاش زندہ ہوگئی۔ اور پھر احتشام نے سطر بہ سطر چار پانچ پیج پڑھے تو اسے معلوم ہوا کہ جواد نے جو اسٹوری ڈاکٹر خالد اور پیٹر کی سنائی ہے، یہ ناول ہو بہو وہی ہے۔ ''اب ذرا اس ناول کے رائٹر کا نام بھی چیک کرلو۔'' میزبان نے ایک اور ہدایت دی۔ احتشام نے ورق واپس پلٹے اسے امید تھی کہ اس پر جواد کا نام ہوگا مگر کسی اور کا نام دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تو وہ میزبان کی طرف حیرت زدہ بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''چونک گئے ناں! یہی گناہ کیا ہے ان لوگوں نے جو میرے نزدیک ناقابل معافی ہے۔'' میزبان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اول تو یہ لوگ اگر کسی کی اسٹوری اپنے نام سے چھپواتے ہیں تو اس میں تمہارا کیا جاتا ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ انفرادی سلوک کیا گیا۔ تم اس بے چارے کا بھی ہاتھ کاٹ سکتے تھے۔'' آخری جملہ احتشام نے جواد کی طرف اشارہ کرکے کہا، جواب تکلیف سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

''تمہاری پہلی بات کا جواب میں بعد میں دوں گا۔ اور تمہارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس نے جتنا گناہ کیا ہو، اس کو اتنی ہی سزا دی جاتی ہے۔ اقرار نے اپنی پہلی کہانی کا مرکزی خیال چوری کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دماغ سے لکھا باقی کہانیاں جواب تک اس کے نام سے چھپی ہیں وہ اس کا اپنا فن ہے۔ جس کہانی سے اس کو شہرت ملی وہ اس نے چوری کی۔ چوری تنکے کی ہو یا لاکھوں کی چوری چوری ہی ہوتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ جواد نے اب تک جتنی کہانیاں لکھی ہیں وہ کسی نہ کسی رائٹر کی لکھی ہوئی ہیں۔ اب تک کوئی اسٹوری اس نے اپنے دماغ سے نہیں لکھی اور میری عدالت میں ایسے چور رائٹروں کے لئے سزائے موت سے بڑی کوئی سزا نہیں۔'' اجنبی میزبان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم دوسروں کی جانوں سے کھیلو۔ اور یہ قانون کی کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ چور رائٹر کو سزائے موت دی جائے۔'' احتشام اپنے پہلے سوال پر اڑ گیا۔

''وہی بتانے جا رہا ہوں آؤ میرے ساتھ۔''

وہ تینوں کو لئے تہ خانے کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ تینوں تہ خانوں سے نکل کر وہ عمارت کے مین فلور پر آ گئے۔ اجنبی میزبان سامنے بنی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ گیلری میں ایک کمرے کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کھڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ تینوں بھی چلتے ہوئے اس کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ کمرے کا اندرونی منظر ان کے سامنے تھا۔ سیلنگ فین سے ایک پنجر لٹکا ہوا تھا۔ پنجر کی گردن میں رسی تھی اور کپڑوں سے لگتا تھا کہ کسی لڑکی کا پنجر ہے۔

''یہ میری بیٹی نبیلہ کا پنجر ہے۔'' میزبان کی آواز میں جذبات امنڈ آئے تھے۔ ''میرا نام کرنل آفریدی ہے۔ میری بیٹی رسالوں میں کہانیاں لکھتی تھی اسے لکھنے اور پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ تین سال میں چھ بار ایسا ہوا کہ اس کی بے شمار بہترین کہانیوں میں سے چھ کہانیوں کو کئی رائٹروں نے اپنے نام سے چھپوایا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے لگا لیتی تھی۔ جب چھٹی بار ایسا ہوا تو اس نے خودکشی کرلی۔ آج اسے مرے ہوئے 70 سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کا لٹکا ہوا پنجر مجھے اس معصوم پر بیتے ظلم کے متعلق یاد دلاتا رہتا ہے اور میرے انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جب تک دنیا میں پہلے تمام چور رائٹروں کو سزا نہ دے لوں، میری روح کو سکون نہیں آئے گا۔'' میزبان بات کرتے کرتے رو پڑا۔

''لگتا ہے آپ کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ ایک مصنف ہونے کے ناطے اس کا دکھ میں محسوس کرسکتا ہوں مگر آپ جو کررہے ہیں وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' احتشام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے، میں جو کررہا ہوں وہ بالکل درست ہے۔ اور آئندہ بھی اگر کسی نے کسی مصنف کی لکھی کہانی کو اپنا نام دیا تو اس کا انجام بھی یہی ہوگا جو تم ان دونوں کا دیکھ چکے ہو۔'' میزبان پھر سے غصے میں آ گیا تھا۔ ''اور پہنچا دینا میرا یہ پیغام ساری دنیا میں کہ کرنل آفریدی کو چور رائٹروں سے سخت نفرت ہے۔ آئندہ بھی اگر کوئی ایسا کام کرے گا تو میری خفیہ طاقتیں اسے یہاں کھینچ لائیں گی اور اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو اب تک آنے والے چوبیس نوجوانوں کا ہو چکا ہے۔''

میزبان نے پھر سے اپنی بات دہرائی۔ اکمل جواب تک وہاں کھڑا تھا۔ نظر بچا کر گیٹ کی طرف بھاگا۔ میزبان کا رخ اس کی طرف ہوا اور فرش سے نکلنے والی زنجیریں سانپ کی طرح اس کی طرف بڑھیں، پلک جھپکتے ہی زنجیروں نے اس کی ٹانگوں کو قابو کرلیا۔ اور کھینچتی ہوئی واپس لے آئیں۔ ''مجھے جانے دو۔ میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں آئندہ میں چوری شدہ کہانی تو کیا کوئی کہانی بھی نہیں لکھوں گا۔'' اکمل نے رو دینے والے انداز میں کہا مگر جہاں سے زنجیریں نکلی تھیں وہاں سے فرش پھٹا اور زنجیریں اسے کھینچتی ہوئی فرش میں اتر گئیں۔ اکمل کے حلق سے نکلنے والی چیخیں فرش ٹھیک ہوتے ہی معدوم ہوتی چلی گئیں۔

''تم دونوں اب جاسکتے ہو۔'' کرنل آفریدی کی مخصوص آواز سنائی دی۔

''جانے سے پہلے ہم اپنے پراسرار میزبان کا چہرہ دیکھنا چاہیں گے۔'' اب کی بار اقرار نے زبان کھولی۔

''ہاں! میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔'' اور پھر کرنل آفریدی نے اپنا چغہ اتار دیا۔ وہ دونوں حیرت سے ہکا بکا رہ گئے۔ کیونکہ ان کے سامنے گوشت پوست سے محروم ڈھانچہ کھڑا تھا۔

ان دونوں کو اتنا خوف آیا کہ نیا کوئی سوال کئے بغیر گیٹ کی طرف پلٹ گئے۔

باہر سے آتی ٹرین کی آواز ان کی ہمت بندھا رہی تھی۔ گیٹ سے نکل کر انہوں نے بغیر پیچھے دیکھے عمارت کے عقب میں دوڑ لگا دی۔ ان کا انداز ایسے تھا جیسے وہ بھیانک موت کے شکنجے سے نکلے ہوں۔ مسرت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

ٹرین کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ ہلانا شروع کردیئے۔ ٹرین کافی دور تھی مگر ڈرائیور نے جیسے ان کو دیکھ لیا تھا۔ ٹرین کی رفتار آہستہ ہونی شروع ہوگئی۔ ٹرین رکی تو دونوں ایک ڈبے میں سوار ہوگئے۔ مسافروں کی چہ میگوئیاں احتشام اور اقرار کے کانوں میں پڑیں تو پتہ چلا کہ ٹرین میں کوئی خرابی آ گئی ہے آدھ گھنٹہ لگے گا۔ احتشام اور اقرار ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے کہ اب کی بار انہوں نے نیچے اترنے کی زحمت نہیں کی۔ تقریباً گھنٹہ بعد ٹرین نے وسل پر وسل دینی شروع کردی۔

''ٹرین چل کیوں نہیں رہی؟ کس کا انتظار ہے؟'' احتشام نے پاس بیٹھے ایک بوڑھے آدمی سے پوچھا جو ابھی ابھی باہر سے آ کر وہاں بیٹھا تھا۔ ''پانچ مسافر سامنے والی عمارت کی طرف گئے ہیں۔ سنا ہے وہاں جو جاتا ہے واپس نہیں لوٹتا۔ ٹرین پانچ دس منٹ انتظار کرے گی پھر چل پڑے گی۔ آ گئے تو ان کی قسمت نہیں تو خدا جانے ان کے ساتھ کیا ہو۔'' بوڑھے نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ''کیا آپ ان پانچوں کو جانتے ہیں......؟'' احتشام نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''زیادہ تو نہیں مگر ان کی باتوں سے لگتا تھا کہ پانچوں کہانی کار ہیں۔'' بوڑھا اور بھی کچھ بول رہا تھا مگر احتشام اور اقرار آنے والے لمحات کا تصور کرکے خوف سے لرز رہے تھے۔

نصیحت

شائستہ سحر-راولپنڈی

کمرے میں اچانک فلک شگاف کربناک اور دلخراش چیخ گونجی، جسے سن کر قرب و جوار کے لوگ انگشت بدنداں ہوگئے، دل دہلنے لگا اور خوف نے ہلچل مچادی کہ اچانک......

اصول اور حقیقت سے فرار اکثر انسان کو زندہ درگور کردیتا ہے-ایک متاثر کن کہانی

میرے کانوں میں ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چاروں طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ عورتیں ایک دوسرے کے گلے لگ کر اپنے ملال کا اظہار کررہی تھیں۔ میں ایک جگہ حیران و پریشان کٹی بیٹھی تھی۔ اور حیرت سے اس بے کسی کے پیکر کو دیکھ رہی تھی جو بے حس و حرکت ایک چارپائی پر پڑی تھی، اس کے وجود پر ایک بڑی سفید چادر پڑی تھی جس میں سے اس کا غم میں ڈوبا ہوا چہرہ دکھائی دے رہا تھا، کتنی حسرت تھی اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں جسے محسوس کرکے میں اندر سے لرز گئی تھی۔

میں نہیں جانتی تھی یہ کیسا احساس تھا، میں کیوں ایسا محسوس کررہی تھی، کہ ضرور ایسا کچھ ہوا ہے جو وہ ایک صحت مند اور خوشحال زندگی سے راتوں رات موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں کی آپس میں چہ میگوئیاں جاری تھیں مگر اصل بات کسی کو بھی پتہ نہ تھی، سنی سنائی بات یہی تھی کہ" وہ اچانک حرکت قلب بند ہونے سے فوت ہوئی ہے۔"

مگر میرا دل ماننے کو تیار نہیں تھا، مرنے والی کی ماں الگ کمرے میں غم سے نڈھال پڑی تھی، اس کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔

جب اس لڑکی کو غسل دینے کے لئے لے جایا جانے لگا، تب ساری عورتیں اس مردہ لڑکی کی چارپائی کے اردگرد جمع ہوگئیں۔ میں بھی اٹھی اور اس کے سرہانے کے نزدیک کھڑی ہوگئی، اس لڑکی کی بہنیں چارپائی اٹھانے لگیں تو اچانک چارپائی اٹھاتے ہوئے اس لڑکی کی گردن سے چادر کھسک گئی اور میری نظر اس لڑکی کی گردن پر موجود سرخ رنگ کے واضح نشان پر پڑی جیسے وہ نشان کسی رسی جیسی شے کا ہو۔

اس کی بہن نے ایک دم سے چادر درست کردی اور اسے اٹھا کر لے گئیں۔

اب پتہ نہیں اس بات کو میرے علاوہ کسی نے نوٹ کیا تھا یا نہیں۔

میں واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔ مجھے اب شک ہونے لگا کہ اس لڑکی نے خودکشی کی ہے مگر کیوں؟ یہ خدا ہی جانتا تھا۔

جنازہ جب چلا گیا تب میں تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی۔ طبیعت پر ایسی بیزاری طاری تھی کہ فوراً رضائی میں گھس گئی کیونکہ دل سخت پریشان تھا، دماغ میں بار بار اس مردہ لڑکی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

میں چند دن پہلے ہی کزن کی شادی میں شرکت کے لئے گاؤں میں آئی تھی۔ میں نے شادی میں اس مرنے والی لڑکی کو دیکھا تھا جس کا نام شکیلہ تھا، سفید رنگ کے غرارے کے اوپر نیلے رنگ کی قمیض میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے باقی دیہاتی لڑکیوں کی نسبت چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا تھا۔

میں نہیں جانتی تھی کہ اسے کچھ روز بعد، میں مردہ حالت میں دیکھوں گی۔ اس واقعے کئی دن گزر گئے مگر میرے دماغ سے وہ واقعہ اوجھل نہ ہوسکا۔

اس روز میں فارغ تھی موسم اچھا تھا آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے تھے اور ہوا بھی کافی تیز چل رہی تھی۔ میں دل خوش کرنے کے لئے چھت پر چلی گئی۔ اور بلا مقصد ہی چھت کی دیواروں سے اردگرد کے مکانوں میں تانکا جھانکی کرنے لگی۔

گاؤں کی بالکل سادہ زندگی۔ میں بڑی دلچسپی سے دیہاتی عورتوں کو اپنے اپنے کاموں میں مگن دیکھ رہی تھی کہ اس اثناء میں میرے عقب سے آواز ابھری۔ "باجی.....!"

میں نے فوراً مڑ کر دیکھا تو سامنے ایک نوعمر لڑکی کھڑی تھی، اس کی عمر بہ مشکل چودہ پندرہ برس ہوگی۔ میں نے زیادہ غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ وہ تو اسی لڑکی کی بہن تھی جو چند دن پہلے فوت ہوئی تھی۔ اس لڑکی کو بھی میں نے شادی میں دیکھا تھا۔

میں فوراً پلٹ کر اس کی طرف بڑھی۔

"کیا بات ہے؟"

وہ گھبرائی ہوئی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور بولی۔ "باجی! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے، کیا میں اس چارپائی پر بیٹھ جاؤں؟"

میں شائستگی سے بولی۔ "ہاں ضرور بیٹھ جاؤ، میں اس لڑکی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ "سب سے پہلے تم اپنا نام بتاؤ۔" میں نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میرا نام نبیلہ ہے۔"

"اچھا نام ہے۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ اچانک بولی۔ "باجی اس روز شادی میں آپ کسی کو بتا رہی تھیں کہ آپ کہانیاں بھی لکھتی ہیں میں آپ کو ایک سچی کہانی سناؤں تو آپ اسے لکھیں گی کیونکہ میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔"

"کیسی کہانی اور کیسا بوجھ ہے؟ جس کا تم ذکر کر رہی ہو۔" میں نے یکلخت سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ دکھ سے بولی۔ "میری باجی شکیلہ کی کہانی

اب مر چکی ہے۔"

میں چونک سی گئی۔ "کیا خاص بات ہے اس کی کہانی میں؟" میں نے پوچھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور وہ بولی۔ "بہت کچھ خاص ہے اس کی کہانی میں، پہلے آپ وعدہ کریں کہ گاؤں میں حتیٰ کہ اپنے گھر میں بھی اس کہانی کے متعلق کسی کو نہیں بتائیں گی۔"

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولی۔ "پکا وعدہ! کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی اور نہ ہی تمہارا نام لوں گی۔ تم چاہتی ہو کہ میں اس واقعے کو لکھوں تو ضرور لکھوں گی پہلے مجھے تفصیل سے سناؤ۔"

وہ اپنی آنکھوں سے نمی صاف کرتے ہوئے بولی۔

"شکیلہ باجی! دل کی دھڑکن بند ہونے سے نہیں مری۔"

میں فوراً بول پڑی، "تو کیا اس نے خودکشی کی تھی؟"

نبیلہ دکھ سے بولی۔ "نہیں اس کو قتل کیا گیا ہے۔"

نبیلہ کے اس انکشاف پر میں دنگ رہ گئی۔ "کیا قتل.....! مگر کس نے قتل کیا؟" میں ایک ہی سانس میں بولی۔

وہ بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "میرے ابا نے باجی کو قتل کیا ہے۔"

"مگر کیوں کیا انہوں نے قتل؟" میں سوالیہ انداز میں نبیلہ کو گھورتے ہوئے بولی۔

وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو رکھے ہوئے تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ وہ نہ روئے۔ مگر آواز سے یوں لگتا تھا جیسے اس کے دل کا غبار آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے چھلک پڑے گا۔

نبیلہ نے جو کہانی سنائی وہ کچھ یوں تھی۔ "شکیلہ نے دو سال قبل سیکنڈ ائیر کے ایگزام اچھے نمبر سے پاس کیا تھا۔ تب اس کے ماموں نے موبائل تحفے میں اس کو دیا تھا۔

شکیلہ اپنے گاؤں کے ہی ایک لڑکے نوید کو پسند کرتی تھی۔ کالج سے آتے جاتے وقت اس کا سامنا اس لڑکے سے ہوتا رہتا تھا کیونکہ اس لڑکے کی پنساری کی دکان راستے میں ہی تھی۔ جب سے شکیلہ کے ہاتھ موبائل آیا تھا تو اسے کسی لڑکے سے چھپ چھپ کر بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

شکیلہ کا رشتہ بچپن سے ہی اس کی خالہ کے بیٹے کے ساتھ طے تھا۔ نوید اور شکیلہ کو جب اپنے ملنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ان دونوں نے بھاگنے کا منصوبہ بنالیا۔ اس سارے منصوبے میں شکیلہ کی ماں بھی شریک تھی۔ کتنی عجیب بات تھی حتیٰ کہ شکیلہ کی بہنیں بھی سب جانتی تھیں۔

جس رات شکیلہ نے بھاگنا تھا اس نے اپنا سارا سامان تیار کرلیا تھا۔ بس اس لڑکے سے بات کر کے جگہ کا پوچھ رہی تھی جہاں اس نے اس کے ساتھ مل کر بھاگنا تھا۔ مگر شکیلہ کی بدقسمتی کہ اس کا باپ پانی پینے کے لئے اس کے کمرے کے قریب سے گزرا مگر کمرے سے آنے والی سرگوشیوں کو سن کر ٹھٹک گیا۔ رات کے اس پہر اسے شکیلہ کے کمرے سے آنے والی سرگوشیوں نے مزید حیرت میں ڈال دیا۔ وہ دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے لگا۔

"نوید تم کہاں ہو؟ کب سے تمہیں کال کر رہی ہوں، پہنچ گئے ہو ناں پرانے کنویں پر؟"

اچھا ٹھیک ہے میں بھی بس کچھ دیر میں آ رہی ہوں، زیورات کپڑے اور کچھ نقدی لے کر آؤں گی، تم نے بھی اپنی طرف سے پورا انتظام کیا ہے ناں.....؟ بہت اچھا میں بس اب نکلنے لگی ہوں۔"

اور یوں سارے کھیل کا علم اس کے والد کو ہوگیا جو اس کی لاعلمی میں کھیلا جانے والا تھا۔ وہ ایک لمحے کی دیر کئے بغیر آگے بڑھا اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

شکیلہ جو دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی کھڑی ہو کر باتیں کر رہی تھی۔ باپ کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر اس کی روح فنا ہوگئی۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر گر گیا۔ نبیلہ جو ماں کے قریب ہی بیٹھی تھی سہم کر ماں سے لپٹ گئی۔

شکیلہ کا باپ پلک جھپکتے ہی کسی عقاب کی طرح شکیلہ پر جھپٹا اور اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر گرجدار آواز میں غرایا۔

''سن لیا ہے میں نے، بدکردار! تو میری عزت مٹی میں ملانا چاہتی تھی، اس سے پہلے کہ تو ایسا کرے، میں تجھے مٹی میں ملادوں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے شکیلہ کی چوٹی میں بندھے پراندے کو پکڑ لیا اور اسی پراندے سے اس کی گردن کے گرد گھیرا ڈال کر مضبوطی سے شکیلہ کا گلا دبانے لگا۔

شکیلہ جو خوف کے مارے لرز رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔

شکیلہ کی ماں چیختی ہوئی آگے بڑھی مگر اپنے مجازی خدا کی آنکھوں میں موجود سفاکی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو بچا سکے۔

چند لمحوں میں شکیلہ کی آنکھیں اذیت سے حلقوں سے باہر نکلنے لگیں۔ اس کا چہرہ نیلا پڑنے لگا اس نے چیخنا چاہا مگر اس کے منہ سے سوائے اذیت زدہ غراہٹوں کے کچھ نہ نکلا۔

شکیلہ کی ماں اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر صدمے سے نڈھال ہوگئی اور وہیں گر کر بے ہوش ہوگئی۔

شکیلہ کا وجود تھوڑی دیر بہت مزاحمت کے بعد ڈھیلا پڑ کر ساکت ہوگیا۔

جونہی شکیلہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اس کے باپ نے حقارت سے شکیلہ کے وجود کو زمین پر پھینکا اور تیزی سے نبیلہ کی طرف بڑھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

خوف کے مارے وہ کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی اپنے باپ کو یوں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ چیخ کر دیوار کے ساتھ جا لگی اور ہذیانی آواز میں بڑبڑائی۔

''ابا مجھے مت مارو! خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا۔'' نبیلہ ہاتھ جوڑتے ہوئے گڑگڑائی۔

''بکواس بند کر۔'' اس نے نبیلہ کی چوٹی پکڑ لی اور جھٹکا دیتے ہوئے غرایا۔ ''خبردار! جو اس قتل کا کسی سے ذکر کیا تو، ورنہ تجھے بھی زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔''

اس ساعت شکیلہ کی دادی اور سب سے بڑی بہن بھی شور سن کر کمرے میں پہنچ گئیں مگر کمرے کی صورتحال دیکھ کر ان کے منہ سے چیخیں نکلتے نکلتے رہ گئیں شکیلہ کے باپ نے فوراً نبیلہ کی چوٹی چھوڑ دی اور نبیلہ دادی کو دیکھتے ہی بھاگ کر ان سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی دادی حیرت سے ششدر اپنے سفاک بیٹے کو گھورے جا رہی تھیں جو نہایت اطمینان سے تمام صورتحال کے متعلق انہیں سمجھا رہا تھا کہ ''کیسے شکیلہ کی موت کو طبعی رنگ دینا ہے۔''

نبیلہ کے منہ سے یہ تمام باتیں سن کر میں سناٹے میں آ گئی تھی۔ نبیلہ بے چاری سسک سسک کر رو رہی تھی اور میں اس کو بہ مشکل دلاسا دے رہی تھی۔ میرے دماغ میں منتشر سوچوں کا طوفان گردش کر رہا تھا۔

''یہ لڑکیاں کتنی بے وقوف ہوتی ہیں، جب ان کو پتہ ہوتا ہے کہ ایسی حرکتوں کا انجام سوائے ذلت آمیز موت کے سوا کچھ نہیں، تو وہ کیسے اپنے ماں باپ کی عزت کو کسی غیر کے لئے مٹی میں ملانے کا سوچ لیتی ہیں، وہ اپنی اور اپنے والدین کی عزت کے متعلق سوچیں، وہ عزت کی قدر کریں، اسی میں بھلائی ہے۔ کیا وہ صبر نہیں کر سکتیں کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ خدا نے کسی نہ کسی کو تو ان کی زندگی کا ساتھی بنانا ہوتا ہے اور کتنی اچھی بات ہے کہ لڑکیاں اپنے والدین کی خوشی سے اس ساتھی کو قبول کر لیں تو کوئی شک نہیں ان کی زندگی خوشگوار گزرے۔ والدین کا دل دکھا کر کوئی بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ کاش کہ میری یہ نصیحت بھٹکے ہوئے دلوں پر اثر کر جائے۔''

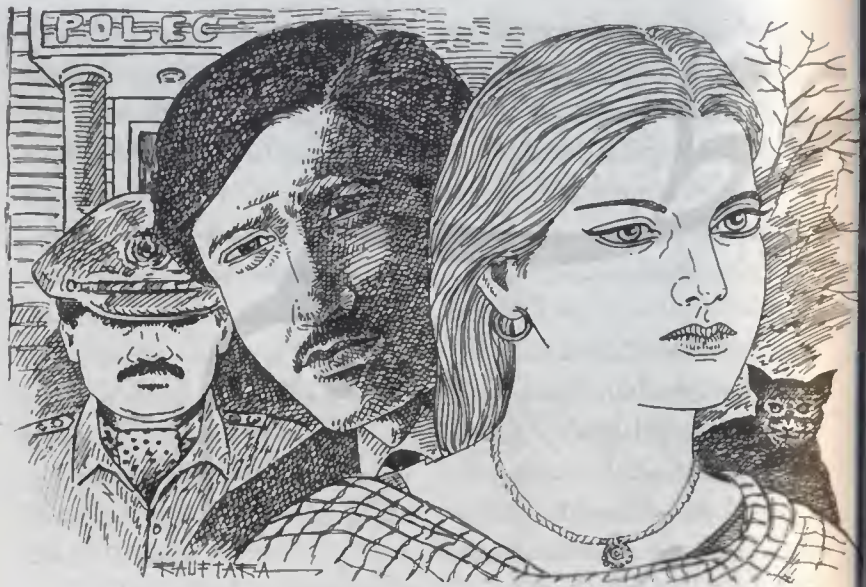

خون آشام

نظارت نصر۔ فیصل آباد

کمرے میں اچانک ایک بہت بڑی چمگادڑ نمودار ہوئی، اس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ نوجوان پر حملہ آور ہوگئی پستول سے نکلنے والی گولیاں بھی چمگادڑ کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہی تھیں مگر.....

برے کام کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے اس حقیقت کو جاننے کے لئے قارئین کہانی ضرور پڑھیں

ابھی میں نے تھانے میں قدم رکھا ہی تھا کہ میرے انچارج نے کہا۔

''آؤ بھئی شجاع! بڑی شدت سے تمہارا انتظار ہو رہا تھا۔'' میں چونک گیا اور پوچھا۔

''خیریت ہے سر؟'' انچارج رحمت خان نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''ارے آج کے دور میں خیریت کہاں؟ بس فٹا فٹ جائے وقوعہ پر پہنچ جاؤ۔ ہماری ناک کے نیچے قتل ہوگیا ہے۔ ابھی وہ کیمرے والے بوسونگھتے پہنچ جائیں گے اور پھر ٹی وی پر پٹی چل جائے گی کہ فلاں تھانے والے سوئے پڑے ہیں۔ قتل ہوگیا اور وہ پہنچے ہی نہیں۔ جان عذاب میں ڈال دی ہے ان چینل والوں نے.....''

مجھے تھوڑا محسوس تو ہوا کہ صبح کی شروعات قتل کے حادثے سے ہوگئی ہے۔ لیکن بہرحال یہ میرا فرض تھا۔ میں نے اپنی میز سے چند ایک ضروری چیزیں اٹھائیں اور ایک سپاہی کے ساتھ جائے وقوعہ کی طرف چل پڑا۔ بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انچارج کی بھی ٹھیک ہی تھی۔ اگر کوئی رپورٹر وہاں پہنچ جاتا تو یقیناً اخبار اور ٹی وی والے ہمارا ناک میں دم کر دیتے۔

پانچ منٹ میں ہم وہاں پہنچ گئے۔ دور سے ہی لوگوں کا جمگھٹا دیکھ کر پتہ چل رہا تھا کہ اس جگہ کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ میرے ساتھ آنے والے سپاہی نے مجھے بتایا کہ فون کرنے والے نے اطلاع دی تھی کہ "ایک بندے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اس کا گلا ادھڑا ہوا ہے اور پیٹ بھی پھٹا ہوا ہے جیسے اسے کسی درندے نے ہلاک کیا ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ تو موقع دیکھ کر پتہ چلے گا کہ اصل کیا بات ہے۔ اور باقی کا پوسٹ مارٹم رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔"

جیسے ہی ہم قریب پہنچے ایک آدمی تیزی سے ہجوم میں سے نکل کر ہماری جانب بڑھا۔ ہم دونوں اسے دیکھنے لگے قریب آ کر اس نے کہا۔

"سر جی! میں نے تھانے میں فون کیا تھا۔ حمید میرا پڑوسی ہے ہمارے ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ صبح مجھے شوپائش کی ضرورت تھی میں وہ لینے جب اس کے گھر آیا تو پتہ چلا کہ اسے کسی نے قتل کر دیا ہے میں نے وہیں سے تھانے فون کر دیا۔"

وہ تیس بتیس سال کا ایک صحت مند شخص تھا جو بہت باتونی معلوم ہو رہا تھا وہ ہمیں لاش کے پاس لے گیا۔ چھوٹے سے دو کمروں پر مشتمل گھر کے ایک کمرے کے وسط میں لاش پڑی تھی۔ لاش کے کپڑے نہیں تھے بس ایک انڈرویئر پہنا ہوا تھا اس کے پھٹے ہوئے پیٹ میں سے باہر نکلی ہوئی انتڑیاں فرش پر پڑی تھیں اور چیونٹیوں کی ایک قطار ان تک پہنچ گئی تھی۔

لاش کی حالت واقعی مخدوش تھی۔ مگر یہ قیاس کرنا ممکن نہیں تھا کہ گنجان آباد اس علاقے میں میلوں دور سے کسی خونخوار جانور نے آ کر اس بندے کو ہلاک کیا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔

میں نے لاش کو چھوڑا اور کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ کمرے کی کوئی بھی چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔ گویا یہ کوئی چوری ڈکیتی کا کیس نہیں تھا۔

دوسری چیز جو مجھے کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ لاش کے اردگرد کہیں بھی خون موجود نہیں تھا۔ ورنہ جیسی حالت تھی لاش کی اسے تو خون میں لت پت ہونا چاہیے تھا۔

بہرحال قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے میں وہاں کافی دیر تک موجود رہا۔ لاش اٹھوا کر ہسپتال بھیج دی اور خود فارغ ہو کر اس کے گھر کی تلاشی لینے کا فیصلہ کر کے میں واپس تھانے آ گیا۔ سپاہیوں سے کہہ کر میں نے مکان کو سیل کروا دیا۔

بیانات کے مطابق قتل کا کوئی عینی شاہد نہیں تھا۔ مقتول تنہا اس مکان میں رہتا تھا۔ پانچ سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی مگر گھریلو ناچاقی کی وجہ سے بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی اور کچھ عرصہ بعد مر گئی محلے داروں کے مطابق اس کا کوئی رشتہ دار کبھی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ بس چند ایک دفتری اور محلے کے دوست تھے۔ وہ کسی پر بھی اس کے قتل کا شبہ کرنے سے قاصر تھے۔

یہ ایک الجھا ہوا کیس تھا۔ بہرحال مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ کا انتظار تھا۔ سارا دن دوسرے کئی کام نمٹاتے کچہری کی پیشیاں بھگتاتے کب گزر اپتہ ہی نہ چلا۔ قتل کے تفتیش کار مصروف رہتے ہیں یہ وہی جان سکتا ہے جو اس شعبے سے وابستہ ہو۔ خیر تھانے سے گھر کو روانہ ہوتے ہوئے مجھے اس گھر کی تلاشی لینے کا خیال آیا۔ میں نے وقت دیکھا۔ سورج غروب ہونے میں چند ہی منٹ رہتے تھے۔ لیکن فرض تو فرض ہوتا ہے میں وضاحت کرتا چلوں کہ میں ان پولیس والوں میں سے نہیں ہوں جو کام سے جی چراتے اور فارغ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

میں پیدل ہی وہاں پہنچ سکتا تھا مگر اس خیال سے موٹر سائیکل ساتھ لے لی کہ وہاں سے مجھے گھر جانا تھا۔ جو کہ موٹر سائیکل کے بغیر ممکن نہیں تھا جب میں وہاں پہنچا تو گلی تقریباً خالی تھی میں نے پہرے پر کھڑے پولیس مین کو گھر کھولنے کا کہا۔

گھر میں داخل ہوتے ہوئے مجھے عجیب سا اسرار سا محسوس ہو رہا تھا مگر میں ان محسوسات کو کوئی نام نہ دے سکا اور اندر چلا گیا۔ میں نے تسلی سے دونوں کمروں کی

تلاشی لی۔ ضروری ساز و سامان کے علاوہ اس کے گھر میں کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ حمید ایک نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا شخص تھا۔ اس کے گھر میں اس سے زیادہ سامان ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

میں نے اس کی الماریوں سے لے کر کپڑوں کے صندوق اور بیڈ کے گدوں سے لے کر صوفے کے نیچے تک جھانک لیا مگر مجھے کوئی خاص چیز نظر نہ آئی۔ وہ شاید ڈائری وغیرہ لکھنے کا عادی بھی نہیں تھا۔ وہ ایک معمولی تعلیم یافتہ شخص تھا جو ایک پرائیوٹ ادارے میں چپراسی کی نوکری کر رہا تھا۔

اپنی تلاش میں ناکام ہو کر میں کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔ "اس اندھے قتل کو میں کیسے حل کروں گا؟"

اچانک ایک خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا میں اس کے برآمدہ نما کچن میں آ گیا۔ اس کی تلاشی بھی اچھی طرح لی۔ مگر چینی کے ڈبے میں چھپائے گئے پانچ سو روپوں کے علاوہ کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ میں نے روپے واپس رکھ دیئے۔ حیران مت ہوئیے۔ میں نے پہلے ہی بتایا ہے کہ میں ایک فرض شناس اور ایماندار پولیس مین ہوں۔

کچن سے مایوس ہو کر میں واپس پھر اسی کمرے میں آ گیا۔ کچھ تھا جو میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ مگر میں اس کا ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ تھک کر میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور سرسری سی نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ سامنے کی دیوار پر ایک حسین عورت کی تصویر لگی تھی۔ میں اسے دیکھنے لگا۔ اپنے انداز و اطوار سے وہ فلمی اداکارہ نہیں لگ رہی تھی میں نے سوچا کہ یہ مقتول کی بیوی ہو سکتی تھی۔ میں بے دھیانی میں تصویر کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے لگا لڑکی نے پلکیں جھپکی ہیں، میں چونک گیا اور غور سے تصویر کو دیکھا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اب لڑکی کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں نے آغاز میں اس تصویر کو دیکھا تھا تو وہ لڑکی مسکرا نہیں رہی تھی۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

شاید اس عجیب واقعے کی وجہ سے یا ویسے ہی تھک کر مجھے پیاس لگ گئی تھی۔ میں نے اپنے ذہن سے ایسی ویسی تمام باتوں کو جھٹک دیا اور اٹھ کر کچن میں پانی پینے چلا گیا۔ واپس کمرے کی طرف آتے ہوئے میں نے وقت دیکھا تو پتہ چلا کہ رات کے دس بج رہے تھے جب میں یہاں آیا تھا اس وقت سات بج کر بیس منٹ ہوئے تھے گویا مجھے یہاں آئے پونے تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ اور میں کچھ بھی کارآمد چیز دریافت کر نہیں سکا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر میں نے غیر ارادی طور پر تصویر کی طرف دیکھا۔

میں چونک گیا۔ اب شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دیکھا تصویر والی لڑکی رو رہی تھی اور اس کے شفاف آنسو گالوں پر ٹکے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ویسی ہلکی سی سرخی بھی تھی جیسی کہ عموماً رونے سے لڑکیوں کی آنکھوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مجھے خوف تو محسوس ہوا مگر میں نے خود پر قابو پا لیا اور کچھ لمحے سوچنے کے بعد آگے بڑھ کر تصویر اتار لی۔ اتارتے ہوئے وہ تصویر میرے ہاتھ سے پھسل گئی اور میرے چہرے پر گر گئی۔ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی کیونکہ مجھے اپنے گال پر نرم نسوانی لبوں کا لمس محسوس ہوا تھا۔ میں اسے اپنا وہم قرار نہیں دے سکتا تھا میں نے ایک جھٹکے سے تصویر اپنے چہرے سے دور ہٹائی۔ لڑکی کی دراز نوکیلی پلکوں والی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔

میرے ہاتھ کانپے اور تصویر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گری۔ میں ہراساں سا کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ میرا ذہن ان تمام باتوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا اور میں اس کو جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ تصویر کو اسی طرح بیڈ پر پڑے چھوڑ کر میں صوفے پر سر تھام کر بیٹھ گیا۔

دفعتاً ایک خیال کے تحت میں چونک گیا۔ میں نے اٹھ کر خود کو الماری کے آئینے میں دیکھا میرے گال پر نسوانی لبوں کا ٹھپہ موجود تھا، میں نے بے یقینی سے پلٹ کر بیڈ پر پڑی تصویر کی طرف دیکھا لپ اسٹک کا رنگ بھی وہی تھا۔

میری زندگی میں اس طرح کے اتفاقات کا یہ پہلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موقع تھا۔ میں حواس باختہ ہوگیا جلدی سے جیب سے ٹشو نکال کر گال صاف کیا۔ مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوں۔

شاید میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ میں ایک غیر شادی شدہ جوان مرد تھا۔ اور اس سے پہلے عورت کے لمس سے واقف نہیں تھا۔ شاید اسی وجہ سے میری حالت اتنی خراب ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے اس تصویر کو اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس پراسرار تصویر میں ایسی کیا بات تھی جس کی وجہ سے یہ تصویر اس طرح تبدیل ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبح نو بجے ناشتہ کرکے میں تھانے جانے کے لئے تیار تھا جب اطلاعی گھنٹی بجی۔ میں حیران ہوتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ عموماً اس وقت کوئی بھی مجھ سے ملنے نہیں آتا تھا کیونکہ میں جلدی کی وجہ سے کسی کی بات نہیں سن سکتا تھا۔ گھر میں میرے علاوہ میرے والد صاحب اور میری والدہ ہوتی تھیں۔ چھوٹا بھائی کالج میں پڑھتا تھا اور صبح ہی صبح گھر سے نکل جاتا تھا۔ میں یہ سوچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا کہ والد یا والدہ میں سے کسی کا ملاقاتی آیا ہوگا۔

لیکن دروازہ کھولنے پر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ دروازے پر سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ پڑا تھا اور دور نزدیک گلی میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ گلابوں کی خوشبو بہت تیز تھی۔ بہرحال میں اسے اٹھا کر گھر میں لے آیا۔ والدہ دیکھ کر حیران ہوگئیں اور پوچھنے لگیں۔ ”شجاع! تمہیں کس نے پھول بھیجے ہیں؟ آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔“

میری حالت بالکل اس نوخیز عاشق کی سی تھی جس کے کرتوت کا علم اس کے باپ کو ہوگیا ہو۔ لیکن میں ایک تجربہ کار پولیس مین بھی تھا۔ فوراً بہانہ گھڑا..... ”امی ایک پھولوں کی دکان والا دوست بن گیا ہے اسی نے بھیجا ہے اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں اسے منع کردوں گا۔“ والدہ فوراً بولیں۔

”پگلے میں نے کون سا اعتراض کیا ہے۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تو پوچھ لیا۔ ارے ہاں یاد آیا۔ رات کو تم کیا ٹی وی چلتا چھوڑ کر سو گئے تھے؟ تمہارے کمرے سے کسی کے گانے اور گھنگرو بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔“

میں ہکا بکا رہ گیا میرا دھیان فوراً تصویر کی طرف گیا۔ مگر تصویر تو لڑکی کے اوپری دھڑ کی تھی۔ جیسے پاسپورٹ کی تصویر ہوتی ہے بس کافی بڑی تھی میں نے فوراً ایک اور بہانہ گھڑا۔

اصل میں دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا تو دھیان نہیں رہا۔“

امی مطمئن ہوگئیں۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ رات کو تو میں نے سرے سے ٹی وی آن ہی نہیں کیا تھا۔ مگر زیادہ اچنبھے کی بات یہ تھی کہ مجھے کمرے میں موجود ہونے کے باوجود کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی یہ حیرانی کی بات اس لئے تھی کہ میں بہت ہوشیار نیند سوتا تھا۔ ذرا سے کھٹکے سے میری آنکھ کھل جاتی تھی میرے پاس اس ساری صورتحال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک مرتبہ تو میرے دل میں آئی کہ اس تصویر کو اٹھا کر کہیں باہر پھینک آؤں لیکن پھر میں نے خود اپنے اس خیال کو جھٹک دیا۔ مجھے تھانے جانے میں دیر ہو رہی تھی۔ میں نے لپک کر ٹیبل پر سے چابیاں اٹھائیں اسی وقت میری نظر گلابوں کے گلدستے پر پڑی۔ ایک اور حیرت میری منتظر تھی۔ پھولوں کے اوپر ایک درمیانے سائز کی سیاہ چمگادڑ چپکی ہوئی تھی اور اپنا منہ کھول کر اسے ادھر ادھر حرکت دے رہی تھی اس کی زبان کا رنگ غیر معمولی سرخ تھا۔

چند لمحے سر ادھر ادھر گھمانے کے بعد اس نے اپنی زبان سے گلابوں کو چاٹنا شروع کردیا۔ تب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ گلابوں کے اوپر سرخ رنگ کے کچھ کیڑے کلبلا رہے تھے۔ اور وہ چمگادڑ انہیں کھا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے ابکائی سی آگئی میں نے ہولسٹر سے اپنا سروس ریوالور کھینچ لیا میں اس چمگادڑ کا کریہہ وجود اپنے کمرے میں برداشت نہیں کرسکتا تھا میں نے ریوالور سیدھا کیا ہی تھا کہ چمگادڑ چشم زدن میں مجھ پر حملہ آور ہوگئی اس کے کھلے منہ سے نوکیلے دانت جھانک رہے تھے۔ وہ سیدھی

میرے منہ پر جھپٹی تھی۔ میں نے برق رفتاری سے دائیں سمت جھک کر اس کا وار بچایا۔ چمگادڑ آگے نکل گئی۔ میں تیزی سے پلٹا تاکہ اس کے دوسرے حملے سے پہلے اسے نشانہ بنالوں۔ مگر وہ مجھے دکھائی ہی نہیں دی۔ میں نے کمرے کو اچھی طرح کھنگالا مگر وہ چمگادڑ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔

میں غصے سے گلدستہ کی طرف مڑا۔ اب اس پر کوئی کیڑا دکھائی نہیں دیا۔ لیکن میں جھلا گیا تھا گلدستہ سمیت گھر سے نکل آیا۔ راستے میں ایک جگہ کوڑے کے ڈھیر پر گلدستہ پھینک کر تھانے چلا گیا۔ دن بھر باقی کام نمٹاتا رہا۔ لنچ کے بعد میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ دیکھی میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ لاش کا خون پہلے ہی نکال لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا دل اور کلیجہ بھی غائب تھا۔

اب تک کے حالات ثابت کررہے تھے کہ اس آدمی کے قتل میں کوئی انسان نہیں بلکہ کوئی ہوائی چیز ملوث تھی لیکن میں یہ بات تھانے کی رپورٹ میں نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میری توجہ اپنے ساتھ ہونے والے غیر معمولی واقعات کی طرف چلی گئی۔ میں نے اندازہ قائم کرنے کی کوشش کی کہ اس آدمی کے قتل میں اس تصویر کا کسی نہ کسی طرح تعلق ضرور تھا لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے مجھے کوئی طریقہ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ مقتول کے گھر سے کسی اور کے فنگر پرنٹس بھی نہیں ملے تھے۔ جو میرے کسی کام آسکتے اب میں بالکل اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں نے بستر پر لیٹ کر اپنا سیل فون آن کرلیا اور دن بھر کی کالز وغیرہ چیک کرنے لگا تھوڑی دیر کے بعد اس کام سے فارغ ہوکر میں نے سامنے دیوار کی طرف دیکھا۔ تصویر والی لڑکی نارمل انداز سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں یہ نوٹ کررہا تھا کہ جب سے میں اسے اپنے گھر میں لایا تھا تصویر نے کوئی رنگ نہیں بدلا تھا۔ پچھلے پانچ چھ دنوں سے میں ہر روز دیر تک اس کا مشاہدہ کرتا رہتا تھا۔

اگرچہ تصویر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی تاہم اس گلدستہ نے مجھے پریشان کررکھا تھا۔ میں اسے کئی مرتبہ مختلف جگہوں پر پھینک کر آچکا تھا مگر ہر صبح وہ اسی طرح میری میز پر پڑا ہوتا تھا جس طرح میں نے پہلے دن وصول کرنے کے بعد رکھا تھا میں نے گردن گھما کر میز کی طرف دیکھا اس پر گلدستہ موجود تھا۔ گلدستہ کو دیکھتے ہوئے مجھے وہ چمگادڑ یاد آگئی۔ پہلے دن کے بعد سے وہ چمگادڑ دوبارہ دکھائی نہیں دی تھی۔

باقی تو سب کچھ تقریباً نارمل ہی تھا۔ بس والدہ روزانہ شکایت کرتیں کہ چیزیں اپنی جگہ سے ادھر ادھر ہو جاتی ہیں دروازے خود بخود کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے گھر میں جو پالتو بلی تھی وہ کئی دنوں سے اچانک کہیں چلی گئی تھی پھر والد صاحب نے بھی شکایت کی کہ گھر میں عجیب سی ناگوار بو آنے لگی ہے کسی وقت شدت اختیار کرلیتی ہے اور کسی وقت بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔

میں نے ان سب باتوں کو سنا ضرور مگر کوئی نوٹس نہیں لیا۔ کیونکہ اب تک کے حالات سے آگاہی تو مجھے ہو ہی گئی تھی کہ یہ سارا معاملہ جنات یا بھوت پریت سے متعلق تھا۔ ایسے میں اس طرح کی باتوں کا پیش آنا کوئی غیر معمولی بات تو نہ تھی۔ بس مقام شکر یہ تھا کہ اب تک کسی قسم کا مالی یا جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔

سونے سے قبل میں نے فیصلہ کیا کہ میں کل ایک مرتبہ پھر مقتول کے گھر کا چکر لگاؤں گا ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی چیز جو میری نظروں میں آنے سے رہ گئی ہو۔ اس تصویر اور پھولوں کے گلدستے کا راز کھول دے۔

☆.....☆.....☆

کمرے کی ہر چیز پر گرد کی ہلکی سی تہہ بتا رہی تھی کہ یہ کمرہ بہت دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ میں نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہوکر ادھر ادھر دیکھا مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کمرے میں میرے علاوہ بھی کوئی جاندار موجود ہو۔

میں نے پستول پر گرفت مضبوط کی اور چوکنا ہوکر کھڑا ہوگیا۔ یہ ایک غیر ارادی حرکت تھی۔ ورنہ اتنا شعور تو بہرحال میں بھی رکھتا تھا کہ جن بھوت گولیوں سے نہیں مرتے مجھے اپنی پشت پر ریشمی لباس کی سرسراہٹ محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی میں تیزی سے پلٹا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا چند لمحوں بعد میری گردن پر سے کسی کی گرم سانسیں ٹکرائیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود میرے ماتھے پر خوف سے پسینہ آگیا۔ دشمن سامنے موجود ہو تو بندہ اس سے مقابلے کی فکر کرتا ہے لیکن نادیدہ دشمن سے انسان خوفزدہ ہونے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔ سو میں بھی خوفزدہ ہوگیا میرا دل چاہا کہ میں بھاگ کر کمرے سے باہر نکل جاؤں مگر میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اپنی اس خواہش پر قابو پالیا۔

اسی دوران میری نظر اس جگہ پڑی جہاں سے میں تصویر اتار کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں ایک ہک نظر آرہا تھا میں بے خیالی میں اسے دیکھنے لگا لیکن اچانک مجھے احساس ہوا کہ ہک صرف ٹانگنے کو نہیں لگایا گیا تھا بلکہ اس کا کوئی اور مصرف بھی تھا میں اس کے قریب چلا گیا۔

ہک لوہے کا تھا میں کرسی نیچے رکھ کر اوپر چڑھ گیا ہک کو ادھر ادھر حرکت دے کر دیکھا بظاہر یہ ایک بے معنی حرکت تھی مگر اس کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا کمرے کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا ڈھکن اوپر اٹھ گیا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر کرسی سے اترا اور بھاگ کر اس اٹھی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ وہاں سے نیچے جاتا لکڑی کا زینہ صاف نظر آرہا تھا نیچے تہہ خانہ تھا۔

بنا سوچے سمجھے میں تہہ خانے میں اتر گیا۔ موبائل کی چھوٹی ٹارچ جلا کر میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ وہ ایک تنگ سا کمرہ تھا۔ جس کے ایک طرف ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔ اس میں ایسی چیزیں پڑی تھیں جیسی عموماً جادوگروں کے پاس ہوتی ہیں۔ ایک انسانی کھوپڑی اور ہڈیاں بھی پڑی تھیں جیسی موت کا نشان بناتے ہوئے دکھائی جاتی ہیں۔

مجھ پر یہ حقیقت پہلی بار آشکار ہوئی کہ مقتول کا جادو وغیرہ سے بھی تعلق تھا اور وہ اپنے اس مقصد کے لئے اس خفیہ تہہ خانے کو استعمال کرتا تھا۔ میں نے تہہ خانے کی اچھی طرح تلاشی لی مگر کچھ اور حاصل نہ کرسکا۔ اب وہاں رکنا بے کار تھا چنانچہ میں واپس آگیا۔

☆.....☆.....☆

رات کا کھانا کھا کر ہم سب گھر والے کچھ دیر ایک دوسرے کے ساتھ گپ شپ کرتے رہے۔ پھر میں اٹھ گیا مجھے ایک کیس کی فائل کا مطالعہ کرنا تھا۔ چنانچہ میں کمرے میں آگیا۔ میز پر سے فائل اٹھاتے ہوئے میری نظر اس منحوس گلدستہ پر پڑ گئی۔ گلاب کے پھولوں میں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ مگر میں بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ میری ہر طرح کی کوشش کے باوجود گلدستہ اسی طرح میری میز پر موجود تھا وہ خود بخود واپس آجاتا تھا۔

میرا موڈ خراب ہوچکا تھا خون ٹپکنے کے منظر نے مجھے خوفزدہ کرنے کے بجائے مجھے ناراض کردیا تھا۔ میں بیڈ پر بیٹھ گیا لڑکی کی تصویر میرے بالکل سامنے تھی، میں نے دیکھا لڑکی مسکرائی تھی۔ اس گھر میں آنے کے بعد یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ میں ایک دم کھڑا ہوگیا میرے منہ سے نکل گیا۔

"کیا مصیبت ہوتم؟" اگلے ہی لمحے میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ کیونکہ تصویر والی لڑکی نہ صرف غضبناک نظر آنے لگی تھی بلکہ اس کے خوبصورت لب ہلے۔

"میں اگر مصیبت تھی تو مجھے حمید کے گھر سے کیوں لائے تھے وہیں چھوڑ آؤ۔"

ایک تصویر کو باتیں کرتا دیکھ کر میں بھونچکا رہ گیا۔ لڑکی میری حالت دیکھ کر مسکرائی۔ اگرچہ بہت غیر معمولی بات تھی مگر میں نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ لڑکی قتل کا معمہ حل کرسکتی ہے۔ میں نے تیزی سے پوچھا۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دوگی؟" تصویر کے ہونٹ ہلے اور کمرے میں ایک مترنم نسوانی آواز ابھری.....

"بالکل کرو باتیں، حمید بھی تو کرتا تھا۔"

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے جلدی سے اپنے دماغ میں کلبلاتا سب سے اہم سوال داغ دیا۔

"تم اصل میں کون ہو؟ اور باتیں کیسے کرتی ہو۔ حمید کو کس نے اور کیسے قتل کیا ہے۔"

تصویر کھلکھلا کر ہنسی پھر بولی۔

"میں وہاں سے شروع کرتی ہوں جب میری حمید

سے شادی ہوئی مجھے تو تم دیکھ ہی چکے ہو حمید کو بھی دیکھ لیا ہوگا۔ میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ مگر میری ماں پر حمید کے باپ نے بہت احسان کئے تھے اور بیوگی کے بعد اس کا بہت خیال رکھا تھا ماں نے حمید کے باپ کی بات نہ ٹالی اور میری شادی اس سے کردی۔ وہ مجھے یہاں لے آیا۔ مگر میں اس کے ساتھ نبھا نہیں کرپا رہی تھی۔ اس کی معمولی سی شخصیت مجھے اپنے سامنے ہیچ محسوس ہوتی تھی۔ اس گھر میں جھگڑا رہنے لگا۔ میں روٹھ کر میکے چلی گئی حمید نے منانے کی کوشش کی مگر بات نہ بن سکی۔ حمید نے مجھے منانے کے لئے جادو ٹونے کا سہارا لیا۔ میں خدا کی مرضی سے اچانک بیمار ہوکر مرگئی تو حمید یہ صدمہ برداشت نہ کرسکا۔ اس نے ایک عامل سے جادو سیکھ کر ایک لمبا چلہ کاٹا۔ اس طرح میں پھر سے اس دنیا میں آنے کے قابل ہوگئی مگر ایک روح کی صورت میں..... حمید نے اپنے جادو کے ذریعے مجھے اپنا پابند بنالیا اور میں مہینے میں ایک رات اس کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ مجھ سے باتیں کرتا۔ اگرچہ مجھے اس کی سچی محبت پر یقین آگیا تھا مگر اس طرح پابند ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اور میں اس وقت تک آزاد نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ اس تصویر کو اماوس کی رات جلا نہ دیا جائے۔ مگر ایسا کون کرے گا؟"

اتنا بول کر وہ افسردہ سی ہوگئی مجھے بھی افسوس ہوا مگر اس بات پر کہ میں پچھلے مہینے اس سے باتیں کیوں نہ کرسکا، ورنہ اب تک تو یہ معاملہ کب کا حل ہوچکا ہوتا۔ میں نے پھر کہا۔

"لیکن میرے باقی سوالوں کا جواب ابھی باقی ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں میں جانتی ہوں کہ تم حمید کے قتل کا شک مجھ پر کررہے ہو۔ مگر بتادوں کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ نہ میرے پاس اتنی طاقت ہے۔ اسے اس چڑیل نے قتل کیا ہے جسے تم چمگادڑ کے روپ میں اپنے کمرے میں دیکھ چکے ہو۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے اور کیوں آئی ہے مگر حمید کو بھی اسی طرح پھولوں کا گلدستہ ملا تھا اور پھر چاند کی تین تاریخ کو اس چڑیل نے پہلے اس کا خون پیا پھر دل اور کلیجہ نکال کر کھا گئی۔ ہوشیار ہوجاؤ۔ آج شاید تمہاری باری ہے کیونکہ آج بھی چاند کی تین تاریخ ہے۔"

ان انکشافات نے میری عقل سلب کرلی تھی۔ میں نے کیلنڈر کی جانب دیکھا۔ واقعی آج چاند کی تین تاریخ تھی۔ میں گومگوں کی کیفیت میں خاموش کھڑا تھا کہ باہر سے کمرے کے دروازے پر زبردست دھکا پڑا۔ میں چونک گیا تصویر کے لب تیزی سے ہلے۔ وہ چلائی.....

"ہوش میں آؤ۔ کچھ کرو۔ وہ آگئی ہے۔ اگر تم نے ہمت کا مظاہرہ نہ کیا تو وہ تمہیں بھی مار ڈالے گی۔"

اس کے الفاظ نے میرے اندر گویا بجلیاں بھر دیں میں نے لپک کر اپنا ریوالور الماری سے نکال لیا۔ اس کے ساتھ ایک خنجر اور لائٹر پڑا تھا میں نے انہیں بھی اٹھالیا۔ ایک چڑیل سے مقابلہ کرنے کے لئے جانے مجھے کس ہتھیار کی ضرورت پڑ جاتی۔

ابھی میں پلٹا ہی تھا کہ مجھے ساتھ والے کمرے سے اپنے بھائی کی دلدوز چیخوں کی آواز سنائی دی۔ ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں مجھے پتہ چل گیا کہ چڑیل نے میرے بجائے میرے بھائی کو مار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میرے اندر آگ بھڑک اٹھی اور میں تمام ڈر و خوف بھول گیا۔ اپنا چھوٹا بھائی مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

میں نے زقند بھری اور دروازہ کھول کر ایک منٹ میں بھائی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی میں نے دیکھا کہ ایک بہت جسیم چمگادڑ میرے بھائی کے جسم سے لپٹی ہوئی ہے۔ اس کا جسم اتنا بڑا تھا کہ میرا بھائی اس کے نیچے چھپ گیا تھا۔ وہ میرے بھائی کا خون پی رہی تھی۔ اس کے دانت میرے بھائی کی شہ رگ میں پیوست تھے۔ میں نے فوراً ایسے رخ سے گولی ماری کہ وہ میرے بھائی کو زخمی نہ کرسکے۔ چمگادڑ کے جسم نے جھٹکا تو کھایا مگر اس نے میرے بھائی کو نہ چھوڑا۔

جس جگہ اسے گولی لگی تھی وہاں سے اب گاڑھا سیاہ سیال ابل کر باہر گر رہا تھا۔ بھائی کی چیخیں اور فائر کی آواز سن کر میرے والدین بھی بھاگے بھاگے وہاں آگئے۔ ایک چمگادڑ کو اپنے بیٹے کا خون پیتے دیکھ کر میری والدہ تو بے ہوش ہوگئیں اور میرے والد ویسے ہی کھڑے رہ گئے۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے پاس انہیں دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ مجھے ہر قیمت پر اپنے بھائی کو مرنے سے بچانا تھا۔

اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر میں نے تیزی سے دو تین فائر اور داغ دیئے۔ چمگادڑ نے میرے بھائی کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ ساکت پڑا رہا۔ میں صدمے سے پاگل ہوگیا، میرے والد بھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔ میں نے دھاڑ کر کہا۔

"تم نے میرے بھائی کو مار کر اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں ایک عبرت ناک موت ماروں گا۔" اس کے ساتھ ہی میں نے ٹریگر دبا دیا۔ سارا چیمبر اس پر خالی کر کے میں نے ریوالور بھی اسے دے مارا۔ وہ عجیب سی کریہہ آواز نکالتی ہوئی زمین پر پڑی رہی۔ پھر ایک دم سیدھی ہوئی اس کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہونے والی ہے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے اتنی گولیاں لگنے کے باوجود کچھ نہیں ہوا تھا۔ بس اس کے غلیظ بدن سے سیاہ مواد نکل نکل کر فرش پر پھیل رہا تھا۔ کمرے میں ایک انتہائی ناگوار بدبو پھیل چکی تھی۔ چمگادڑ نے اپنے پر پھیلائے اور مجھ پر جھپٹی۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ میں جھکائی دے کر اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے تیزی سے خنجر کھینچا مگر لائٹر بھی ساتھ ہی آ گیا۔

جیسے ہی وہ میرے قریب آئی میں نے خنجر کا بھرپور وار اس کی گردن پر کیا۔ خنجر اس کی گردن میں پیوست ہوگیا تھا۔ وہ ایک کریہہ چیخ مار کر پلٹ گئی۔ ایک منٹ تک فضا میں معلق رہنے کے بعد وہ پھر سے حملہ آور ہوئی، خنجر میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اور میں خالی ہاتھ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا، میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لائٹر جلا لیا۔ اور ایک رومال کو آگ لگا دی۔ جب وہ اپنا بڑا سا منہ کھولے میرے قریب آئی تو میں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر جلتا ہوا رومال اس کے بھاڑ جیسے کھلے ہوئے منہ میں اچھال دیا اور خود چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر جا گرا۔ چمگادڑ نما چڑیل بھی میرے پیچھے ہی تھی۔ میں سنبھل کر کھڑا ہوگیا میرا خیال تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کرے گی مگر وہ منحوس آوازیں نکالتی ہوئی مجھ سے کچھ فاصلے پر صحن میں گر گئی۔

اس کا منہ میری طرف تھا۔ تب پہلی مرتبہ مجھے اس کا جلتا ہوا منہ نظر آیا۔ رومال کے شعلے نے اسے آگ لگا دی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا سارا جسم آگ پکڑ چکا تھا۔ کچھ دیر تک صحن میں اس کی خوفناک چیخیں گونجتی رہیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ اب وہاں راکھ کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بھاگ کر کمرے میں گیا۔ اپنے والدین کو بے ہوش ہوتے میں دیکھ چکا تھا اس لئے سیدھا اپنے بھائی کے پاس گیا میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا۔ ابھی بہت دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن بحال تھی۔ میں نے بھاگ کر موبائل اٹھایا اور ایمبولینس کو کال کر دی۔ اور اپنے تینوں پیاروں کو لے کر ہسپتال پہنچ گیا۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں نے میرے بھائی کی جان بچا لی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں پھر سے جی اٹھا ہوں۔

☆.....☆.....☆

"اچھا خدا حافظ! میں تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتا۔ اگرچہ تم سے بہت انس ہوگیا ہے مگر تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا۔ آج اماوس کی رات ہے۔ میں تمہیں حمید کی قید سے رہائی دلا دوں گا۔"

میری بات سن کر تصویر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ صرف چاند کی تین تاریخ کو ہی بول سکتی تھی۔ میں نے افسردہ نظروں سے اس حسین تصویر کو دیکھا اور پھر اسے لے کر کچن میں چلا گیا۔ میں نے چولہا جلایا اور تصویر کو شعلوں پر رکھ دیا۔ تصویر دھڑ ادھڑ جلنے لگی۔ میرے اردگرد سسکیاں ابھرنے لگیں میں نم آنکھوں سے جلتی تصویر کو راکھ میں تبدیل ہوتے دیکھتا رہا۔ ابھی مجھے حمید کے قتل کی فائل کو بھی داخل دفتر کرنا تھا کیونکہ جن واقعات کا مجھے علم ہوا تھا قانون انہیں تسلیم نہیں کرتا۔ اور مجھے یہ معمہ حل کر لینے کے باوجود بھی اسے اپنی ناکامی کے ساتھ داخل دفتر کرنا تھا۔ میں تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

حسین بدروح

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

کیا یہ حقیقت ہے کہ بدروحیں شتر بے مہار پھرتی ہیں انہیں جوان خون زیادہ مرغوب ہوتا ہے، وہ اکثر چاندنی راتوں میں نکلتی ہیں اور کڑیل جوان کو لبھا کر خون چوس لیتی ہیں۔

خراماں خراماں دل کو سرور سے سرشار کرتی.....ایک دلکش دلفریب اور حیران کن تحریر

حسین چاندنی راتیں ہم دونوں کو بہت بھاتی ہیں۔ ہم نے کمرے کی بجلی گل کر دی اور رات کی خاموشی سے لطف اندوز ہونے کے لئے برآمدے میں آن بیٹھے ایسی ہی راتوں کے حسن کا ذکر آیا تو میں نے کہا۔

"تم چاندنی کے حسن کی باتیں کر رہی ہو اور میں اس کے فسوں کی۔ ایک ایسے جادو کی جو دل اور دماغ کو مسحور کر دیتا ہے کہ انسان کو نہ اپنی حرکات پر قابو رہتا ہے اور نہ سکنات پر۔ اس رات کو بھی ویرانے میں میرے ساتھ یہی ہوا۔ سننا چاہتی ہو کہ کیا ہوا تھا؟"

"ہاں....." میری بیوی نے جواب دیا۔

"پر ساتھ ہی ایک شرط ہے۔ وعدہ کرو بیچ میں نہیں بولو گی۔" میں نے شرط لگائی۔

"وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چہرہ سے لگ رہا تھا کہ جیسے آج کی رات وہ بھی مضطرب ہے۔ ہماری شادی کو تقریباً دس سال ہو رہے تھے۔ ان دس برسوں میں کسی دن بھی میں نے اسے اس قدر مضطرب نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ بھی میری طرح چاندنی رات کے اس پراسرار جادو کا شکار تھی۔ میں نے پل بھر کے لئے اپنی بیوی کے حسین چہرہ کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لی۔

''سناؤ کیا ہوا تھا اس رات کو؟'' اس نے مجھے خاموش دیکھا تو بولی۔

''اس بات کو ایک زمانہ گزر گیا۔'' میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہانی شروع کی۔

''میں اس زمانے میں حیدرآباد میں تھا اور ہمارا فوجی کیمپ ایک ویران سے علاقے کے قریب تھا۔ ایک طرف تو حسین نیلی جھیل تھی اور دوسری طرف پراسرار پہاڑیوں کا سلسلہ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ کبھی بدروحوں، بھوتوں اور چڑیلوں کا مسکن تھا۔ سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ان پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹی پر ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی تھی جہاں وہ اکثر عبادت کیا کرتا۔ کہتے ہیں کئی سال کے بعد اسی مسجد میں کسی بزرگ نے چلہ کھینچا تھا اور چالیس دن تک عبادت کی تھی جس کے بعد یہ علاقہ بدروحوں سے پاک ہوگیا۔ مجھے یہاں کا گنگناتا ہوا پراسرار سکوت بے حد پسند تھا۔ جب بھی فرصت ملتی میں ان پہاڑوں کی سیر کو ضرور جاتا۔ میرے اردلی شاہد کو یہ بات بالکل پسند نہیں تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا۔ ''خدا کے لئے اکیلے نہ جایئے صاحب۔ یہ علاقہ جوان آدمیوں کے لئے بالکل اچھا نہیں۔''

''کیوں.....؟'' ان کے لئے بطور خاص کیوں خطرہ ہے وہاں؟'' میں پوچھتا۔

''وہاں بدروحیں پھرتی رہتی ہیں صاحب انہیں جوان انسانوں کا گرم گرم خون بے حد پسند ہے۔ گردن سے چپک کر خون چوس لیتی ہیں کمبخت!'' وہ جواب دیتا۔

''میں تو صرف چاندنی راتوں میں جاتا ہوں۔''

میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا۔

''یہ تو اور بھی خطرناک بات ہے صاحب!'' وہ کہتا۔

''کیوں؟ کیا چاندنی راتوں میں ان کے یہاں دعوت ہوتی ہے؟'' میں شرارت سے پوچھتا۔

''جی بالکل..... سنا ہے چودھویں کی رات کو ہر ماہ ان کی پیاس بہت بڑھ جاتی ہے!''

وہ مجھے ڈرانے کی کوشش کرتا۔ ''خصوصاً اگر وہ رات جمعرات کی ہو تو!''

میں نے شاہد کی ایسی باتوں کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ لیکن جب ایسی ہی باتیں میں نے وہاں کے دوسرے مقامی باشندوں کی زبانی سنیں تو میری دلچسپی بڑھ گئی۔ سوچا کسی دن جا کر اس مسجد کی زیارت کرنی چاہیے۔ میں نے اس کا ذکر شاہد سے کیا تو اس نے خالص سندھی لہجے میں کہا۔ ''توبہ..... توبہ..... وہاں تک کون جا سکتا ہے صاحب۔ راستے میں ایک فقیر کی کٹیا ہے۔ اس جھونپڑی تک جو بھی گیا، لوٹ کر کبھی نہیں آیا۔ میرے بابا کہا کرتے تھے جن کا ستارہ بھاری ہے صرف وہی جانے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بدروحیں انہیں آسانی سے ہڑپ نہیں کر سکتیں!''

اس پر مجھے شرارت سوجھی۔ ''میرا ستارہ بہت ہی بھاری ہے شاہد۔ تقریباً دس من!''

''پھر تو آپ جا سکتے ہیں صاحب۔ کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک ہاتھ دھو کر کوئی آپ کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ اس کے لئے بھی کم از کم دس سال لگتے ہیں۔'' اس کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

''دس سال کیوں شاہد؟'' میں نے پوچھا۔

''سنا ہے ہر دسویں سال ان بدروحوں کی پیاس ابھرتی ہے۔ کسی کا ستارہ بھاری ہو تو دس سال تک وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر دسواں سال گزر گیا تو پھر اور دس سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے بابا نے بتائی تھیں صاحب ..... وہ بڑے عالم تھے۔ اللہ بخشے ہمیشہ ایک آدھ جن ان کے قبضے میں ضرور رہتا تھا۔ ان کے نام ہی سے بدروحیں دور بھاگتی تھیں! عاشق بدروحیں تو ایک منٹ بھی ان کے سامنے نہیں ٹک سکتی تھیں۔''

اب کے بدروحوں کے کردار کا ایک نیا پہلو میرے سامنے آیا تھا۔ ''عاشق بدروحیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں صاحب..... آخر ان کا بھی دل ہوتا ہے۔ وہ بھی انسانوں کی طرح کسی پر عاشق ہو سکتی ہیں۔ یہ جو خون چوستی ہیں یہ کیا ہے؟ اپنے عشق کی پیاس بجھانے کی ایک ترکیب ہی تو ہے۔ اسی لئے تو وہ صرف جوانوں کا خون چوستی ہیں۔ خدا آپ کو نظر بد سے بچائے۔ آپ تو کڑیل جوان ہیں۔ آپ کو تو اس ویرانے کی طرف ہرگز نہیں جانا چاہیے!'' وہ ایسی ہی احمقانہ باتیں کرتا گیا اور میں کافی کی پیالی ہاتھ میں لئے اس سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے بعد میں کاموں میں کچھ اس قدر الجھا کہ سیر و تفریح کا موقع ہی نہیں ملا۔

اسی دوران میں شاہ لطیف بھٹائی کا یوم پیدائش آ گیا۔ سارے سندھ میں تعطیل تھی۔ تمام فوجی افسر شہر چلے گئے تھے اور کیمپ میں، میں تنہا رہ گیا تھا۔ اس دن شام کو میں حسب معمول ہاتھ میں چھڑی لئے سیر کو نکلا تو یکایک مجھے یاد آیا کہ آج جمعرات ہے آسمان کی طرف دیکھا تو بڑا حسین چاند نظر آیا جو افق سے قریب ایک گولے کی شکل میں جھانک کر دنیا والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شاہد کی باتیں بھی یاد آ گئیں، پل بھر کے لئے گھبراہٹ سی ہوئی۔ پھر سوچا کیا فضول باتیں ہیں یہ۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بدروحوں کی باتیں احمقانہ ہی تو تھیں۔ میں نے آج کی رات محمد بن قاسم کی مسجد تک جانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ ابھی خاصی روشنی تھی۔

میں پہاڑی راستوں سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ میں نے دوبارہ گھر کی راہ لی اور وہاں سے ٹارچ اور پستول لے کر اس راستے پر ہو لیا جو پہاڑوں کے درمیان بل کھاتا ہوا خدا جانے کہاں تک جاتا تھا۔ دن کے وقت میں نے یہاں اکثر ننگ دھڑنگ سیاہ فام دیہاتی لڑکوں کو دیکھا تھا جو بکریاں چرایا کرتے تھے۔

چاروں طرف سناٹا تھا اور دور دور تک کسی انسان یا جانور کا پتہ نہ تھا۔ خدا جانے میں کب تک چلتا رہا۔ شام کا دھندلکا چپکے سے غائب ہوگیا اور روشن چاند پہاڑی چوٹیوں میں سے ابھر کر میرے عین سامنے آ گیا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ خوشگوار ہوائیں تو چلتی رہتی تھی لیکن وہ بھی خدا جانے کیوں آج خاموش تھی۔ چلتے چلتے ایک ٹیلے کے پاس مڑ کر کھلے علاقے میں پہنچا تو مجھے یکایک سامنے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر میرے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ وہ بڑی خراب حالت میں تھی۔ دروازہ ٹوٹ کر ایک طرف لٹک گیا تھا اور چھت بھی جگہ جگہ سے بیٹھ گئی تھی۔ میں چند قدم آگے بڑھا تو یکایک آہٹ سن کر آپ ہی آپ میرا ہاتھ پستول تک گیا لیکن میں رکا نہیں اور اسی طرح آہستہ آہستہ جھونپڑی کی طرف بڑھا۔

جھونپڑی کے قریب پہنچتے ہی اچانک کوئی اس میں سے نکلا اور تیر کی طرح میری طرف لپکا۔ میں نے چونک کر دیکھا تو وہ ایک جوان لڑکی تھی۔ وہ تیزی سے میری طرف آئی اور مجھ سے لپٹ گئی اور گھبرا کر کہا۔

''مجھے بچاؤ..... ان درندوں سے بچاؤ۔''

شاہد کی باتیں سننے کے بعد جو ردعمل ہونا تھا وہ یہ تھا کہ میں اس سے جان چھڑا کر تیزی سے الٹے پاؤں بھاگتا کیونکہ وہ یقیناً کوئی بدروح تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ جولڑکی میرے سینے سے لگی حفاظت کی درخواست کر رہی تھی وہ گوشت پوست کی بنی ہوئی تھی اور یقیناً جوان تھی اور جدید طرز کے بلاؤز اور ساڑی میں تھی۔ جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوشبو اس نے استعمال کی تھی وہ بھی بھینی بھینی تھی اور مجھے مست کئے دے رہی تھی۔

مجھے اپنے ہوش اور حواس پر قابو پانے میں چند لمحے لگے۔ میں نے اس کے دونوں شانے تھام کر اسے اپنے سے علیحدہ کیا تو چاندنی میں اس کا چہرہ مجھے صاف نظر آنے لگا..... گول چہرہ بڑی بڑی آنکھیں اور جھکی جھکی پلکیں جو آنسوؤں سے تر تھیں۔ بھرے گال، خوب گورا رنگ، دلکش جاذب نظر گداز جسم اور شانوں تک کٹے ہوئے جدید طرز کے بال، جس کی ایک باغی لٹ اس کے حسین اور سوگوار چہرہ پر آ گئی تھی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بدروح کیسے ہوسکتی تھی؟ لیکن وہ کون تھی اور اس ویرانے میں کیا کر رہی تھی؟ ''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ درندے؟ کہاں ہیں وہ؟'' میں نے پوچھا۔

''اس طرف گئے ہیں۔ انہوں نے میرے پورے کنبہ کو مار ڈالا۔'' اس نے سہمی سہمی آواز میں جواب دیا۔

یہ سنتے ہی میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس نے اشارے سے بلندیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ غالباً وہ پہاڑ کی دوسری طرف چلے گئے تھے جہاں سے کچھ دور وہ سڑک تھی جو لطیف آباد کو جاتی تھی۔ شاید بدمعاش آئے بھی اسی طرف سے تھے کیونکہ اگر پہاڑی کی طرف سے آتے تو مجھ سے یا کسی دوسرے فوجی جوان سے ضرور مڈبھیڑ ہوتی۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا۔

''وہ تو مجھے بھی مار ڈالتے لیکن پہلے ہی حملہ پر میں چکرا کر یوں گری جیسے زخمی ہوگئی ہوں۔ پر انہوں نے میرے والد، والدہ، جوان بھائی اور بہن سب کو مار ڈالا۔ ہائے اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟'' یہ کہتے ہوئے وہ دھیرے، دھیرے رونے لگی۔

میں نے اسے وہیں چھوڑ کر حالات کا جائزہ لینے کے لئے آگے بڑھنے کی ٹھانی۔ میں دبے پاؤں جھونپڑی کے دروازہ تک پہنچا۔ چاروں طرف سوکھے پتے بکھرے پڑے تھے اور ان پر سے گزرتے ہوئے میرے جوتے عجیب شور مچا رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں ان کا یہ شور مجھے ڈراؤنا لگا۔ میں نے دروازہ پر رک کر ٹارچ روشن کی تو میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

چاروں طرف خون ہی خون تھا۔ تازہ خون..... اور اس میں نہائی ہوئی چار لاشیں پڑی تھیں۔ دو مردوں کی اور دو عورتوں کی سب کی گردنیں کٹی ہوئی تھیں جیسے کسی نے انہیں بڑی بے دردی سے ذبح کر دیا ہو۔

میں مبہوت کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ جب مجھے اس لڑکی کی آواز سنائی دی تو میں چونک گیا۔ خدا جانے کب وہ چپکے سے میرے قریب آ گئی تھی اور اس نے میرا بازو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

''ہائے ابا..... ہائے امی.....!'' ایک بار پھر رونے لگی۔ مجھ سے وہاں ٹھہرا نہ گیا اور میں اسے سہارا دے کر باہر لے آیا، جہاں بڑی پرسکون چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔

''آپ لوگ یہاں آئے ہی کیوں؟'' میں نے پوچھا۔ ''سیر کو آئے تھے۔ راستہ بھٹک گئے۔ شام ہوگئی تو ہم نے اس جھونپڑی میں پناہ لی۔ اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ درندے تاک میں بیٹھے ہیں۔ نہ جانے مجھے کیوں بخش دیا۔ مجھے بھی مار ڈالتے۔ ہائے اب میں کہاں جاؤں۔ میرا تو دنیا میں کوئی نہیں۔'' اس کی سسکیوں کی آواز مجھے پاگل کئے دے رہی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ نو بج گئے تھے۔ اس کے ساتھ یہاں ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔

میں نے اسے اپنے ساتھ کیمپ لے جانے کی ٹھانی۔ پولیس کو بھی فوراً اطلاع دینی تھی۔ میں اسے لے کر کیمپ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں وہ کانپنے لگی جیسے اسے سردی لگ رہی ہو۔ میں نے اپنا کوٹ اتار کر اسے دیا جسے اس نے شکریہ کے ساتھ لے لیا اور پہن لیا اور پھر وہ میرا ہاتھ تھامے چلنے لگی اور ایک بار پھر اس کی پراسرار بھینی بھینی خوشبو نے میرے دل اور دماغ پر جادو سا کر دیا اور معاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کوئی حسین

خواب دیکھ رہا ہوں..... یہ حسن، یہ صحت مند سڈول جسم، دھند میں لپٹا، یہ پراسرار ماحول..... یہ سب خوابوں ہی میں ممکن تھا۔

میں نے آج تک اس سے زیادہ حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ نہ برصغیر میں اور نہ یورپ میں جہاں جنگ عظیم کے دوران میں نے بڑی خاک چھانی تھی۔

چلتے چلتے تھک کر وہ کبھی کبھی دم لینے کے لئے رکتی اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر میرے شانے سے سر ٹکا دیتی اور اس کے جسم کا پرکیف لطیف لمس مجھ میں بجلیاں سی بھر دیتا۔ وہ اس انجانے راستے پر عجیب طرح سے چل رہی تھی۔ جیسے پیدل چلنے کی عادی نہ ہو۔ قدم قدم پر مجھے اسے سہارا دینا پڑتا اور ہر بار یوں لگتا جیسے ضبط کا دامن مجھ سے چھوٹ جائے گا۔

خدا جانے کب تک میں اپنے خیالوں میں کھوئے کیمپ کی طرف چلتا رہا۔ زمان اور مکان کا احساس جاتا رہا تھا اور مجھے صرف یہ یاد تھا کہ ایک نہایت حسین ہم سفر میری حفاظت میں ہے۔

چلتے چلتے یکا یک وہ رک نہ جاتی اور میرے بازو پر اس کی گرفت مضبوط نہ ہوجاتی تو میں یوں ہی حسین خوابوں میں بھٹکتا رہتا۔ وہ جوں ہی رکی میں ہوش میں آ گیا۔

''ادھر دیکھئے۔'' اس نے گھبرا کر آہستہ سے کہا اور ایک اونچے پہاڑی ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جو ہمارے دائیں طرف تھا۔ میں نے فوراً پستول نکال لیا اور غور سے دیکھا تو اس پر مجھے ایک سایہ نظر آیا۔ چونکہ چاند اس کی پشت پر تھا اس لئے مجھے اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھیں۔

میں نے اس لڑکی کو آہستہ سے اپنے پیچھے کر لیا اور چیخ کر پوچھا۔ ''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میری آواز اس ویرانے میں گونجی اور پھر تھرا کر فضا میں تحلیل ہوگئی۔ اس کے بعد ایک قہقہہ بلند ہوا۔ جیسے پہاڑی پر سے وہ شخص ہماری بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہو۔ فوجی نقطہ نظر سے وہ ہم سے زیادہ بہتر مورچہ پر تھا اور ہم دونوں اس کی گولیوں کی زد میں تھے۔

میں نے ادھر ادھر بچاؤ کے لئے دیکھا تو مجھے اپنی بائیں طرف ایک بڑا ٹیلہ نظر آیا۔ وہاں تک کسی طرح پہنچ سکتے تو دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔

''جلدی سے بھاگ چلئے۔'' لڑکی نے آہستہ سے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

''نہیں آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے اس ٹیلے کی طرف چلو۔'' میں نے جواب دیا اور دشمن پر نظریں جمائے آہستہ آہستہ بائیں طرف ہٹنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم وہاں تک پہنچ سکتے یکا یک اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ پہلی گولی اس لڑکی کے لگی اور وہ چیخ مار کر نیچے گری۔ مجھ پر گویا خون سوار ہوگیا اور میں نے بھی اندھا دھند گولیاں چلانی شروع کیں۔ اس کے پاس رائفل تھی اور میرے پاس پستول۔ مجھے بھی غالباً کئی گولیاں لگیں اور میں چند لمحوں کے بعد چکرا کر گرا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی گہرے سمندر میں ڈوب رہا ہوں۔ میرا بھاری جسم نیچے بہت نیچے خاموش، گہرائیوں کی طرف تیزی سے جا رہا ہے اور میں اس قدر بے بس ہوں کہ ہاتھ پاؤں مار ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہوگیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو اس وقت بھی میں ویرانے ہی میں تھا۔ لیکن آسمان پر عین میرے سامنے چاند کی جگہ سورج جگمگا رہا تھا اور شاہد مجھے سہارا دے کر اٹھا رہا تھا۔

''ذرا احتیاط سے شاہد..... کئی گولیاں لگی ہیں!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''گولیاں؟ کہاں؟'' شاہد نے گھبرا کر پوچھا۔ پھر اس نے مجھے ادھر ادھر سے دیکھنے کے بعد کہا۔ ''ارے نہیں صاحب۔ آپ تو ماشاءاللہ بالکل فٹ ہیں۔ آپ کو تو خراش بھی نہیں آئی۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' یہ کہتے ہوئے میں فوراً اٹھا اور دیکھا تو واقعی میرے ہاتھ پاؤں بالکل ٹھیک تھے۔ ''لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کل رات تو مجھ پر ان گنت گولیاں برسائی گئی تھیں۔'' یہ کہتے ہوئے یکا یک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے اس لڑکی کا خیال آ گیا۔ ”وہ کہاں ہے.....؟ وہ لڑکی؟“ میں نے پوچھا۔

”کون لڑکی.....؟“ اب کے لیفٹیننٹ خالد نے پوچھا۔ ”یہاں تو دور دور تک کوئی لڑکی وڑکی نہیں ہے سر! مجھے تو شاہد نے شہر سے آ کر بتایا کہ آپ کل رات سے غائب ہیں۔ اس پر ہم سب آپ کی تلاش میں نکلے۔ گھنٹہ بھر کی تلاش کے بعد آپ ہمیں یہاں ملے۔“

”آپ تو یہاں ہاتھ کا تکیہ بنائے آرام سے سو رہے تھے!“ شاہد نے اطلاع کیا۔ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے وہ خاصا پریشان ہو۔ ”آپ یہاں آئے ہی کیوں صاحب؟ کل جمعرات بھی تھی اور چاند کی چودہ تاریخ بھی!“

میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر اس پراسرار منحوس جھونپڑی کی تلاش میں گیا جہاں میں نے کل رات چار لاشیں دیکھی تھیں۔ خاصی دیر کے بعد ہمیں وہ جھونپڑی ملی لیکن وہاں نہ خون تھا اور نہ لاشیں تھیں یوں لگتا تھا جیسے برسہا برس تک یہاں سے کسی انسان کا گزر نہ ہو۔ لڑکی کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔

اس دن زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے ماتحت افسروں اور جوانوں کے سامنے خفت اٹھانی پڑی۔ ان لوگوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن ان کی آنکھوں اور ہر ادا سے لگتا تھا جیسے انہیں یقین ہو کہ رات میں نے بہت پی لی تھی اور نشے میں دھت اس ویرانے میں نکل آیا تھا۔

اب میں انہیں کیسے بتاتا کہ واقعی میرے ساتھ کل رات بڑے عجیب واقعات پیش آئے تھے۔ اس کا ایک واضح ثبوت میرے کوٹ میں بسی ہوئی وہ عجیب سی خوشبو تھی جو اس پراسرار لڑکی نے استعمال کی تھی۔ مارے خفت کے میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے کسی سے بھی کچھ نہیں کہا۔ آج اتنی مدت کے بعد پہلی بار تمہیں سنا رہا ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے ایک اور سگریٹ سلگا کر ایک طویل کش لیا۔

”آج بھی تو چاند کی چودہ تاریخ ہے تمہیں وہ لڑکی یاد نہیں آ رہی ہے؟“ میری بیوی نے آہستہ سے پوچھا۔

”آج عرصے کے بعد واقعی یاد آ رہی ہے۔“ میں نے جواب دیا یہ کہتے ہوئے میں نے سر آرام دہ کرسی پر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر میں نے اپنی گرم پیشانی پر اپنی بیوی کا ہاتھ محسوس کیا۔ کس قدر سرد تھا اس کا ہاتھ۔ میں نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ روشنی اب تک گل تھی اور حسین چاندنی کی وجہ سے کمرہ میں دھندلکا سا پھیل گیا تھا۔ میں نے دیکھا وہ عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ”کیا دیکھ رہی ہو؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

”دیکھ رہی ہوں تمہاری روح اس پراسرار لڑکی کے لئے کتنی بے چین ہے۔“ اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

”شادی سے پہلے تو یقیناً تھی لیکن پھر کبھی نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کے مہینے بھر بعد ہی تو تم ملیں اور پھر جلد ہماری شادی ہو گئی۔“ میں نے جواب دیا۔

”جھوٹ..... بالکل جھوٹ!“ وہ بولی۔ ”آج بھی تمہاری روح اس کے قرب کے لئے بے چین ہے۔ ہمیشہ یہ بے چین رہی ہے..... سچ سچ بتاؤ۔ کیا ایک بار پھر تم اسے اپنے قریب دیکھنا چاہتے ہو؟ انکار نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر لگن سچی ہو تو انسان کو وہ چیز ضرور ملتی ہے جس کی اس کو دیوانہ وار خواہش ہو۔ تم آنکھیں بند کر لو جانم..... اور صرف اس حسین، لڑکی کے بارے میں سوچو جس کے قرب نے تمہیں آج سے دس سال پہلے پاگل کر دیا تھا..... پل بھر کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھو کہ تمہیں کیا ملتا ہے؟“

میری آنکھیں آپ ہی آپ بند ہو گئیں اور مجھے یوں لگا جیسے اس کی پراسرار آواز کہیں دور سے آ رہی ہو۔ یہ مجھے کیا ہو رہا تھا؟ میرے جذبات اور احساسات میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہے تھے؟ یہ کیوں

محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ہوش اور حواس کے ساتھ ساتھ میرے اعضاء بھی میرے قابو میں نہ رہے ہوں۔ جیسے میں کسی مقناطیسی قوت کے ہاتھوں بے بس ہو گیا ہوں۔

”اب آنکھیں کھولو جان من!“ میری بیوی نے سرگوشیوں میں کہا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

”لیکن یہ کیا.....؟ اوہ! میرے اللہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟

میرے سامنے مجھ سے بہت قریب جھکی ہوئی میری بیوی کی جگہ وہ پراسرار لڑکی کھڑی تھی اور بڑی پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی..... وہی گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں اور جھکی جھکی پلکیں..... ستواں ناک، بھرے بھرے گال اور پیشانی پر وہی باغی لٹ۔

مجھے خاموش دیکھ کر وہ مسکرائی۔ ”یقین نہیں آ رہا ہے؟ میں واقعی وہی لڑکی ہوں۔ صرف تمہیں حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک اور لڑکی کے قالب میں تمہارے پاس آنا پڑا اور دس سال کی طویل جدائی برداشت کرنی پڑی۔ ہمارے رواج کی رو سے ہر دسویں سال ہم اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں..... ہماری ملاقات کو آج پورے دس سال ہو گئے ہیں..... اب مجھے اس اجنبی قالب میں رہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی..... اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے تم سے دور نہیں رکھ سکتی۔ ہمارے اصلی ملاپ کی مبارک رات تو آج آئی ہے..... مجھے لپٹا لو میری جان!“

یہ کہتے ہوئے وہ جھکی اور خدا جانے کیوں میرے جسم میں کپکپاہٹ سی دوڑ گئی اور میں نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی لوہے کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہوں۔ اس کا چہرہ آہستہ آہستہ میرے چہرے کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ لیکن جب اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کے بجائے میری گردن کی طرف بڑھے اور اس کے حسن کی جگہ ایک عجیب ڈراؤنے تاثر نے لے لی تو میں نے زور لگا کر آخری بار اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی لیکن بے سود اس کے بعد خدا جانے کیا ہوا کیونکہ میں غالباً دہشت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھا اور میری گردن پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میں نے کروٹ لینے کی کوشش کی تو مجھے کرنل یونس نظر آئے۔ میرے عزیز دوست یونس، جو فوج میں ڈاکٹر تھے۔، مجھے ہوش میں دیکھ کر وہ میرے پاس آ گئے۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آ گئے؟ کیسی طبیعت ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں..... لیکن مجھے کیا ہوا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک جنگلی بلی نے حملہ کیا تھا!“ جواب ملا۔

”جنگلی بلی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ”اور حیدر آباد میں؟“

”ہاں بھئی۔ یہی تو ہم سب کو حیرت ہے۔ جب تمہارا ملازم تمہاری چیخیں سن کر وہاں پہنچا تو وہ خونخوار بلی تمہاری گردن سے لپٹی ہوئی تمہارا خون چوس رہی تھی!“

”خون چوس رہی تھی.....؟ بلی؟؟؟“ میں نے یوں کہا جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔

”ہاں بھئی..... ملازم نے اسے مار ڈالا ورنہ وہ اوروں کا بھی خون چوس لیتی..... تمہارا زخم بڑا گہرا تھا۔ پورے دس دن کے بعد ہوش میں آئے ہو!“

میرے قریب بیٹھ کر میری نبض دیکھتے ہوئے یونس نے جواب دیا۔

”وہ کہاں ہے؟ میری بیوی.....؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔ اس کا جواب یونس نے یہ دیا کہ ”وہ صدمہ سے بیمار ہے اور گھر پر آرام کر رہی ہے۔“

صحیح جواب تو مجھے ہفتہ بھر بعد ملا۔ میری بیوی اس رات ہی سے غائب تھی۔ پولیس اسے ڈھونڈ نکالنے میں ناکام رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:88

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

رمیش چارپائی پر بے سدھ پڑا تھا۔ مالنی کی آتما بولی۔ مہاپرش کالی ماتا کی سہائتا کی وجہ سے میں نے اپنے دشمنوں کو نرک میں پہنچادیا۔ میں رمیش کے بنا یہاں کل ہوں، میں رمیش کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ رولو کا بولا۔ مالنی میں کیا بلکہ سارے لوگ مانتے ہیں کہ رمیش سے تمہاری چاہت قابل قدر ہے اور یہ اصل ہے کہ مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں جاتا، اپنی محبت و چاہت کی خاطر رمیش کو خوش و خرم رہنے دو، کیونکہ اب رمیش کی نسل آگے بڑھے گی، اگر میں چاہوں تو تمہیں زبردستی قید کر کے تمہارا صفایا بھی کر سکتا ہوں، مگر مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں تم اپنے آپ میں نرم گوشہ محسوس کرتے ہوئے رمیش کی زندگی سے اپنی اصل منزل کی طرف چلی جاؤ گی۔ بہر حال مالنی نے رولوکا کی بات مان لی اور اس نے رمیش کی جان چھوڑ دی۔ گڑھے میں سے اس کا پنجر نکال کر ہندو دھرم کے مطابق چتا کے حوالے کر دیا گیا۔ رات میں اس کی آتما رمیش کے پاس آئی اور بولی رمیش میری اچھا ہے کہ تم خوش رہو، اب میں چلتی ہوں اور وہ مسکراتی ہوئی رمیش سے جدا ہو گئی۔ کرامت علی اور سلامت علی دو بھائی تھے ان کے والد صداقت علی بہت ہی شریف النفس اور ایماندار تھے ان کی کریانہ کی دکان تھی، والد کے ساتھ کرامت دکان پر بیٹھتا تھا جبکہ سلامت زیر تعلیم تھا۔ والد کے انتقال کے بعد دونوں بھائی کاروبار میں لگ گئے، والد نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بھائیوں کی شادی کر دی تھی۔ سلامت کی بیوی جمیلہ بہت تیز تھی اور کرامت کی بیوی ثمرین بہت اچھے دل و دماغ کی تھی۔ ساس کے انتقال کے بعد جمیلہ کی کوشش تھی کہ پورے گھر پر میرا قبضہ ہو جائے اور اس لئے اس نے جادو ٹونے کا سہارا لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ کرامت اور اس کے بیوی بچوں کو راستہ سے ہٹانا پڑے گا اس لئے اس نے ایک پنڈت سے جادو کروایا۔ کرامت کا بڑا بیٹا مر گیا اور پھر کرامت کو نشانہ بنایا۔ اس کے لئے پنڈت نے کرامت کو مارنے کے لئے موت کی ہانڈی بھیجی۔ موت کی ہانڈی کرامت اور سلامت کے مکان پر پہنچ گئی۔ چھت کے اوپر مہیب وڈراؤنی آوازگوں ں گوں ں سنائی دینے لگی۔

(اب آگے پڑھیں)

سلامت اور کرامت کے مکان کے اوپر متواتر گوں.....ں.....ں گوں.....ں.....ں..... کی آوازیں جاری تھیں۔ ادھر گردھاری لال اپنے بستر پر بے چین تھے انہیں پتہ تھا کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ آج کی رات کرامت کے لئے بہت بھاری تھی۔ یعنی آج رات دشمن یقیناً کاری وار کرے گا۔ یہی سوچ سوچ کر وہ اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ اور جب ان سے بے چینی برداشت نہ ہوئی تو وہ اپنے بستر سے اٹھے اور گھر سے باہر نکل گئے۔ وہ فکرمندی سے چلتے ہوئے کرامت کے گھر کے پاس پہنچ گئے، چونکہ وہ بھی تھوڑے بہت گیانی تھے۔ انہوں نے بھی جان لیا کہ کرامت کے مکان کے اوپر کوئی شے ہے جو کہ متواتر چکر لگا رہی ہے اور اس میں سے گوں گوں کی آوازیں نکل رہی ہیں۔

وہ سمجھ گئے کہ ہونا ہو..... دشمن نے موت کی ہانڈی بھیجی ہے۔ ان کے منہ سے نکلا۔ ”او! بھگوان رکھشا کرنا اس گھر کی۔ کرامت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔“

وہ اس جگہ کھڑے کھڑے سوچتے رہے کہ ”کبھی کبھی انسان کس قدر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے کہ وہ کسی کی جان لینے سے بھی نہیں چوکتا۔ کوئی غیر کسی غیر کے لئے ایسے خونی قدم نہیں اٹھاتا۔ صرف اپنا ہی اپنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے کرتا ہے۔ لگتا ہے سلامت اور کرامت کا کوئی اپنا خونی کھیل کھیل رہا ہے۔''

گردھاری لال کی نظریں مسلسل اوپر کو اٹھی تھیں کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ وہ شے گول تھی، اس کے گرد بجلی سی کوندی اور پھر وہ شے کرامت علی کے مکان سے دور ہوتی ہوئی نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔

گردھاری لال سمجھ گئے کہ حکیم صاحب کی طرف سے یہ یقیناً بچاؤ کے لئے کوئی ترکیب ہوئی ہے۔ جب حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ''آج کی رات بہت بھاری ہے۔'' تو انہوں نے اپنے تئیں ضرور کچھ نہ کچھ کیا ہوگا۔

اور یہی حقیقت تھی کہ رولو کا نے اپنے اندیکھے کارندے کرامت علی کے مکان کے اوپر لگا دیئے تھے تاکہ وہ مکان کی حفاظت کریں اور اس طرح گھر کے مکین اور خاص طور سے کرامت محفوظ رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کی رات کرامت علی کی موت یقینا تھی۔

ہمیشہ ایسے خطرناک مسئلہ کے لئے رولو کا اپنا خاص کارندہ جاگتے الو کو ذمہ دار ٹھہراتا تھا، جاگتا الو تمام کارندوں میں بہت اہم مقام رکھتا تھا، بڑی تندہی اور جانفشانی اور چوکس طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا تھا۔ آج بھی جو کچھ ہوا تھا، جاگتے الو نے ہی کیا تھا۔ مکان کے اوپر چکر لگاتی موت کی ہانڈی کو جھپٹا مار کر اس مکان سے دور لے گیا تھا۔

گردھاری لال کو جب نظر آ گیا کہ موت کی ہانڈی اپنی جگہ سے ہٹ چکی ہے تو انہیں بہت خوشی ہوئی۔ انہیں دلی طور پر اطمینان ہوا، انہوں نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا کہ کرامت اور اس کے گھر والے آج کی رات کسی جانی یا پھر کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہے۔

وہ مزید آدھے گھنٹے تک مکان کے ارد گرد گھومتے رہے اور پھر جب کچھ اور نہ ہوا تو وہ قلبی سکون کے ساتھ اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ انہیں پکا یقین ہوگیا تھا۔ ''حکیم صاحب نے اپنے وعدے کے مطابق دشمن کے وار کو ضائع کر دیا۔''

ادھر موت کی ہانڈی بھیجنے والا پنڈت اپنے کمرے میں موجود تھا اور اپنی کارروائی پر خوش تھا کہ اس کا خونی وار ہر صورت میں کارگر ثابت ہوگا کہ اچانک اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی، اس کے ہاتھ دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے کچھ زیادہ ہی پھیل گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ کمرے کے چاروں کونوں میں وہ تیز سے جاتا اور اپنا سر اٹھا کر کچھ اندیکھی چیز کو دیکھنے کی کوشش کرتا۔ اس کی بے چینی اور گھبراہٹ ساعت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

چند ہی منٹ میں اس کی حالت ایسی نظر آنے لگی تھی کہ جیسے مچھلی کو پانی سے باہر ڈال دیا گیا ہو یا کہ موت اپنا آہنی شکنجہ پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہی ہو۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا، اب وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ منتر پڑھنے کے بعد اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

پھر لکڑی کے ایک چھوٹے ڈبے میں پڑی ہوئی ایک موٹے دانے کی مالا کو نکال لیا اور جلدی جلدی کچھ پڑھنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ وہ مالا پر پھونک بھی مارتا جاتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مالا میں سے ایک سرخ رنگ کی شعاع نکلی۔

سرخ شعاع پر نظر پڑتے ہی پنڈت جیسے چیخ کر بولا۔ ''سنگھا..... سنگھا!'' اس آواز کا نکلنا تھا کہ پنڈت کے سامنے ایک کونے میں دھوئیں کا ایک مرغولہ اٹھا اور پھر چشم زدن میں اس دھوئیں نے ایک سایہ کا روپ دھار لیا۔

''سنگھا! جلدی سے پتہ کر کہ میری بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کدھر غائب ہوگئی۔ جلدی کر۔ ورنہ..... زندگی یا موت اور.....'' اور پنڈت نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

وہ سایہ جسے پنڈت نے سنگھا کے نام سے پکارا تھا، اچانک غائب ہوگیا اور پھر پلک جھپکتے ہی دوبارہ حاضر ہوگیا۔ وہ سایہ مؤدبانہ کھڑا تھا۔ اس کے پاس سے خرخراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''مہاراج مرتیو ہانڈی

کوئی پتہ نہیں، پورب، پچھم، اتر، دکھن بلکہ اتال اور پاتال میں بھی وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔'' اور یہ بول کر وہ سایہ فوراً غائب ہوگیا۔

یہ سننا تھا کہ پنڈت کی حالت ناقابل فراموش حد تک غیر ہونے لگی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ وہ اپنے ماتھے کو اپنے دائیں ہاتھ سے زور زور سے دبانے لگا۔

اس کے بعد پنڈت اچانک فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور ایک کونڈے میں دہکتی ہوئی آگ اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھنے لگا پھر اس نے پاس پڑے ہوئے لوبان کا برادہ مٹھی میں اٹھایا اور مٹھی پر پھونک مار کر لوبان کو آگ میں ڈال دیا۔ لوبان کا آگ میں گرنا تھا کہ دھوئیں کا ایک طوفان سا اٹھا اور کمرے میں پھیل گیا۔ دھوئیں کا پورے کمرے میں پھیلنا تھا کہ کمرے میں بے شمار روشن ہیولے نظر آنے لگے۔

روشن ہیولے جو نظر آ رہے تھے انہیں دیکھ کر پنڈت بولا۔ ''میرے وفادار، میرے زیر تسلط اور میرے حکم کے طابع، میں تم تمام بیروں کو حکم دیتا ہوں کہ فوراً پتہ کرو کہ میں نے جو مرتیو ہانڈی جس منش کے لئے بھیجی تھی اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ ہانڈی اس وقت کہاں ہے، میرے کسی دشمن نے اس پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ میری ہی نہیں تم سب کی بھی مرن جوگ ہے۔ اگر وہ ہانڈی نہیں ملی تو.....'' اور پنڈت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

پنڈت کی بات سنتے ہی سارے روشن ہیولے اپنی اپنی جگہ سے غائب ہوگئے۔

روشن ہیولوں کے غائب ہونے پر بھی پنڈت اپنی جگہ بیٹھا جنتر منتر پڑھتا رہا اور اسی طرح مٹھی میں لوبان اٹھا اٹھا کر آگ میں ڈالتا رہا۔

پچیس تیس سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ روشن ہیولے ایک ایک کر کے اپنی اپنی جگہ دوبارہ نظر آنے لگے۔ جب تمام ہیولے آ گئے تو پنڈت کی غم و یاس میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''سب خاموش کیوں ہو؟ جلدی بتاؤ! مرتیو ہانڈی کا کچھ پتہ چلا؟''

پنڈت کی آواز سن کر ہیولے خاموش رہے۔ ہیولوں کی خاموشی دیکھ کر پنڈت زخمی ناگ کی طرح پھنکارا۔ جلدی جواب دو! نہیں تو میں تم ہر ایک کو نشٹ کر دوں گا۔ مرتیو ہانڈی کہاں ہے؟''

پنڈت کا بپھرا ہوا انداز دیکھ کر تمام ہیولے ایک ساتھ بول پڑے۔ ''مہاراج! اتال پاتال بلکہ پورے سنسار میں! مرتیو ہانڈی کا کوئی پتہ نہیں۔''

یہ سن کر پنڈت نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مارے، اتنی دیر میں تمام روشن ہیولے اپنی اپنی جگہ سے غائب ہو چکے تھے۔

اچانک دیواروں میں سے گونجدار آواز گونجی۔ ''پنڈت! تیری بھیجی ہوئی خونی ہانڈی تجھ سے بہت نزدیک ہے مگر تیرے جنتر منتر سے بہت دور!! پنڈت اب کیا بنے گا تیرا، تو چند ٹکے کے لئے لوگوں پر ظلم کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاتا، تو مر جائے گا، تیری دولت کا کیا بنے گا، کیا اپنے ساتھ خون سے لت پت دولت کو اپنے ساتھ چتا میں لے جائے گا، اب تو اپنا بچاؤ کر، تجھ میں کتنا زور ہے اپنا زور لگا لے، تیری خونی ہانڈی!! تیرے پاس ضرور آئے گی..... بچ سکتا ہے تو.....'' اور پھر آواز آنا بند ہوگئی۔

پنڈت دھاڑا۔ ''مورکھ! اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آ، تو نے اپنی ماتا کا دودھ پیا ہے تو اپنی شکل دکھلا، میں اپنی ہانڈی اور تجھے بھی چاہے تو پاتال میں ہی کیوں نہ چھپ جائے، ڈھونڈ نکالوں گا، ارے تجھے میری شکتی کا پتہ نہیں، ابھی تو نے میری شکتی دیکھی کہاں ہے؟'' پنڈت کی حالت بن جل مچھلی کی طرح ہوگئی تھی۔ اسے اپنی موت واضح نظر آنے لگی تھی۔

رولو کا اپنی جگہ مطمئن تھا کیونکہ اس کے اندیکھے کارندوں نے خونی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر کے پنڈت کے مکان کی چھت پر بیٹھ گئے تھے، ایسا کرنے والے کئی کارندوں میں جاگتا الو سب سے اہم تھا۔

دن کا اجالا پھیلتے ہی رولو کا حسب وعدہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گردھاری لال کے پاس پہنچ گیا۔

رولوکا کو اپنے سامنے دیکھ کر گردھاری لال فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور رولوکا کے قدموں پر جھکنے لگے تو رولوکا نے ان کا کندھا پکڑ کر اوپر کو اٹھایا اور بولا۔

"گردھاری لال آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ صرف اوپر والے کے آگے جھکا کریں، اس کی عظمت سب سے اعلیٰ ہے، دنیا کی ہر شے اسی کے قبضے میں ہے، وہ ہر انسان کے فعل کو بہت باریک بینی سے دیکھتا ہے، وہ دلوں کا بھید جانتا ہے۔ خیر آپ سنائیں! آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"آپ بہت اچھے دل و دماغ کے مالک ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی رحم دلی اور کوشش سے رات کرامت علی کی جان بچ گئی، اگر آپ اسے میرے پاس نہیں لاتے تو آج وہ منوں مٹی تلے جا چکا ہوتا۔ دشمن اپنا کاری وار کر چکا تھا لیکن بروقت اوپر والے کی مہربانی سے کرامت کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ لوگوں نے یہ سچ کہا ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔"

"حکیم صاحب مہربانی تو آپ کی ہے کہ آپ کی کوشش اور مہربانی سے کرامت علی کی جان بچ گئی۔ اگر کسی کی ذرا سی کوشش سے کسی کا بھلا ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اچھائی کا کام اور کیا ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سارے لوگ برابر ہیں، میرے نزدیک تو انسان کی بھلائی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں، یہ ذاتیات کا فرق تو بعد کا ہے، ایشور کے آگے سارے سنسار کے لوگ برابر ہیں، ہر آدمی اپنی کرنی پر ایشور کے آگے جواب دہ ہے، دیکھئے ناں! ایشور کبھی لوگوں میں فرق نہیں رکھتا، جب بارش ہوتی ہے یا پھر سورج نکلتا ہے تو علاقے کے سارے ذات پات میں فرق ڈالنے والے فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر ایشور کے من میں فرق ہوتا تو صرف اچھے لوگ ہی فائدہ اٹھاتے مگر نہیں سارے اچھے برے سب اس کی مہربانی سے فیض یاب ہوتے ہیں، جو جیسا کرے گا اسے اس کا پھل ملے گا۔"

"حکیم صاحب آپ تو پوجا کے لائق ہیں، آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، آپ نے کرامت علی کو بچا کر صرف اس کی ذات پر کرم نہیں کیا بلکہ آنے والی اس کی نسلوں پر کرم کیا ہے۔" گردھاری لال نے کہا۔

"ارے گردھاری لال جی! ایسی کوئی بات نہیں، بس یہ تو اوپر والے مالک کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ پر اپنا کرم کیا کہ میں اس قابل ہوں، مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے ضرورت مندوں کی مشکل حل کر دیتا ہوں، ایسا کر کے مجھے بہت دلی سکون ملتا ہے، اچھا اب چلیں ذرا کرامت علی سے بھی مل لیتے ہیں، معلوم کریں کہ رات کیسی گزری۔" رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے چلئے۔" گردھاری لال نے کہا اور رولوکا کے ساتھ کرامت علی کے گھر کی طرف چل پڑے۔

چند منٹ میں دونوں کرامت علی کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ گردھاری لال نے آواز دی۔

"سلامت پتر!" آواز سن کر ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا جو یقیناً سلامت ہی ہوگا۔

سلامت علی آج گھر پر ہی تھا کیونکہ جمعہ کے دن دونوں بھائی دکان جمعہ کی نماز کے بعد کھولتے تھے۔ ورنہ اس وقت تو سلامت علی نے اپنی دکان میں ہونا تھا۔

گردھاری لال اور ان کے ساتھ رولوکا کو دیکھ کر وہ بولا۔ "گردھاری کاکا آپ، اور اتنے سویرے!"

"سلامت یہ ہیں حکیم کامل، دلی والے انہی کے پاس میں کل کرامت کو لے گیا تھا، ان کی مہربانی کہ یہ خود ہی ہمارے پاس پہنچ گئے۔" گردھاری لال نے کہا۔

یہ سنتے ہی سلامت رولوکا کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھا، رولوکا اور پھر گردھاری لال سے مصافحہ کیا اور بولا۔ "حکیم صاحب میں اور میرا اہل خانہ جتنا بھی آپ کا شکریہ ادا کریں وہ کم ہے، اگر دیکھا جائے تو آپ نے ہم پر اتنی مہربانی کی ہے کہ پوری زندگی بھی ہم اس کا احسان نہیں اتار سکتے، گردھاری کاکا نے آپ کی بتائی ہوئی ساری باتیں میرے گوش گزار کر دی ہیں، گردھاری کاکا، کا بھی میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ یہ قلبی لگاؤ رکھتے

ہوئے کرامت کو آپ کے پاس لے گئے، ورنہ آج ہمارا بھائی ہم میں نہیں ہوتا، اس کا اجر تو آپ کو اللہ ہی دے گا، ہم آپ کا یہ احسان مرتے دم تک بھی نہیں اتار سکتے بلکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی آپ کے احسان تلے دبی رہیں گی۔" اور یہ بولتے ہوئے سلامت کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے گرنے لگے تھے۔

"ارے سلامت میاں! آپ اطمینان لیں، جو ہونا تھا وہ ہو گیا، میں نے کچھ نہیں کیا، یہ سب اوپر والے کی مہربانی سے ہوا، اوپر والا ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر اپنے بندے سے پیار کرتا ہے، مگر ہم انسان نہ شکرے ہیں، اس کی رحمت و فضل کو بھول جاتے ہیں، اور اپنی ناپائیدار زندگی کے لئے اپنا فائدہ اور دوسروں کا جانی و مالی نقصان کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ خیر آپ فکر نہ کریں، اب دشمن کا وار آپ کے گھر پر نہیں چلے گا۔ میں نے اس کی پوری حفاظت کر دی ہے، چلئے میں ذرا کرامت سے ملنا چاہتا ہوں۔" رولوکا نے کہا۔

"ہاں..... ہاں کیوں نہیں..... چلئے کرامت اپنے کمرے میں لیٹا ہوا ہے۔" یہ بول کر سلامت گردھاری لال اور رولوکا کو لئے ہوئے کرامت کے کمرے میں پہنچا۔

کمرے میں چار کرسیاں پڑی تھیں۔ تین کرسیوں پر تینوں بیٹھ گئے۔ کرامت بدستور آنکھیں بند کئے اور اپنے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے بے سدھ پڑا تھا۔

کرامت کو دیکھ کر رولوکا مسکرایا اور بولا۔

"کرامت علی آنکھیں کھولو۔ رات کٹ گئی اور اب سورج کی روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے۔"

لیکن ایسا لگا کہ کرامت نے رولوکا کی بات نہ سنی ہو۔

جب کرامت نے آنکھیں نہیں کھولیں تو سلامت بولا۔ "کرامت! جلدی سے آنکھیں کھولو، دیکھو کون آیا ہے، چلو جلدی سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

مگر کرامت نے سلامت کی بات کو بھی سنی ان سنی کر دیا۔

رولوکا بولا۔ "سلامت میاں! آپ نہ بولیں! یہ آپ کی نہیں سنیں گے۔ یہ میری بات پر ضرور توجہ دیں گے، اب میری آواز پر یہ نہ اٹھے تو پھر....." اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کرامت نے اپنا جو ہاتھ اپنے سر پر رکھا تھا، اس ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی رولوکا نے پکڑ لی۔ انگلی کا پکڑنا تھا کہ اچانک کرامت کے منہ سے ایک چیخ نما سی آواز نکلی اور اس نے اپنی انگارہ برساتی آنکھیں کھول کر رولوکا کو دیکھا۔

رولوکا نے کرامت کی انگلی نہیں چھوڑی تو کرامت کے منہ سے گرجدار آواز نکلی۔ "اوئے! یہ انگلی چھوڑ دے ورنہ....." اور پھر اس کی آواز منہ میں ہی دب کر رہ گئی۔

"ورنہ کیا؟..... اگر کچھ کر سکتا ہے تو کر لے، اور اگر انگلی چھڑا سکتا ہے تو چھڑا لے۔" رولوکا بولا۔

"دیکھ! میں بولتا ہوں، انگلی چھوڑ دے، پھر نہ کہنا کہ" اور اس مرتبہ بھی آواز کرامت کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

"اب یہ ڈرامہ ختم کر دے اور میں بولتا ہوں کہ چپ چاپ اٹھ کر بیٹھ جا، نہیں تو مجھے زبردستی کرنا بھی آتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس زبردستی میں تیرا کچھ زیادہ نقصان ہو جائے۔ پھر تو پچھتائے گا، چل اٹھ کر بیٹھ..... یہ میں آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں..... جلدی کر..... اٹھ جا..... جلدی کر..... نہیں تو....." اور پھر فوراً کرامت اٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ گیا۔

کرامت اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اپنی سرخ انگارہ برساتی آنکھوں سے رولوکا کی جانب گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں اس قدر سرخ اور ساتھ ہی ان میں اتنی روشنی تھی کہ گردھاری لال اور سلامت اس کی آنکھوں کو دیکھ کر ان کے جسم میں جھرجھری دوڑ گئی۔

دونوں کی حالت دیکھ کر رولوکا بھانپ گیا کہ دونوں خوف کھا رہے ہیں رولوکا بولا۔ "آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ کرامت کے اندر جو یہ چھپا بیٹھا ہے، یہ اس کی گیدڑ بھبکی ہے، یہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈرانے کی کوشش کررہا ہے۔"

"حکیم صاحب! تو کیا کرامت کے اندر....."

"اور گردھاری لال کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ رولوکا نے ان کی بات درمیان میں اچک لی تھی۔

"گردھاری لال جی! آپ کی بات درست ہے! کرامت کے اندر پنڈت کا بھیجا ہوا ایک زبردست بیر چھپا ہوا ہے اور یہی کرامت کو بولنے سے روک رہا ہے بلکہ یہ خود بول رہا ہے، میں ابھی اس کی بولتی بند کرتا ہوں، اگر یہ شرافت سے الگ ہوگیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا تیاں پانچاں ہوجائے گا۔"

"ہاں! بھئی پنڈت کے غلام، اب تو یہ بتا کہ اس کی جان چھوڑ کر باہر نکلتا ہے کہ میں تجھے کھینچ کر باہر نکالوں۔"

"اوئے زبان سنبھال کر بات کر! لگتا ہے تجھے میری شکتی کا پتہ نہیں۔" کرامت کے منہ سے آواز نکلی۔

"اچھا یہ بات ہے! کیا تجھے اپنی بقا عزیز نہیں! سوچ لے!" رولوکا بولا۔

"ارے جا! میں بولتا ہوں اگر تجھے اپنی زندگی عزیز ہے تو تو یہاں سے فوراً چلا جا۔" وہ بولا۔

"دیکھ ابھی بھی وقت ہے! میری بات مان لے..... کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں تجھے پچھتانے کا موقع نہ ملے اور تیرا وجود ختم ہوجائے۔" رولوکا بولا۔

"اچانک کرامت کے منہ سے ایک زبردست دھاڑتی ہوئی آواز نکلی۔ "سنگھا۔" دراصل سنگھا ان تمام بیروں کا سردار تھا جو کہ پنڈت کے قابو میں تھے۔ اس وجہ سے کرامت کے اندر مقید بیر نے سنگھا کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔

"سنگھا..... سنگھا۔" کرامت کے اندر چھپا بیر اس طرح کی آوازیں نکالتا رہا مگر بے سود اس کی آواز پر سنگھا تو کیا کوئی مکھی بھی نہیں آئی۔

"کیوں اپنا گلا پھاڑ رہا ہے ارے! سنگھا تو کیا..... سنگھا کا گرو پنڈت بھی نہیں آئے گا۔ میں نے تو تجھے بہت سمجھایا کہ تو اندر سے باہر آجا اور اس کی جان چھوڑ دے مگر تو بھی پنڈت کی طرح ضدی اور ہٹ دھرم لگتا ہے..... کیوں ٹھیک ہے ناں۔" رولوکا بولا۔

"میری مدد کو سنگھا ضرور آئے گا۔ وہ گرو کے پاس گیا ہوگا، دیکھ لے اب بھی وقت ہے، تو یہاں سے چلا جا....."

"اچھا تو نہیں مانتا..... تو تیری مرضی..... میں تیرا اپائے کر ہی دیتا ہوں۔" رولوکا بولا۔ سلامت میاں۔ "ایک سفید کپڑے کی پاک صاف پٹی لاکر دیں اور ہاں! ماچس بھی لیتے آئیے گا۔"

سلامت اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا اور پھر فوراً سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا لے آیا، ساتھ ہی ماچس بھی لے آیا تھا۔

رولوکا نے کپڑے کا ٹکڑا سلامت کے ہاتھ سے لیا اور ٹکڑے میں سے دو انچ چوڑی اور کوئی تقریباً چار انچ لمبی پٹی پھاڑ لی۔ پھر اس نے اس پٹی کو لپیٹ کر فلیتہ بنالیا۔ اس کے بعد اس فلیتہ کے سرے کو ماچس سے جلادیا۔ فلیتہ جلنے لگا تو رولوکا نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔ پھونک مارتے ہی فلیتے کا شعلہ بجھ گیا اور اس میں سے گاڑھا گاڑھا سفید دھواں کافی مقدار میں نکلنے لگا۔

نکلتے دھوئیں کا رخ رولوکا نے کرامت کے ناک کی طرف کردیا۔ فلیتہ کا رخ کرامت کی طرف ہونا تھا کہ دھواں تیزی سے کرامت کی ناک میں گھسنے لگا۔

چند منٹ تو کرامت کسمساتا رہا، پھر اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی، اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے۔ اس کی دونوں آنکھیں اپنے حلقوں میں پھیل گئیں اور پھر دونوں آنکھوں سے ہلکی ہلکی سرخ شعاعیں نکلنے لگیں۔

"اوئے! اس دھوئیں کو روک لے! دھوئیں کو روک لے..... مجھ پر دیا کر..... تو جو بولے گا وہی کروں گا..... دھوئیں کو روک دے۔" کرامت کے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکلنے لگیں۔

"ٹھیک ہے! میں دھوئیں کو روک دیتا ہوں۔

اب بھی وقت ہے، تو اگر اپنا بھلا چاہتا ہے تو، فوراً اندر سے باہر نکل آ....." رولوکا بولا۔

اس کے بعد وہاں پر موجود سب نے دیکھا کہ کرامت کے کان اور ناک سے گاڑھا گاڑھا سفید دھواں نکلنا شروع ہوگیا۔ اور پھر وہ دھواں کرامت کے بلنگ کے بائیں طرف اکٹھا ہونا شروع ہوگیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے ایک ہیولہ کی شکل اختیار کرلی۔

"اب تو کیا چاہتا ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔

اس ہیولے کے ہونٹ ہلنے لگے اور آواز سنائی دی۔ "میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں! مگر میرا یہاں سے جانے کا مقصد میرا وجود پنڈت گرو کی وجہ سے ختم ہوجائے گا۔ یہاں سے باہر نکلتے ہی گرو کے منتر مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ کر میرا وجود ختم کردیں گے۔"

"مہاپرش! میرے وجود کا خاتمہ یا پھر بقا اب تمہاری شکتی میں ہے، صرف تمہاری شکتی ہی مجھے بچا سکتی ہے یا پھر میرے لئے کچھ نہ کرنے سے میرا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سنسار سے ختم ہوجائے گا۔ اگر تمہاری دیا میرے ساتھ رہی تو میں تمہارے لئے ہمیشہ اچھا سوچوں گا، اب مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار ہے۔ تم مجھے یہاں سے جانے کا راستہ دے دو ورنہ گرو کے منتر مجھے گھیر کر میرا صفایا کردیں گے۔ مہاپرش! تم اچھے ہو! میری بھلائی اور آزادی اب تمہاری اِچھا پر ہے، میں تو حکم کا غلام ہوں۔" اور پھر اس ہیولے سے آواز آنا بند ہوگئی۔

کرامت کی ناک سے سارا دھواں نکل چکا تھا کرامت اپنی جگہ بے سود ہو کر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد رولوکا نے کرامت کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ رولوکا نے کرامت کی انگلی اب چھوڑ دی تھی۔

ہیولہ سے رولوکا بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں تیری مجبوری سمجھتا ہوں، میں تجھے آزاد کرتا ہوں اور ساتھ تیرا تحفظ بھی کردیتا ہوں۔ پنڈت کے منتروں کی تیرے وجود کے پاس آنے کے لئے بندش کردیتا ہوں۔ اور ایک کام یہ بھی کرتا ہوں کہ میرے کارندے تیرا وجود سمندر پار چھوڑ آئیں گے تاکہ تیرا وجود پنڈت سے بہت دور ہوجائے، اور ویسے بھی پنڈت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے زیادہ دنوں کا مہمان نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پنڈت کا وجود بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ اچھا اب میں تیری بندش کھولتا ہوں۔ تو اس گھر سے باہر نکل، تیرے باہر نکلتے ہی میرے کارندے تجھے اچک لیں گے اور پھر تجھے سمندر پار چھوڑ دیں گے۔"

"لے اب تو نکل اور آئندہ کسی انسان کا نقصان نہیں کرنا، میری بات یاد رکھنا۔" اور پھر رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی کا اشارہ اس ہیولہ کی طرف کردیا۔ تو رولوکا کی انگلی سے ایک ہرے رنگ کا شعلا نکلا اور اس ہیولہ کے آگے آگے بڑھنے لگا اور پھر دھوئیں کی شکل اختیار کر کے باہر کو نکلتا چلا گیا۔

جب سارا دھواں کمرے سے نکل گیا تو رولوکا سلامت کی طرف متوجہ ہوا، اور بولا۔ "سلامت میاں گلاس میں تھوڑا سا پانی لائیں۔"

سلامت فوراً کرسی سے اٹھا اور چند منٹ میں ہی ایک گلاس میں تھوڑا پانی لے آیا۔

رولوکا نے پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ پڑھ کر گلاس کے پانی پر پھونکا اور پھر تھوڑا سا پانی چلو میں لے کر کرامت کے منہ پر چھڑک دیا۔ لیکن کرامت بے سدھ پڑا رہا، اس طرح رولوکا نے تین مرتبہ پانی کرامت کے چہرے پر چھڑکا۔ تیسری مرتبہ پانی کا چھڑکنا تھا کہ کرامت ہڑبڑا کر اپنی جگہ اٹھ بیٹھا اور غور غور سے سب کو دیکھنے لگا۔

"کرامت میاں اب طبیعت کیسی ہے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"جی! میں تو ٹھیک ہوں! اور آپ؟" کرامت نے پوچھا۔

"کرامت! یہ حکیم صاحب ہیں، دلی میں ان کا بہت بڑا مطب ہے۔ تمہاری طبیعت کے پیش نظر تشریف لائے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرو۔" سلامت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

کرامت نے جھٹ اپنا ہاتھ رولوکا کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھادیا اور پھر بولا۔ ''گردھاری کاکا آپ؟''

''ارے پتر! میں بھی تیری طبیعت کا سن کر آ گیا تھا۔ لگتا ہے اب تیری طبیعت ٹھیک ہے۔'' گردھاری بولے۔

''آج سے دو دن پہلے کے حالات انہیں یاد نہیں۔ بہر حال اب ان کی طبیعت ٹھیک ہے، گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اور دو دن تک جو کچھ ان پر بیتا اس کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کیجئے گا کیونکہ انہیں ان کے متعلق کچھ بھی یاد نہیں آئے گا۔ آج سے پہلے جو کچھ بھی ہوا، بہت برا ہوا، اچھا بھلا ان کا بچہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، اور پھر ان کے بھی جان کے لالے پڑ گئے تھے، یہ تو اوپر والے کی بہت مہربانی ہے کہ اس نے بچاؤ کا اسباب پیدا کردیا اور اگر یہ گردھاری لال کے ساتھ دلی نہ آتے تو......اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کیونکہ گردھاری لال نے درمیان میں سوال کردیا تھا۔ ''حکیم صاحب! آپ سے ایک بنتی ہے کہ وہ کون ہے جو ان کا دشمن ہے؟ جس نے ان بے چاروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ یہ لوگ تو بالکل بھگوان کی گائے ہیں، نہ کسی سے کبھی منہ ماری کی اور نہ ہی کسی سے ناراض ہوئے۔ بلکہ تمام گاؤں والوں کے دکھ سکھ میں ساتھ دیتے ہیں، ان کے پتاجی بھی انہی جیسے تھے، اپنے پلے سے رقم لگا کر خوش ہوتے تھے، کبھی انہوں نے یا ان کے گھرانے نے ذات پات میں فرق نہیں سمجھا، ضرورت مندوں کی ہمیشہ ضرورت پوری کرتے چلے آرہے ہیں۔ کبھی میں نے نہیں دیکھا کہ کسی سے ادھار کی وصولی کے لئے زور سے بات تک کی ہو، اور نہ ہی کبھی کسی اور کے سامنے ادھار لینے والوں سے رقم کا مطالبہ کیا ہو، ایسے لوگوں کا جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ کون دشمن ہوسکتا ہے؟''

''گردھاری لال جی! آپ کی باتیں بالکل درست ہیں، مگر حاسد لوگ ہمیشہ حسد کے تحت دوسروں کا خوش ہونا دیکھ نہیں سکتے، ایسے لوگوں کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ صرف ہم خوشحال رہیں، صرف ہم عیش کریں، کسی اور کو ہمارے سامنے ہنسنے بولنے کی طاقت نہ ہو، اور ایسے ہی لوگ دوسروں کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ غیروں کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ اپنے قلبی رشتوں کے لئے بھی وہ دشمنی کرنے سے نہیں چوکتے۔ اپنی فطرت کی وجہ سے شب و روز اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جھلتے رہتے ہیں اور منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ کسی طرح موقع ملتے ہی دوسروں کی ہنستی مسکراتی زندگی میں زہر گھول دیں۔''

''حاسد لوگ، ہمیشہ دوسروں پر نظر رکھتے ہیں اور پھر جگہ، جائیداد ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے اپنے اپنوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ زیادہ جذباتی لوگ اکثر جذبات کی وجہ سے کھل کر دشمنی پر اتر آتے ہیں اور جگہ جائیداد کا لفڑا سامنے لے آتے ہیں۔ مگر جو لوگ اپنے حسد کی وجہ سے زیادہ گھنے ہوتے ہیں وہ خاموشی سے یعنی یہ سمجھ لیں کہ جیسے آگ میں گھاس پھوس ڈال دیں تو ردعمل کیا ہوگا یعنی گھاس فوراً ہی شعلہ بن جائے گا مگر گوبر کے اوپلے میں آگ لگادی جائے تو کس طرح اندر ہی اندر اوپلے کی آگ سلگتی رہتی ہے اس طرح جذباتی اور غیر جذباتی لوگ ہوتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جذباتی لوگ ہاتھ میں اسلحہ لے کر سامنے آجاتے ہیں مگر غیر جذباتی اندر ہی اندر اوپلے کی آگ کی طرح نقصان پہنچاتے ہیں اور یہاں تک کہ ''جادو ٹونے سے بھی نہیں چوکتے۔'' جیسے کہ کرامت علی کی فیملی کے ساتھ کیا گیا۔''

کہنے والوں نے حقیقت کہا ہے ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، یا اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں۔

''بہر حال دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی آ... لوگوں کے سامنے آجائے گا۔ ایسا کرنے والے حا... اپنا وار خالی ہوتا دیکھ کر اپنی ہی لگائی ہوئی آگ ... خود بخود جھلس جاتے ہیں اپنی زبان سے کسی کا نام

اسماء الحسنیٰ ۔۔۔۔ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

پریشانیوں سے چھٹکارہ

ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو | جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح | اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی | کاروباری بندش
جنات کا سایہ | دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات۔ جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% رازداری کے ساتھ

خواہش

کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ۔ وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

سید فرمان شاہ

اچھرہ سٹاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان

0300-6484398

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پسند نہیں کرتے۔ وقت آپ لوگوں کو خود بتادے گا کہ ایسا کس نے کیا اور کیوں کیا؟"

"اب کرامت علی اور ان کی فیملی بالکل محفوظ ہے۔ میں نے حاسد کی سوچ کو بھی مفلوج کر کے رکھ دیا ہے کہ وہ آئندہ ان لوگوں کے متعلق اور اس گھرانے کے متعلق برائی کا نہیں سوچے گا۔"

رولوکا کی بات سن کر سلامت بولا۔ "حکیم صاحب ہم اللہ کے حضور سربسجود رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر اپنا فضل و کرم رکھے اور آپ کے علم میں اور زور پیدا کرے، آپ کو اور حوصلہ ہمت عطا کرے تاکہ آپ ضرورت مندوں کے کام آئیں۔"

"میں ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ آپ نے ہماری آنے والی نسلوں پر احسان کیا ہے، آپ نے کرامت کو بچا کر نئی زندگی دی ہے، کرامت سے بڑھ کر حکیم صاحب! میرے لئے میری زندگی میں اور کوئی نہیں، میرے والد صاحب نے آخری وقت میں مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ہر قیمت پر کرامت کا خیال رکھوں گا۔"

"حکیم صاحب! چاہے کرامت کے لئے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں کرامت کی خوشی میں خوش ہوں، اور خوش رہوں گا۔ میری ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ میں والد صاحب سے کئے گئے وعدے کا پاس رکھوں تاکہ قیامت کے دن اس کے سامنے سرخرو ہوجاؤں اور پھر اللہ کی نظر میں بھی وعدہ نبھانے والوں میں شامل رہوں۔"

"سلامت میاں تمہارے خیالات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی، میری بھی دعا ہے کہ اوپر والا آپ دونوں بھائیوں کو نظر بد سے بچائے اور آپ کو حوصلہ وہمت دے کہ آپ اپنے وعدے کو نبھاتے رہیں اور دونوں بھائی ہمیشہ شیر وشکر رہیں۔"

"اب میں آپ لوگوں سے اجازت چاہوں گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مطب میں کوئی اور ضرورت مند میرا انتظار کررہا ہو۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب! آپ سے میری بنتی ہے کہ آپ آئندہ بھی ان بچوں اور اس گھرانے پر اپنی نظر رکھئے گا تاکہ آئندہ یہ کسی دکھ تکلیف اور آفت سے چار نہ ہوں۔" گردھاری لال نے کہا۔

"گردھاری لال جی! آپ بے فکر رہیں، میں آئندہ بھی ان کا خیال رکھوں گا۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو بتائیں، میں دل وجان سے حاضر ہوں۔" سلامت بولا۔

بس آپ لوگ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھے گا، اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کوئی خدمت نہیں ہمیشہ اوپر والے سے لو لگائے رہئے گا۔ جتنا انسان اوپر والے کو یاد کرتا ہے، تو اوپر والا بھی ایسے لوگوں کو یاد رکھتا ہے۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب! میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں، آپ نے مجھے موت کے منہ میں سے کھینچ لیا، آپ نے مجھے نئی زندگی دی، آپ کی مہربانی اور کوششوں سے ہی آج میں زندہ ہوں، ورنہ منوں مٹی تلے میں ابھی تک دفن ہوچکا ہوتا، میں تاحیات آپ کا احسان مند رہوں گا اور مرنے کے بعد بھی میری روح آپ کے حق میں دعا گو رہے گی۔ آپ نے مجھے ہی نہیں بلکہ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بیوی کو بھی دربدر ہونے سے بچالیا، اور پھر میرے ہمدرد وشفیق بھائی کو بھی میری زندگی کی وجہ سے خوشیاں مل گئیں ورنہ اگر مجھے کچھ ہوجاتا تو میرے بھیا اس دنیا میں اکیلے رہ جاتے بلکہ جیتے جی مرجاتے۔" اس مرتبہ اپنی آنکھوں میں نمی لاتے ہوئے کرامت رولوکا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

کرامت میاں، میرا اس میں کوئی کمال نہیں آپ اوپر والے کا شکر ادا کریں کہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی، آپ بچ گئے سب کچھ اسی کی مہربانی کی وجہ سے ہوا، انسان تو بس ایک ادنیٰ سا وسیلہ ہوتا ہے، اگر اوپر والا مجھ میں یہ صلاحیت نہیں دیتا تو میں بھلا کس کام کا، آپ دونوں بھائی بہت اچھے ہیں، آپ کا دشمن اپنے انجام کو پہنچے گا، آپ اپنے دل ودماغ سے ہر طرح کی فکر نکال

دیں، اگر آپ کا دشمن سر توڑ کوشش بھی کرلے تب بھی وہ آپ لوگوں کا بال تک بیکا نہیں کرسکتا، وہ کسی صورت بھی اپنے منصوبے اور ناپاک کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ آپ آرام سکون سے رہیں، کھائیں پئیں روز مرہ کے کاموں میں دلچسپی لیں۔

اچھا اب میں چلتا ہوں، مجھے آپ لوگ اجازت دیں کیونکہ جلد از جلد میرا مطب میں پہنچنا ضروری ہے۔" اور پھر رولوکا نے تینوں سے ہاتھ ملایا اور گردھاری لال کے ساتھ ان کے گھر سے باہر نکل آیا۔

باہر آکر تھوڑی دور تک رولوکا گردھاری لال کے ساتھ چلتا رہا، اس کے بعد پھر گردھاری لال سے مصافحہ کیا اور اکیلے ایک طرف کو جس طرف راستہ جاتا تھا اس طرف بڑھ گیا۔ جب گردھاری لال کی نظروں سے اوجھل ہوا تو ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوکر، اس نے اپنی آنکھیں بند کرکے دلی میں حکیم وقار کے مطب کا تصور کیا، اور پھر چشم زدن میں رولوکا اپنے کمرے میں موجود تھا۔

کرامت کو اچھا ہوئے ہفتہ بھر ہوگیا تھا۔ کرامت کی صحت یابی اور اپنا وار پٹتا ہوا دیکھ کر سلامت کی بیوی جیسے انگاروں پر لوٹنے لگی۔ کیونکہ ایک ایک پل گن گن کر اس نے وقت گزارا تھا اور اس ساعت کے انتظار میں تھی کہ اب اور تب بلکہ آج رات کرامت کی موت یقینی ہے۔

وہ ماہی بے آب اندر ہی اندر تڑپنے لگی تھی، سے کھانا پینا، بچوں کا رونا دھونا دور جبکہ کھیلنا کودنا بھی گوارگزرنے لگا تھا۔

بیوی کا چڑچڑا پن اور غیر حالت دیکھ کر سلامت تشویش میں پڑ گیا تھا، وہ بار بار بیوی سے پوچھتا۔ "یہ چانک تمہیں کیا ہوگیا؟ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں، بات بات پر بچوں کو زدوکوب کرنا، ہر وقت چڑچڑا پن کا مظاہرہ، میں کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ کھوئی کھوئی بنے لگی ہو، نہ دن میں چین اور نہ رات میں تمہیں سکون مل رہا ہے۔ رات میں بستر پر کروٹیں بدلتے رہنا، یہ تمہارا ہر رات کا معمول بن گیا ہے۔ تم اپنے حال پر قابو پاؤ ورنہ بچوں کے ذہن پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے، تمہاری حالت اور تمہاری دن رات کی بے چینی دیکھ کر پھوپھو، کرامت اور اس کی بیوی بہت پریشان ہیں کہ آخر اچانک تمہیں یہ کیا ہوگیا ہے؟" سلامت نے کہا۔ "اور اپنی اماں کے گھر جانا کچھ دنوں کے لئے بالکل بند سمجھو، یہ میرا حکم ہے۔"

اماں کے گھر جانے کی پابندی کا سن کر اور بھی جلتی پر تیل کا کام ہوا۔ وہ زخمی ناگن کی طرح بپھر کر بے چین ہوگئی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ کرامت اور کرامت کے بیوی بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

بچے اپنی ماں سے بھی دور دور رہنے لگے تھے، بچے خاص طور سے کرامت کی بیوی بچوں کے کمرے میں رہتے تھے، اب تو انہوں نے ماں کے ساتھ کمرے میں رات کے وقت سونے سے بھی انکار کردیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ "امی ہر وقت بلکہ خاص طور سے رات میں زیادہ مارتی پیٹتی ہیں۔"

دبے الفاظ میں کرامت نے بھی بھائی سے شکایت کردی کہ "نہ جانے بھابھی کو کیا ہوگیا ہے کہ ہر وقت گھر کے تمام بچوں کے پیچھے پڑی رہتی ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ آپ ہی آپ نہ جانے کیا کیا دھیمے لہجے میں بڑبڑاتی بھی رہتی ہیں۔"

سلامت بیوی کی بدلتی ہوئی حالت غیر سے اب بہت زیادہ ٹینشن میں آگیا تھا لاکھ منع کرنے اور سمجھانے کے باوجود اس پر کوئی اثر ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

رات میں اسے ایک تو نیند بہت کم آتی اور آتی بھی تو اچانک نیند سے بڑبڑا کر اور چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی، اس کے چیخنے کی آواز سن کر اور حالت دیکھ کر اب تو بچے بہت زیادہ خوفزدہ ہونے لگے تھے۔

جب ایک مرتبہ وہ رات میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی تو پھر دوبارہ لاکھ کوشش کے بھی اسے نیند نہیں آتی تھی۔ بچوں نے تو صاف طور سے انکار کردیا تھا۔ "ہم امی کے کمرے میں نہیں سوئیں گے کیونکہ امی کے چیخنے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں ڈر لگنے لگا ہے۔"

سلامت نے لاکھ بچوں کو پیار سے سمجھایا مگر اپنے فیصلے سے ٹس سے مس نہ ہوئے، تو مجبوراً سلامت نے بچوں کو اجازت دے دی کہ وہ کرامت کے بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں سو جائیں۔

کرامت کے اچھا ہونے کے ٹھیک دسویں دن میکے سے چھوٹا بھائی دوڑا دوڑا آیا کہ رات میں اماں کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ کھڑی کھڑی تیورا کر فرش پر گری اور بے ہوش ہوگئی۔ بڑی مشکل سے اسے ہوش میں لایا گیا اور پھر طوعاً و قرعاً سلامت بیوی کے ساتھ اس کی ماں کی میت میں شرکت کے لئے چلا گیا۔

ان کے ساتھ کوئی بھی بچہ نہیں گیا کیونکہ سلامت نے کسی بھی بچے کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں سمجھا، اس لئے کہ میت کے گھر میں بچوں کو کون سنبھالے گا۔

کرامت اور کرامت کی بیوی کی بھی خواہش تھی کہ وہ بھی میت میں شامل ہوں گے مگر سلامت نے ان دونوں کو منع کردیا کہ ان کے جانے سے گھر بالکل اکیلا ہوجائے گا۔ اور پھر بچوں کے ساتھ ساتھ دکان بھی کھولنی تھی۔

میکے میں قدم رکھتے ہی سلامت کی بیوی اماں کے جسد خاکی پر نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑی۔ بڑی مشکل سے اسے عورتوں نے سنبھالا۔

اسے ذرا سا ہوش آتا اور پھر "ہائے میری اماں" کہہ کر دھاڑیں مارتے ہوئے بے ہوش ہوجاتی۔ خیر اماں کو نماز ظہر کے بعد دفن کردیا گیا۔

سوئم تک دونوں میاں بیوی ٹھہرے رہے، سوئم کے دوسرے دن سلامت نے گھر والوں سے معذرت چاہی، اس نے بتایا کہ آج کل کرامت کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر گھر میں اتنے بچوں کی دیکھ بھال اور اس کے علاوہ دکان کا سارا معاملہ اکیلا کرامت کو سنبھالنا بڑی مشکل ہورہی ہوگی۔

سسرال والوں نے مجبوری دیکھتے ہوئے سلامت کو آنے کی اجازت دے دی۔ سلامت نے بیوی سے کہا کہ تم چاہو تو مزید چند دن تک یہاں رہ مگر بیوی تو سلامت سے کہیں زیادہ جلدی میں تھی، نے صاف انکار کردیا کہ "بچوں کی دیکھ بھال کون کر گا، میں چالیسواں میں آؤں گی تو مزید چند دن رُ جاؤں گی۔"

بہرحال دونوں میاں بیوی گھر آگئے۔ گھر آ بیوی کی حالت مزید پہلے سے زیادہ بگڑ گئی۔ اب تو کی رات دن کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ دن تو دن رات بھر کوشش کرتی کہ ایک پل کو بھی نیند آجائے مگر نیند سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔

سوئم سے واپسی پر دو دن گزر گئے، تیسری رات آئی، سلامت گہری نیند میں سویا تھا کہ ایک فلک شگاف چیخ بیوی کی سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو بیوی سدھ بیٹھی تھی۔

چیخ اتنی بلند تھی کہ اپنے کمرے میں سو ہوئے کرامت اور اس کی بیوی بھی اٹھ کر دوڑے ہوئے ان کے کمرے میں پہنچ گئے۔

وہ ارد گرد سے بالکل بے گانہ ہو کر بے سدھ بیٹھی تھی۔ کافی بلائے جانے کے باوجود بھی اس نے ایک لفظ بھی بول کر نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

صبح ہوتے ہی سلامت نے گاؤں کے حکیم صاحب کو بلوالیا۔ حکیم صاحب نے معائنہ کیا مگر بے ان کے دماغ میں بھی کوئی حل نہیں آیا اور نہ ہی کو معقول وجہ سمجھ میں آئی کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں جس کی وجہ سے اس کی قوت گویا ختم ہوگئی تھی۔

تھک ہار کر سلامت نے کرامت اور گردھا لال سے مشورہ کیا کہ "کیوں نہ دلی میں مقیم حکیم کا دکھلایا جائے۔"

تینوں کا متفقہ مشورہ تھا کہ یقیناً انہیں حکیم کا کے پاس لے کر چلنا چاہئے اور امید ہے کہ حکیم کا ل کی بیماری کی اصل وجہ بتادیں گے اور ساتھ ہی سا علاج بھی کردیں گے۔" خیر دوسرے دن گردھا

رولوکا کے پاس پہنچ گئے اور رولوکا کو سارا معاملہ بتایا کہ "اچانک نجانے کیوں سلامت کی بیوی کی حالت ایسی ہوگئی اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم انہیں آپ کے پاس لے آئیں تاکہ آپ معائنہ کرکے بتائیں کہ بیماری کی اصل وجہ کیا ہے؟"

گردھاری لال کی باتیں سن کر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ ایک منٹ ہی گزرا ہوگا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور گمبھیر لہجے میں بولا۔ "جس کا ڈر تھا آخر وہی ہوا۔"

"کیا مطلب حکیم صاحب!" گردھاری لال نے پوچھا۔

"دراصل ان کے دل و دماغ پر صدمہ نے سکتہ طاری کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی قوت گویا سلب ہوگئی ہے۔ خیر کل کسی وقت میں حاضر ہوجاؤں گا۔ اتنی دور خاتون کو یہاں لانا ٹھیک نہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے حکیم صاحب! آپ کا بہت بہت دھنے واد، اب میں چلتا ہوں، کل دن میں ہم آپ کا انتظار کریں گے، حکیم صاحب، دراصل یہ گھرانہ بہت اچھا ہے، گاؤں کے تمام لوگوں کے دکھ سکھ میں یہ دونوں بھائی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔" گردھاری لال نے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ تشریف لے جائیں، میں کل ضرور آؤں گا۔" رولوکا بولا۔

گردھاری لال نے واپس آکر سلامت اور کرامت کو بتایا کہ حکیم صاحب کل خود تشریف لائیں گے تو دونوں بھائی بہت خوش ہوئے، اور رولوکا کو دل سے دعائیں دینے لگے۔

بہرحال دوسرے دن حسب وعدہ رولوکا سلامت کی دکان پر آگیا۔ رولوکا کو دیکھ کر دونوں بھائی بہت خوش ہوئے، رولوکا بولا۔ "سلامت میاں میرے ساتھ ذرا گھر چلیں، جہاں کہ میں آپ سے صرف اکیلے میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں، یہ ایسی باتیں ہیں کہ صرف آپ ہی سے ہوسکتی ہیں۔ کسی تیسرے فرد کے سامنے یہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔"

آیت الکرسی

1) گھر سے نکلتے وقت پڑھنے سے ستر ہزار فرشتے ہر طرف سے آپ کی حفاظت کرینگے۔

2) گھر میں داخل ہوتے وقت پڑھنے سے غربت کبھی آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوگی۔

3) وضو کے بعد پڑھنے سے ستر درجات بلند ہوتے ہیں۔

4) سوتے وقت پڑھنے سے ایک فرشتہ پوری رات آپ کی حفاظت کرے گا۔

5) ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے سے آپ کے اور جنت کے درمیان صرف موت ہوگی۔

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

سلامت اپنی جگہ سے اٹھا اور رولوکا کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑا۔ سلامت نے کرامت سے کہا۔ "کرامت تم ذرا دھیان رکھنا میں جلد ہی واپس آتا ہوں۔"

کرامت بولا۔ "بھیا آپ بے فکر ہوکر جائیں۔ میں دکان سنبھال لوں گا۔"

"رولوکا سلامت کے ساتھ گھر میں آگیا اور سلامت کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ رولوکا سلامت سے بولا۔ "کمرے میں اپنی بیوی کو ایک طرف بیٹھا کر پردہ کرادو، میں چاہتا ہوں کہ ان کی موجودگی میں باتیں کروں تاکہ وہ خود بھی میری باتیں سن سکیں۔"

سلامت نے ایسا ہی کیا۔ اپنی بیوی کو کمرے میں پردہ کرا کر بیٹھادیا۔ اس کے بعد رولوکا گویا ہوا۔

"سلامت میاں! کرامت اور کرامت کے بچے کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا۔ اس کی ذمہ دار تمہاری بیوی ہے، سب کچھ ان کا کیا دھرا ہے، انہوں نے حسد میں آکر ایسا کیا، انہوں نے سوچا کہ کرامت اور اس کی بیوی بچوں کا صفایا کرادوں اور پھر پورے گھر اور ساری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیداد پر میں رانی بن کر بیٹھ جاؤں، یہ اپنی والدہ کے پاس ان کے گاؤں گئیں، اور والدہ کے سامنے روئی پیٹیں، ان کی والدہ ایک پنڈت جو کہ سفلی عمل اور موت کی ہانڈی بھیجنے میں بہت ماہر ہے اس کی خدمات حاصل کی گئیں، اس کے لئے انہوں نے ایک معقول رقم اپنی والدہ کے ہاتھوں پنڈت کو دلوائیں۔

پنڈت نے موت کی ہانڈی بھیج کر پہلے کرامت کے بچے کو موت سے ہمکنار کیا اس کے بعد موت کا دوسرا شکار کرامت نے ہونا تھا، مگر بروقت میرے پاس آنے سے کرامت بچ گیا۔ وہ رات کرامت پر بہت بھاری تھی اور پھر آخری رات بھی تھی۔

لیکن میں نے اپنے خفیہ کارندے بھیج کر پنڈت کا وار ضائع کر دیا، اگر ذرا بھی چوک ہو جاتی تو کرامت کی موت یقینی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ سب کے سامنے ہے کیونکہ پنڈت کا بھیجا ہوا بیر، کرامت کے اندر سما گیا تھا۔ اگر کرامت موت کی ہانڈی سے نہیں مرتا تو پھر اس بیر نے اسے مار دینا تھا۔

جب کرامت بچ گیا تو اس کا دھچکا تمہاری بیوی کو لگا اور یہ جیسے انگاروں پر لوٹنے لگیں۔ اس چکر میں یہ ٹینشن کا شکار ہو گئیں اور پھر ان کی والدہ کی موت اس منصوبے کی کڑی ہے وہ اس خونی کھیل میں برابر کی شریک تھیں حالانکہ وہ آپ لوگوں کی خونی رشتہ دار تھیں۔ انہوں نے بیٹی کو سمجھانے کے بجائے اس خونی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں شریک ہو گئیں۔ تمہاری بیوی کا سارا منصوبہ فیل ہو گیا اور پھر جب اس کی اماں کا بھی ساتھ چھوٹ گیا تو انہوں نے خود کو تنہا محسوس کیا، اور اس کا اثر انہوں نے اپنے دل دماغ پر اتنا لیا کہ یہ اس نوبت کو پہنچ گئیں۔

ان کا ذہنی توازن بالکل تباہ ہو کر رہ گیا، صدمے نے ان کو اپنی لپیٹ میں کس لیا ہے، یہ کسی صورت بھی اس سکتے سے جانبر نہیں ہو سکتیں۔ سوچنے سمجھنے کی ان کی ساری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ کسی بھی ڈاکٹر یا حکیم سے کوئی بھی افاقہ نہیں ہو سکتا۔ اگر علاج کے ذریعہ

ان کے دماغ کو چھیڑا گیا تو یہ پاگل پن میں کپڑے پھاڑنا شروع کر دیں گی۔ یہ اس طرح سے عالم میں پوری زندگی گزار دیں گی۔ ان کی قوت بالکل ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ان کی سننے کی طاقت ہے، یہ سب کی باتیں سن سکتی ہیں مگر اس کا جواب دے سکتیں۔ یا کسی برائی کے متعلق کچھ کر نہیں سکتی۔

صرف کھانے پینے، نہانے دھونے، ضرو زندگی کے دیگر کام بخوبی انجام دے سکتی ہیں یہ ساری باتیں سن رہی ہیں جو کہ بالکل حقیقت پر مبنی

''تم اپنی زبان سے جو حکم دو گے یہ کریں کھانے پینے، نہانے دھونے، رات میں سونے یا اور کام کے لئے تو یہ اس کام کو بجا لائیں گی، یہ صرف صرف تمہارا حکم مانیں گی کسی اور کا نہیں۔''

اوپر والے نے جب تک ان کی زندگی لکھ اس وقت تک زندہ رہیں گی، میری ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ کرنا ورنہ لوگ اس سے بہت زیادہ خوف کریں گے، اس وجہ سے میں نے اکیلے میں صرف سے یہ باتیں کی ہیں۔

گردھاری لال اگر پوچھیں تو ان سے کہہ کہ میں ذرا جلدی میں تھا چلا گیا اور جو بیماری میں نے بتا دیا۔ یا پھر یہ کہہ دینا کہ یہ سکتے کے زیر اور اس سے جانبر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے

حکیم صاحب! کاش کہ یہ عورت یہ سب کرنے سے پہلے ہی مر جاتی تو میرے بھتیجے کی جان جاتی اور پھر میرے بھائی کو مارنے میں بھی کوئی کسر چھوڑی۔ میرے دل میں اس کے لئے کتنی نفرت ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد اٹھا لے، یہ موت سے ہمکنار ہو جائے تو زیادہ اچھا بہر حال احکام خداوندی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے ہے لیکن میں برابر دعا کرتا رہوں گا کہ یہ موت ہمکنار ہو جائے، اس نے اپنے ساتھ ساتھ ہم لوگ زندگی کو بھی جہنم بنا دیا۔ اس کے صدمے نے اسے

درگور کر دیا۔ یہ خود اپنی نظر اور دوسروں کی نظر میں بھی عبرت کا نشان بن گئی۔ خیر شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس کا ساتھ دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، آپ بھی اس کے حق میں دعا کیجئے گا کہ یہ..... اور غم سے نڈھال ہو کر سلامت نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

اچھا سلامت میاں اب میں چلتا ہوں۔ اگر آئندہ میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ملوں گا۔'' رولو کا نے کہا اور سلامت سے مصافحہ کر کے گھر سے نکلتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ادھر پنڈت کی حالت بہت غیر تھی، انتقام کی وجہ سے اس کے دل پر سانپ لوٹ رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ موت کی ہانڈی پر قبضہ کرنے والے کو کچا ہی چبا جائے۔

اس کے پاس اپنے جتنے بھی بیر تھے، وہ سب کو آزما چکا تھا، طاقتور سے طاقتور بیر سب کے سب مایوس لوٹے تھے کسی نے بھی موت کی ہانڈی کا پتہ نہیں لگایا تھا۔

بیروں کے سامنے پنڈت لمبی چوڑی ہانکتا ضرور تھا مگر اندر ہی اندر بہت زیادہ خوفزدہ تھا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ جب تک اس کی بھیجی ہوئی ہانڈی اس کے قبضے میں نہیں آ جاتی، تو کسی وقت بھی وہ ہانڈی اس کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔

ایک دن اس نے تھک ہار کر تمام بیروں کے سردار سنگھا کو طلب کیا اور بولا۔ ''سنگھا تو یہ تو نہیں پتہ کر سکا کہ ہانڈی کہاں ہے مگر اب تجھے یہ پتہ کرنا ہے کہ آخر وہ کون ہے جو ہانڈی لے اڑا ہے؟ اس کا اتہ پتہ کیا ہے؟ اور جس نے بھی اس ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کیا ہے، ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کئے بنا اسے ہم مار بھی نہیں سکتے، ہاں! یہ ہم کر سکتے ہیں کہ اس کو اتنا ہلکان اور پریشان کر دیں، اس کا چین سکون برباد کر دیں کہ وہ اپنی زندگی سے عاجز آ جائے اور پھر تھک ہار کر ہمارے آگے جھک جائے اور موت کی ہانڈی سے دست بردار ہو جائے۔

سنگھا تجھے ہر حال میں یہ کام کرنا ہے، اس مورکھ کا پتہ لگانا ہے، ورنہ میرے ساتھ ساتھ تیرا بھی اس سنسار سے خاتمہ ہو جائے گا۔ اب تو ترنت جا اور اپنی ساری شکتی کے بل بوتے پر اس مورکھ کا پتہ کر کے آ۔ میں تیرا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گا۔ اگر تو اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتا ہے تو یہ کام جلدی سے کر کے آ جا، ارے میرا کیا ہے اگر میرا خاتمہ ہو گیا تو میں چتا کے حوالے کر دیا جاؤں گا مگر تیرا کیا بنے گا سنگھا، اب تو جا۔'' پنڈت نے کہا۔

پنڈت سے کہیں زیادہ سنگھا بھی حیران و پریشان تھا کیونکہ ایک تو وہ تمام بیروں کا سردار تھا اور پھر دوسرا مسئلہ اس کا اپنا وجود بھی داؤ پر لگ چکا تھا۔ وہ پھرکی کی طرح ہر جگہ چکر کھاتا پھر رہا تھا۔

ہندوستان کا چپہ چپہ وہ چھان رہا تھا کہ اس کا گزر اچانک مطب وقار کے پاس سے ہوا تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

رولو کا سلامت اور کرامت کے کیس کا ذکر حکیم وقار سے کر رہا تھا، اور پھر اس کیس میں جو ذکر موت کی ہانڈی کا ہوا تو سنگھا کو رکنا پڑا، اور پھر اس طرح وہ حقیقت اس پر آشکار ہو گئی کہ رولو کا نے ہی موت کی ہانڈی کو اپنے نادیدہ کارندوں کے ذریعہ کسی خفیہ مقام پر چھپا دیا ہے۔

پوری تفصیل کے بعد سنگھا کو یقین ہو گیا تو وہ فوراً پنڈت کی طرف آناً فاناً بھاگا اور پنڈت کے سامنے آ کر ساری تفصیل بتا دی اور حکیم وقار کے مطب کا پتہ اور ساتھ ہی رولو کا کا نام بھی پنڈت کو بتا دیا۔

سنگھا کی باتیں سن کر پنڈت بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''سنگھا تو واقعی قابل تعریف ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے تجھے تمام بیروں پر برتری دی ہے تجھے سب کا سردار بنا رکھا ہے۔

اب میں اس رولو کا کی ایسی کی تیسی کر دوں گا، اس مطب کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا، رولو کا نامی یہ شخص کیا یاد کرے گا کہ کسی شکتی سالی اور گیانی سے پالا پڑا ہے۔

میں اس مورکھ رولو کا کا وجود سنسار سے مٹا کر رکھ دوں گا۔ میں اسے ماروں گا نہیں بلکہ کالی دنیا کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اذیت ناک سزا سے دوچار کردوں گا۔

یہ مورکھ رولو کا اگر مرنا بھی چاہے گا تو مر نہیں سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ جو بھی اس سے تعلق رکھتا ہے اسے بھی میں نشٹ کر کے رکھ دوں گا۔ اب میں بہت جلد موت کی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کرلوں گا۔

سنگھا اب تو اس مورکھ کو نشٹ کرنے کے لئے تیار ہوجا۔ اپنے ساتھ جتنے بھی بیروں کو رکھنا چاہتا ہے رکھ لے، اس معاملے میں تجھے آزادی ہے۔ اب تیری بہادری کا ثبوت سامنے آتا ہے، تجھ میں کتنی طاقت ہے یہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، ابھی تک تو تو صرف زبانی کلامی اپنی طاقت کا پرچار کرتا رہا ہے مگر اب تیری بہادری اور طاقت سامنے آئے گی کہ تو کتنے پانی میں ہے اور کتنا کٹھن کام کرسکتا ہے۔

اس مورکھ رولو کا نے میری بھیجی ہوئی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کوئی عام آدمی نہیں ہے، وہ بھی شکتی رکھتا ہے۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرے منتروں کے آگے ٹھہر سکے گا۔ اس نے کالی شکتیوں کو للکارا ہے تو اسے اس کا مزہ چکھانا پڑے گا۔

سنگھا اپنی تیاری کو مکمل رکھ، اور صرف میرے اشارے کا انتظار کر لیکن سوچ سمجھ کر اندھے پن کا ثبوت نہیں دینا، اور ویسے بھی میں اپنے کچھ جاننے والوں سے پہلے مشورہ کرلوں۔" پنڈت بولا۔

پنڈت کے پاس سے سنگھا غائب ہوگیا، اس کے بعد پنڈت کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

کافی غور وخوض کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ چند اپنے جاننے والوں سے مشورہ کرے۔ لہٰذا وہ اٹھا اور اپنے منتر جنتر کے ذریعہ کئی جگہ اپنا پیغام روانہ کردیا۔

پنڈت کا پیغام ملنا تھا کہ ترنت بے شمار کالی دنیا کے مہان گیانی پنڈت کے پاس آگئے۔ پنڈت نے سب کا پرتپاک استقبال کیا۔ سب سے پہلے تو پنڈت نے اپنے طریقہ پر ان تمام کی خاطر تواضع کی، جب اس سے وہ فارغ ہوگیا تو وہ اپنے مقصد کو بیان کرنے لگا۔

"سفلی اور کالے منتروں کے آپ سب مہان شکتی شالی ہیں، ایک مورکھ نے میری بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کو چھل کر کے اپنے قبضہ میں کرلیا ہے۔ میری جہاں تک شکتی کام کرتی ہے لیکن میں نے سوچا کہ اس معاملے میں اپنے منتروں سے بھی رابطہ کر کے ان سے مشورہ کرلوں تاکہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔"

"آپ لوگوں کا بہت بہت دھنے واد کہ آپ لوگ میرے پاس آئے، اب مجھے آپ سب کے مشورے درکار ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ سب مجھے اچھا مشورہ کے علاوہ اپنی مدد بھی میرے ساتھ رکھیں گے، تاکہ میرے پروگرام اور میرے منصوبے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ میری اچھا ہے کہ آپ لوگ میرا ساتھ دیں تاکہ میں اس مورکھ کو نشٹ کرسکوں، آپ لوگوں کی اچھا کیا ہے؟" پنڈت بولا۔

"پنڈت کی باتیں سن کر سب کے سب چند سیکنڈ کے لئے بالکل خاموش ہوگئے اور ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

ان سب میں ایک شخص جو کہ بہت عمر رسیدہ تھا، وہ اٹھا اور بولا۔ آپ کی بات سن کر ہم نے اندازہ لگالیا ہے کہ جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ بھی کوئی عام منش نہیں، وہ بھی بہت زیادہ شکتی شالی لگتا ہے، کیونکہ موت کی ہانڈی کی رفتار اور طاقت کو روکنا کوئی آسان کام نہیں، اگر کوئی کچا آدمی اس میں ہاتھ ڈالتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔"

"اور پھر سب سے زیادہ سوجھ بوجھ کی بات یہ ہے کہ موت کی ہانڈی کو قبضے میں کر کے نیچے اتارنا، اور پھر اسے کسی خفیہ جگہ چھپا دینا کہ بڑے سے بڑا بیر بھی جلدی سے پتہ نہ کرسکے، یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ بغیر سوچے سمجھے انتہائی قدم اٹھانا عقلمندی نہیں بلکہ بیوقوفی ہوگی۔ سب سے پہلے اس کی طاقت کا اندازہ لگانا پڑے گا اور اگر دیکھا جائے تو اس کی طاقت کا اندازہ لگا ہو چکا ہے، کیونکہ آپ کا سب سے بڑا بیر سنگھا بھی موت کی ہانڈی کا پتہ نہیں لگا سکا ہے، لہٰذا میرا مشورہ سب کے لئے یہ ہے کہ تمام شکتی شالی لوگ جو یہاں موجود ہیں

سب کے سب سوچ بچار کرلیں، پھر اس کے بعد کوئی اٹل قدم اٹھائیں، ورنہ اس معاملے میں اپنا ہی نقصان ہوگا۔"

یہ بول کر وہ عمر رسیدہ شخص بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد سب کے سب آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ان سب کے صلاح مشورے سے لگ رہا تھا کہ سارے لوگ اچانک کوئی قدم اٹھانے سے گریز کررہے ہیں۔

بہرحال تھوڑی دیر میں میٹنگ برخواست ہوگئی، سب کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ "ہم سب بہت سوچ بچار کے بعد آپ کی مدد کریں گے، مدد کرنے میں ہم کسی صورت پیچھے نہیں رہیں گے کیونکہ ایک عام سا پجاری دنیا سے ہٹ کر کالی دنیا کے کسی شکتی شالی کی جان کا دشمن بن گیا ہے اور اس طرح اس نے کسی ایک کے ساتھ ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ پوری کالی برادری کے لوگوں کے ساتھ اس نے ظلم کیا ہے۔" اور یہ بول کر سب کے سب جہاں جہاں سے آئے تھے اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے۔

ان سب کے جانے کے بعد پنڈت کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود ہی خود بڑبڑانے لگا۔ "ارے کسی کا کیا جائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کے سوچ بچار تک میری ہتھیا نہ ہوجائے۔"

اچانک پنڈت نے سنگھا کو آواز دی تو ترنت سنگھا مؤدبانہ انداز میں حاضر ہوگیا۔ "گروجی! کیا حکم ہے؟"

"سنگھا میں نے بہت سوچ بچار کرلیا، تو اپنے ساتھ بیروں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر سب سے پہلے دلی میں حکیم وقار کے دواخانہ پر حملہ کردے۔ حملہ اتنا زوردار ہونا چاہئے کہ دواخانہ بالکل تہس نہس ہوجائے، کوئی بھی چیز اپنی اصلی حالت میں نہ رہے، اس کے بعد میں دوسرا حکم دوں گا۔"

پنڈت کا حکم سن کر سنگھا نے خفیہ اشارہ سے تمام بیروں کو چوکس کردیا۔ بیروں کی عجیب عجیب خوفناک شکلیں تھیں۔ اگر عام انسان انہیں دیکھ لے تو ویسے ہی دہل کر مر جائے۔ بڑے بڑے کان، بڑی بڑی دو انگارہ برساتی آنکھیں اس کے علاوہ ایک اور بھی بہت بڑی آنکھ ان کی پیشانی پر نظر آتی تھی۔ بہت موٹے اور بھدے ہونٹ اور ہونٹوں کے سائیڈ سے دو بڑے بڑے نظر آتے دانت، ان سب کا بھنگ اور رنگ اور جب وہ منہ کھولتے تو منہ سے نکلتے ہوئے شعلے اور یہی نہیں بلکہ وہ اپنی سانس خارج کرتے تو ایسا لگتا کہ جیسے بہت زور کی آندھی چل پڑی ہو۔ سب کے ہاتھ میں عجیب وغریب طرح کے بے ڈھنگے ہتھیار بھی موجود تھے۔ وقفے وقفے سے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی تھیں۔

سنگھا کا آخری اشارہ ملتے ہی وہ سب اپنی جگہ سے اوپر کو اٹھنے لگے، ان کے اوپر اٹھتے ہی ایسی خطرناک آوازیں نکلنے لگیں، جیسے کہ جب کوئی زبردست طوفان آتا ہے تو اس طوفان میں خطرناک اور جان لیوا آوازیں آنے لگتی ہیں۔

اس وقت رولو کا حکیم وقار کے مطب میں بیٹھا تھا کہ اچانک چشم زدن میں اس کے ایک کارندہ نے ایک خفیہ اشارہ کیا تو رولو کا چونک پڑا اور اس نے فوراً اپنی شہادت کی انگلی اوپر کو اٹھا کر گول دائرے میں گھمانے لگا۔ اس کی انگلی سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکل کر فضا میں منتشر ہونے لگی تھیں۔ اور پھر پوری فضا میں ایک انجانی گونج پیدا ہوگئی۔

اچانک پورا علاقہ ایک زبردست طوفان کی زد میں آگیا۔ طوفان کیا تھا بلکہ گرد وغبار کا جیسے سمندر امڈ آیا ہو، عام طوفان نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ سائیکلون طوفان تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہوا مزید زور پکڑتی جارہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے کی تو کوئی گنتی نہیں، بڑے بڑے تناور درخت جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتے ہوئے اوپر کو اٹھنے لگے تھے، اردگرد کے تمام مکانات منہدم ہوکر زمین بوس ہونے لگے تھے۔

ہوا میں ایک عجیب طرح کی گونجدار آواز شامل تھی، کسی فرد میں اتنی طاقت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اپنی آنکھیں کھول کر اڑتی ہوئی چیزوں پر نظر جما سکے۔ ہوا میں چھوٹی بڑی چیزیں بلکہ انسان فٹ بال کی طرح ہوا میں معلق ہوکر اڑتے پھر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے مطب کی حالت دیگر گوں اور خستہ تھی۔ ہر آدمی اپنے تئیں یہی سوچ رہا تھا کہ آج اس کی زندگی کی یہ آخری رات ہے، کل صبح کا سورج وہ نہیں دیکھ پائے گا۔

خوفناک اور بھیانک حالات کے پیش نظر ایک لمحہ کو تو رولوکا دہل کر رہ گیا۔ اسے فکر تھی تو صرف اس علاقے کے مکینوں کی اور مطب کی اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اس وقت حکیم وقار کس حال میں ہوں گے۔

اچانک رولوکا کے ذہن میں ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر چمکا اور پھر چشم زدن میں رولوکا اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔

طوفانی ہوا میں اب بجلی کی کڑک شامل ہو گئی تھی، بجلی جب کوندتی تو ایک عجیب مہیب اور ڈراؤنا منظر نظر آنے لگا تھا اور پھر یہی نہیں طوفانی ہواؤں میں زبردست بارش شامل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد تو بادلوں کی گھن گھرج آواز نے لوگوں کے رہے سہے اوسان خطا کرنے شروع کر دیئے۔

لوگوں نے قیامت کے بارے میں سن رکھا تھا مگر آج اپنی آنکھ سے قیامت کا منظر دیکھ رہے تھے۔

رولوکا اپنی جگہ اور مطب کے حدود سے باہر نکلا تو ایک بہت ہی دلخراش منظر دیکھا۔ کالی دنیا کی نادیدہ قوتوں کا ایک جم غفیر تھا۔ بے شمار بلکہ لاتعداد بیر اور بھٹکی ہوئی آتمائیں، مطب کے اردگرد اور قرب و جوار میں صف آراتھیں اور ان کی وجہ سے ناقابل فراموش طوفانی منظر رونما ہوا تھا۔

جس وقت رولوکا مطب کے حدود سے باہر نکلا تھا، اس وقت ان طاقتوں نے کچھ عجیب سا محسوس کیا تھا، مگر ان کی تمام طاقت یہ جاننے سے قاصر تھی کہ کوئی انجانی قوت ان کے درمیان سے نکل رہی ہے۔

سب سے اچنبھے میں ان طاقتوں کا سرکردہ سربراہ سنگھا تھا، اس نے اپنی تمام قوتیں اس سمت مرکوز کر دیں جس طرف سے وہ انجانی قوت باہر کو جا رہی تھی، وہ بہت بے چین ہو گیا تھا۔ اور وہ جان گیا تھا کہ وہ انجانی قوت اس کی پہنچ سے بہت دور ہے، اس قوت کو زیر کرنا یا پھر اسے ایک محدود دائرے میں مقید رکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

اور وہ انجانی قوت یا طاقت رولوکا کی ذات تھی۔

رولوکا بڑے آرام و سکون سے ان کے دائرے سے باہر نکلا، وہ اطراف میں رکنے کے بجائے اوپر کو اٹھتا چلا گیا۔ کافی اوپر جا کر اس نے کالی طاقتوں کے اوپر ایک خفیہ دائرہ کھینچ دیا۔ رولوکا اپنے تمام کارندوں کو پہلے ہی چوکس کر چکا تھا، کارندوں کو چوکس رہنے کا حکم تھا انہیں کوئی قدم اٹھانے کا حکم نہیں تھا۔

رولوکا کے تمام خفیہ کارندے چاروں طرف میں پھیل گئے اور جب رولوکا مطمئن ہو گیا کہ کالی طاقتوں کے گرد ایک مضبوط حصار قائم ہو چکا ہے تو رولوکا نے اپنے کارندوں کو ایک خفیہ سگنل دیا اور پھر تمام کارندوں کے ذریعہ ایک عجیب و غریب پیلی روشنی چاروں طرف ایک دائرہ کی شکل میں پھیل گئی۔

روشنی کا، کالی طاقتوں کے گرد پھیلنا تھا کہ انہوں نے چیخ و پکار شروع کر دی، بھاگ دوڑ اور اچھل کود کا کربناک منظر رونما ہو چکا تھا۔ تمام بیروں اور آتماؤں کا وجود ایک طلسمی آگ کی حدت سے جھلسنا شروع ہو گیا۔

ویسے رولوکا نے ایک طرف ہلکا دباؤ رکھا تھا کہ کچھ بیر اور آتمائیں خود کو بچا کر بھاگ سکیں، رولوکا نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ بچ بچا کر جانے والے بیر اور آتمائیں پنڈت کو بتا سکیں کہ پنڈت تمہارا مقابلہ جس سے پڑا ہے وہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، اور اس طرح پنڈت انتقام کی آگ میں لوٹنا شروع کر دے گا۔ اس کا چین و سکون غارت ہو کر رہ جائے گا۔

اور ہوا بھی یہی جب بھاگنے والے کچھ بیر اور آتمائیں پنڈت کے سامنے پہنچیں تو انہیں دیکھ کر پنڈت بدحواس ہو گیا، وہ سکتے میں آ گیا، اس کی عقل دنگ رہ گئی، وہ ٹکر ٹکر اپنے کارندوں کو دیکھنے لگا اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

سنگھا کی حالت بھی بہت غیر تھی کیونکہ اس نے

اور دیگر بیروں کے ساتھ مل کر جس طرف رولوکا نے بہت کمزور حصار خود سے کیا تھا، اسے توڑ کر سنگھا اور اس کے ساتھی فرار ہوئے تھے۔ سنگھا بہت زیادہ زخمی تھا اور پھر بھاگنے والے بیر اور آتمائیں بھی زخمی تھیں۔

پنڈت کو خاموش دیکھ کر سنگھا کربناک حالت میں بولا۔ ”گرو! آپ نے جسے ترنوالہ سمجھا تھا، وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے بھی کہیں زیادہ مضبوط نکلا۔ اس سے مقابلے کا نتیجہ اور ثبوت آپ کے سامنے ہے، آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ہماری طاقت کتنی ہے، آپ نے کس قدر طاقتور بیروں اور آتماؤں کو اکٹھا کر کے بھیجا تھا مقابلے کے لئے، شروع میں تو ہم نے بہت زبردست حملہ کیا تھا تاکہ اس جگہ کی ساری چیزیں نشٹ ہو جائیں، ہم نے اپنی پوری طاقت لگا دی تھی۔

مگر ہم نے اپنے مدمقابل کی طاقت کا اندازہ نہیں کیا تھا، ہمیں معلوم نہ تھا اور نہ ہی آپ نے بتایا تھا کہ ہمارا مدمقابل کتنا طاقتور ہے، حالانکہ آپ کو ہمیں بتانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے قائم کردہ گھیرا اور حصار کو توڑ کر ہمارے درمیان سے باہر کو نکلتا چلا گیا، ہم اسے روک نہ سکے، کیونکہ آپ نے ہمیں جتنا طاقتور بنایا ہے ہم اسی شکتی کے مالک ہیں۔

”ہمارا دشمن ہم سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔“ سنگھا نے کہا۔

”سنگھا! بند کر اپنی بکواس! میرے سامنے میرے دشمن کی تعریف کر رہا ہے۔ اگر آئندہ تو نے دشمن کی طاقت کا ذکر کیا تو میں تجھے نشٹ کر کے رکھ دوں گا۔ جا چلا جا میری نظروں کے سامنے سے! جو بھی تو ہے میرا غلام ہے، تیری ہمت کیسے ہوئی کہ میرے دشمن کا میرے سامنے گن گائے، اس وقت میری نظروں سے دور ہو جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں.....“ اور پنڈت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیونکہ سنگھا پنڈت کے سامنے سے غائب ہو چکا تھا۔

پنڈت زخمی سانپ کی طرح پھنکارنے لگا تھا۔ اس کے پورے وجود میں انتقام کی آگ بھر گئی تھی۔

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ، یمنی، عمیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہو جائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد، نیک، میاں کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مردو عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ناراض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۂ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826-0333-2327650

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر

بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے اپنے بیروں کی شکست کا زیادہ افسوس نہیں تھا بلکہ اسے تو اپنی جان جانے کا ڈر تھا کیونکہ اس کی بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی ابھی تک لا پتہ تھی۔ جسے رولوکا نے اپنے کارندوں اور جاگتے الو کی حفاظت میں دے رکھا تھا۔

اس معرکہ میں پنڈت کے بے شمار بیر مارے گئے تھے، کچھ طلسمی حصار سے ٹکرا کر جل مرے تھے اور کچھ اوپر سے برستی ہوئی آگ میں جھلس گئے تھے۔ جب رولوکا کو اطمینان ہوگیا کہ اب دشمن پسپا ہو کر بھاگ چکا ہے تو مطب کے قرب و جوار کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ قرب و جوار اور مطب کی ساری چیزیں بخیر و عافیت سے تھیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ نظروں کا دھوکا تھا۔

کیونکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ شر پسند اور کالی طاقتیں لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں، وہ لوگوں کو ڈرا کر خوفزدہ کردیتی ہیں، ایسا کرنے کا ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خوفزدہ ہو کر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور ان کے راستے سے ہٹ جائیں اور اس طرح وہ اپنی من مانی کرتی رہیں۔

تمام پیڑ پودے اور قرب و جوار کا علاقہ بلکہ مطب بھی محفوظ تھا۔ مطب میں رہنے والے اور حکیم وقار بھی آرام و سکون میں تھے۔ کسی کو یہ بھی پتہ نہ چلا تھا کہ رات میں اتنا زبردست خونی طوفان آیا تھا۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتے پھر رہے تھے۔

صبح کے وقت جب حکیم وقار کی رولوکا سے ملاقات ہوئی تو حکیم وقار نے رولوکا کو دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ رولوکا رات بھر سویا نہیں بلکہ پوری رات جاگتا رہا ہے۔ پہلے تو انہوں نے بڑے غور سے رولوکا کے چہرے پر اپنی آنکھیں مرکوز رکھیں پھر گویا ہوئے۔ ”کیوں بھئی! کیا رات بھر سوئے نہیں۔ چہرے کی رنگت بتا رہی ہے کہ رات بھر جاگتے رہے ہو! اور ابھی بھی دماغ پر وزن لگ رہا ہے، خیریت تو ہے؟ کیا کسی زبردست شے سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ کہیں پنڈت سے آمنا سامنا تو نہیں ہوگیا؟“

”جی حکیم صاحب! کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے، دراصل اس نے کچھ پیسوں کے لالچ میں ایک گھرانے کی تباہی و بربادی پر کمربستہ ہوگیا تھا۔ اس نے ان صاحب کے بڑے بیٹے کو موت سے ہمکنار کردیا۔ پھر وہ ان صاحب کی موت کے لئے موت کی ہانڈی بھیجی مگر اس کی بدقسمتی کہ میں درمیان میں آ گیا۔ میں نے اس کے خونی وار کو ضائع کردیا، یہی نہیں بلکہ اس کی بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کو اپنے قبضے میں کر کے ایک خفیہ مقام پر منتقل کردیا ہے، اس وجہ سے پنڈت آگ پر لوٹ رہا ہے، اس کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں، اگر وہ ہانڈی اسے نہ ملی تو پھر آخر کار اس کی موت یقینی ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے، وہ اپنی ہر طرح کی کارروائی مجھے گھیرنے کے لئے کر رہا ہے، رات میں بھی اس نے اپنے بیروں کے ذریعہ مصنوعی طوفان کا ریلہ بھیجا تھا، بس آپ یہ سمجھ لیں کہ سائیکلون سے بھی بڑھ کر وہ طوفان تھا، سارا کچھ مجھے بے بس کرنے کے لئے تھا۔

لیکن میں اس کے نرغے سے نکل گیا۔ اس کا وار خالی گیا۔ اب وہ آئندہ چین سے بیٹھے گا نہیں بلکہ نت نئے وار کرتا رہے گا اور اس وقت وہ ایسا کرے گا جب تک وہ موت کی ہانڈی اس کے ہاتھ نہیں لگ جاتی۔

میں ذرا اسی لئے فکرمند ہوں کہ کم بخت مطب کے لئے کوئی کارروائی نہ کر بیٹھے، یہاں پر بہت سارے ملازم اور پھر آپ کی ذات بھی ہے، ویسے گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں نے مطب اور قرب و جوار کے گرد ایک طلسمی حصار قائم کردیا ہے اور یہ حصار ایسا ہے کہ اس کے بڑے سے بڑے کارندے بھی اس حصار کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔

بہرحال یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کے ہتھکنڈوں کے متعلق سوچتا ضرور ہے۔ وہ بہت فکرمند ہے کہ میری ذات کو کس طرح نشانہ بنائے۔

اس مسئلے کے لئے وہ بہت دور تک جاسکتا ہے، پوری کالی دنیا کو کھنگال ڈالے گا۔ وہ پیسے کا بہت لالچی ہے اور لالچی انسان کی سوچ مثبت نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ منفی سوچ کے ساتھ دوسروں کا نقصان کرتا رہتا ہے اور یہی حال اس پنڈت کا ہے۔

وہ بھی بہت بڑی طاقت کا مالک ہے، اس کی پہنچ بھی بہت دور تک ہے، اس کی شناسائی کالی دنیا میں بڑے بڑے گیانی لوگوں سے ہے، بلکہ یہی نہیں زیادہ طاقتور شکتی شالی آتماؤں سے بھی ہے، اس کی ایک آواز پر سینکڑوں بیر سر کے بل آجاتے ہیں۔“ رولوکا بولا۔

”ارے بھئی! اگر یہ بات ہے تو ذرا بچ بچا کر قدم اٹھانا، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اور ویسے بھی جو حق پر ہوتا ہے تو اس کی مدد اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دینے والوں کی مدد کرتا ہے اور ناحق کے پرستاروں کی ہمیشہ پسپائی ہوتی ہے، وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتے ہیں، انہیں راہ فرار نہیں ملتا وہ اپنی موت آپ مرجاتے ہیں، لوگوں کا برا چاہنے والے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ برائی کے راستے پر چلنے والے شیطان مردود کے پیروکار ہوتے ہیں، ایسے لوگوں پر شیطان حاوی ہوتا ہے۔

بہرحال دشمن کو کسی بھی حال میں کمزور نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ دشمن ہمیشہ چھپ کر وار کرتا ہے، آپ ذرا بھی غفلت نہیں برتئے گا، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد ضرور کرے گا، آپ اپنے مقصد میں سرخرو ہوں گے۔“ حکیم وقار نے کہا۔

”حکیم صاحب! دراصل میں پنڈت کو زیادہ ہلکان کرنا چاہتا ہوں اور کالی دنیا میں جو اس کے جاننے والے ہیں انہیں سبق بھی دینا چاہتا ہوں کہ چند ٹکے کے چکر میں انسانی جان سے کھیلنا ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ کسی کی جان لینا آسان نہیں، اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور خونی لوگوں کا خاتمہ بھی کردیتے ہیں۔

اگر میں چاہوں تو پنڈت کو چٹکی بجاتے موت سے ہمکنار کردوں گا کیونکہ اس نے کرتوت ہی ایسے کئے ہیں جو کہ معافی کے قابل نہیں۔ اس نے ناحق ایک اچھے بھلے بچے کو موت سے ہمکنار کیا۔ اگر اچانک میں رکاوٹ نہیں بنتا تو اس خاندان کے چھ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔“ رولوکا بولا۔

”آپ کے ارادے نیک ہیں، آپ اس مسئلے کو جلد از جلد نمٹا دیں تاکہ آپ کو بھی سکون ملے، ورنہ آپ ٹینشن کا شکار رہیں گے۔“ حکیم وقار نے کہا۔

”حکیم صاحب! ویسے ہوسکتا ہے کہ میں اس چکر میں چند روز مطب میں نظر نہ آؤں لیکن پل پل میری نظریں مطب پر اور آپ لوگوں پر رہیں گی۔ اگر کوئی اس درمیان آجائے اور میری ضرورت ہو تو، آپ اسے چند روز کے لئے ٹال دیجئے گا، ویسے مجھے امید ہے کہ بہت جلد پنڈت کا خاتمہ ہوجائے گا۔“ رولوکا نے کہا۔

”ٹھیک ہے! ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔“ حکیم وقار نے کہا۔

ادھر پنڈت کا دن کا چین اور رات کا سکون برباد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جتنا رولوکا کے متعلق سوچتا اس کی سوچ محدود ہوجاتی۔ آخر تنگ ہار کر اس نے اپنے گرو سے رابطہ کرلیا۔

اس کے گرو نے اپنا جیون تیاگ کر ہمالیہ کے ایک گھپا میں اپنے آپ کو مقید کردیا تھا۔ تپسیا کے چکر میں۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ پنڈت سجدے میں گرا، اپنی تپسیا کے زور پر گرو کو طلب کر رہا تھا۔ وہ تپسیا کرتے کرتے گڑگڑانے لگا۔ گرو میری سہائتا کرو، گرو میں کشٹ میں پڑ گیا ہوں، میرا دن کا چین اور رات کا سکون مجھ سے چھن گیا ہے، کسی نہ کسی وقت میری مرتیو ہوسکتی ہے۔ ایک مورکھ دشمن سے ٹکراؤ ہوگیا ہے وہ ہمارے دھرم کا نہیں بلکہ کسی غیر دھرم کو ماننے والا ہے۔ گرو! مجھے بچالو..... گرو مجھے بچالو.....“ اس قسم کی گردان پنڈت کرتا رہا۔

”شنکر میں آ گیا ہوں! آخر تیری تپسیا نے مجھے ہمالیہ کی گپھا سے یہاں آنے پر مجبور کردیا۔ میں تیری سہائتا ضرور کروں گا، یہ تو ماننا پڑے گا کہ تیرا دشمن بھی طاقتور ہے۔ تجھے بچ بچا کر قدم اٹھانا پڑے گا۔ جلد بازی میں تو اپنے بے شمار بیروں کو مروا بیٹھا ہے۔ تیرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دایاں بازو سنگھا بھی بہت زخمی ہوگیا ہے۔ پہلے سے وہ زیادہ کمزور ہوگیا ہے، اسے تو اب نہیں چھیڑنا، میں تجھے اپنا ایک زبردست بیر تیرے ساتھ کردوں گا، تو اس سے سوچ سمجھ کر کام لینا، مگر سب سے پہلے تو اسے سات بکروں کی بلی دے گا، تو پھر وہ تیرا کام کرے گا۔ بول راضی ہے۔'' گرو کی آتما نے پوچھا۔

''جی گرو! میں راضی ہوں، آپ کا بہت بہت دھنے واد۔'' آپ کا بہت بہت دھنے واد۔'' پنڈت نے سجدے میں رہتے ہوئے جواب دیا۔

''شنکر! اپنا سر اوپر اٹھا۔ کل دن میں جو سامنے جنگل ہے وہاں سات بکرے لے جانا، ان کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کرنا اور ساتوں بکروں کا خون کسی بڑے برتن میں جمع کرلینا۔ وہ خون سے بھرا برتن اور بکروں کے سارے دھڑ اس جگہ چھوڑ کر آجانا۔ بیر کا نام جگرام ہے، اس کے نام پر بکروں کی بلی دینا، اس طرح وہ تیرے حکم کا پابند ہوجائے گا۔

میں نے تجھے ایک منتر بتایا تھا۔ جس کے شبد ہیں۔ ''گرجا گر جتا کالا کوا بھنا تارا تورے.....'' اس منتر کی تپسیا کر، تو اپنے مقصد میں سپھل ہوجائے گا۔ مگر بچ بچا کر قدم اٹھانا، جلد بازی میں تیرا خود کا نقصان ہوسکتا ہے، اچھا اب میں چلتا ہوں، سمے بیت رہا ہے۔ اپنا بہت بہت خیال رکھنا، ویسے تو غلطی تو کر ہی چکا ہے۔''

اور پھر پنڈت کے گرو کی آتما غائب ہوگئی۔

صبح ہوتے ہی پنڈت نے سات بکرے اچھے داموں خرید لئے اور اپنے چار چیلوں کے ساتھ گاؤں کے کنارے جو جنگل تھا اس میں بکروں کو لے کر چلا۔

جنگل میں بکروں کو لے جا کر بہت بڑے چھرے سے ان کی گردن الگ کرکے سارا خون ایک بڑے مٹی کے برتن میں جمع کرلیا اور پھر بلند آواز سے بولا۔ ''جگرام! تیری خوراک یہاں موجود ہے، آ کر اس پر قبضہ کرلے، اب تو میرے حکم کا پابند ہوگا۔ تیرے لئے گرو کا حکم ہے۔''

اور پھر پنڈت اپنے چیلوں کو لے کر گھر آ گیا۔ اس کے چاروں چیلے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دن گزر گیا اور پھر رات آ گئی۔ رات بارہ بجے پنڈت نے آواز دی۔ ''جگرام..... جگرام۔'' تین آواز پر ایک دیوہیکل کالا بھجنگ عجیب شکل و صورت کا شخص حاضر ہوگیا اور بولا۔ ''پرنام مہاراج!'' گرو کی آگیا پر میں حاضر ہوں، آج سے میں آپ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو میرے بس میں ہوگا، جو کام میرے بس سے باہر ہوگا، وہ میں نہیں کروں گا۔ گرو کا میرے لئے یہی حکم ہے۔ امید ہے آپ مجھے زیادہ پریشان نہیں کریں گے۔'' جگرام نے کہا۔

''جگرام! میرا ایک دشمن ہے، اس نے مجھے بہت زیادہ پریشان کرکے رکھ دیا ہے، اس نے میرا چین سکون چھین لیا ہے، ایک منش کے پاس میں نے موت کی ہانڈی بھیجی تھی، میرے اس دشمن نے موت کی اس ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کرکے جانے کہاں چھپا دیا ہے، اگر وہ ہانڈی میرے قبضہ میں نہیں آتی تو پھر میری موت یقینی ہے۔

جگرام! تجھے اس ہانڈی کا پتہ لگانا ہے اور پھر اس منش کا خاتمہ بھی کرنا ہے، اس منش کا نام ''رولوکا'' ہے۔ وہ کچھ زیادہ ہی اپنے آپ کو شکتی شالی سمجھتا ہے، کئی مرتبہ چھل کرکے میرے وار سے بچ نکلا ہے۔

جگرام! تو نے ہر حال میں اس مورکھ ''رولوکا'' کو نشٹ کرنا ہے۔ سب سے پہلے تو نے اس ہانڈی کو ڈھونڈ کے لانا ہے، کیونکہ ہانڈی اگر نہیں ملی تو پھر میرا جیون ختم ہوجائے گا، ہانڈی ملنے کے بعد نے اس مورکھ رولوکا کو بھی ڈھونڈنا ہے کیونکہ مورکھ بہت زیادہ چھل باز ہے۔ مورکھ ''رولوکا'' کو حال میں تو نے ختم کرنا ہے۔ رولوکا کا کٹا ہوا سر چاہئے؟'' پنڈت نے کہا۔

(جاری ہے)

کالا مندر

صفدر شاہین۔ ملتان

اچانک ایک عجیب الخلقت، پرہیبت، بدشکل اور ناقابل یقین روح فرسا گھٹا ٹوپ اندھیرے کا سینہ چیرتا وجود ظاہر ہوا اور پلک جھپکتے ہی دہشت پھیلا دیا۔

جنتر منتر اور جادوئی اہمیت کی حامل..... ایک منفرد خوفناک اور دہشت ناک کہانی

''**سادھو** مہاراج کی..... جے ہو..... سادھو مہاراج کی..... جے ہو.....'' لحیم شحیم تن و توش کے مالک سادھو مہاراج کے مندر میں داخل ہوتے ہی مندر کے پجاری کھڑے ہوکر نعرے لگانے لگے۔

سادھو مہاراج کے اندر داخل ہوتے ہی اس کے پیچھے چند دوسرے لوگ بھی ایک نوجوان لڑکی کو تھامے اندر داخل ہوئے۔ سادھو مہاراج چبوترے پر موجود بڑی سی کرسی پر بیٹھ گیا اور پجاری اس کی تعظیم میں جھک گئے۔ جو لوگ سادھو مہاراج کے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے وہ لڑکی کے ساتھ ہی ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ پجاری جب سادھو مہاراج کو تعظیم دینے کے بعد سیدھے ہوئے تو سادھو مہاراج نے پجاریوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ فرش پر بچھی دری پر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد سادھو مہاراج نے ان چند لوگوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف دیکھا جواب ایک کونے میں کھڑے تھے۔ سادھو مہاراج نے انہیں اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

"پرنام۔ سادھو مہاراج....." وہ لوگ اس کے آگے آ کر یک بیک ہاتھ جوڑ کر بولے۔

"کیا مصیبت آن پڑی ہے بالک.....؟" سادھو مہاراج نے پوچھا۔

"سادھو مہاراج..... یہ میری لڑکی ہے۔" ایک ادھیڑ عمر آدمی نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اس پر کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے۔"

"ہوں....." سادھو مہاراج نے اپنی سرخ آنکھیں لڑکی پر گاڑ دیں۔ "بس! ہمیں ساری بات کا پتہ چل چکا ہے بالک..... ادھر خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ ابھی پوجا شروع ہونے والی ہے۔ اس کے بعد بات ہوگی۔" سادھو مہاراج نے کہا اور اٹھ کر سامنے رکھے ایک بہت بڑے کالے بت کے قریب پہنچ گیا۔ اور بت کے گلے میں موجود بڑا سا گھنٹہ ہلایا تو ٹن ٹن کی آواز پورے مندر میں گونجنے لگی۔

گھنٹی بجنے کی دیر تھی کہ داسیوں کا ایک غول پرساد کے تھال اٹھائے مندر میں داخل ہوا اور گرو مہاراج کے پیچھے کالے بت کے آگے کھڑے ہو کر اشلوک پڑھنے لگیں۔ پجاری بھی ان کے ساتھ پوجا میں مصروف ہو گئے۔

ہندوستان کے شہر کلکتہ کے گردونواح میں موجود یہ مندر کالے مندر کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ یہ بڑے بڑے کالے پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ فرش دیواریں، چھت سب کالے رنگ کے تھے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جس بت کی پوجا کر رہے تھے وہ بھی کالا تھا۔ سادھو مہاراج پورے ہندوستان میں اپنے کالے علم کی وجہ سے مشہور تھا۔ کالے علم کی توڑ کا خاص منتر، نینوا مہاراج کے بعد سادھو مہاراج کے پاس ہی تھا اور لوگ دور دور سے کالے علم کی توڑ کے لئے اس کے پاس آتے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی پوجا کے بعد سادھو مہاراج دوبارہ اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ اور بولا۔

"بالک۔ اپنی لڑکی کو ادھر لے آ۔"

لڑکی کا باپ لڑکی کو لے کر سادھو مہاراج کی کرسی کے سامنے کھڑا ہوا۔

"اس پر کب سے کب تک دورہ ہوتا ہے بالک۔" سادھو مہاراج نے دوبارہ پوچھا۔

"کوئی وقت مقرر نہیں ہے سادھو مہاراج۔ شروع شروع میں تو دن میں ایک دفعہ دورہ پڑتا تھا۔ مگر اب۔ اب تو دن میں تین بار، چار بار، لازماً دورہ پڑتا ہے۔" اس کا باپ انتہائی غمزدہ لہجے میں بولا۔

"اس کا نام لیلاوتی ہے نا۔" سادھو مہاراج لڑکی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"جج..... جی..... مہاراج..... آپ..... واقعی مہان ہیں۔" لڑکی کا باپ جلدی سے بولا۔

"لیلاوتی..... میری طرف دیکھ۔" سادھو مہاراج لڑکی سے بولا۔

لیلاوتی نے اپنی آنکھیں سادھو مہاراج کے چہرے کی طرف کیں۔ سادھو مہاراج اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیلاوتی کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں اور اس کی سانسیں تیز ہونا شروع ہو گئیں اس کے منہ سے کف بہنے لگا۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

"مہاراج..... مہاراج..... اس کو پھر دورہ پڑنے لگا ہے۔" لڑکی کا باپ جلدی سے بولا۔

سادھو مہاراج نے اپنی نگاہیں لڑکی پر سے ہٹائے بغیر ہاتھ اٹھا کر اس کے باپ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی سر زور زور سے دائیں بائیں مارنے لگی اس کے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکلنا شروع ہو گئیں۔

"کون ہو تم..... اور اس معصوم کے شریر پر کیوں قبضہ کر رکھا ہے۔" سادھو مہاراج کرخت آواز میں لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ہاہاہا....." اس لڑکی لیلاوتی کے منہ سے ایک عجیب سا قہقہہ خارج ہوا۔ "میں باگیشوری ہوں۔"

"کون باگیشوری....." سادھو مہاراج نے حیرت سے پوچھا۔

مندر میں موجود پجاری اور اس لڑکی لیلاوتی کے ساتھ آئے ہوئے افراد حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

"باگیشوری۔ تم باگیشوری کو نہیں جانتے..... نینوا مہاراج۔ مہان نینوا مہاراج کی داسی....."

لیلاوتی کے منہ سے چیختی ہوئی آواز خارج ہوئی۔

"لیکن تم نے اس چھوکری کے شریر پر کیوں قبضہ کر رکھا ہے۔" سادھو مہاراج نے پوچھا۔

"نینوا مہاراج کے کہنے پر....." لیلاوتی کے اندر سے باگیشوری کی آواز نکلی۔

"مگر کیوں؟....." سادھو مہاراج نے دوبارہ پوچھا۔

"امرجیون حاصل کرنے کے لئے۔" باگیشوری بولی۔

"میں کئی سالوں سے نینوا مہاراج کی غلامی کرتا رہا ہوں۔ اور میری خدمت سے خوش ہو کر نینوا مہاراج نے مجھے کالے جادو کے توڑ کا خاص منتر بھی بتایا جو کہ ان کے علاوہ کسی کو نہیں آتا۔ اس وجہ سے نینوا مہاراج کے بعد کالے جادو میں دوسرا نام میرا ہے۔ اور تم جانتی نہیں باگیشوری۔ میں تمہیں ایک پھونک میں بھسم کر سکتا ہوں۔" سادھو مہاراج غصے سے بولا۔

"بھول ہے تمہاری سادھو مہاراج۔ تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ میں نینوا مہاراج کی خاص داسی ہوں اور نینوا مہاراج نے میری خدمت سے خوش ہو کر مجھ سے پوچھا کہ میں کیا مانگنا چاہتی ہوں۔ تب میں نے خواہش ظاہر کی کہ میں امرجیون حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" باگیشوری بولی۔

"اچھا۔ تو کیا اس کے لئے نینوا مہاراج نے تمہیں کہا کہ تم اس چھوکری کے شریر پر قابض ہو جاؤ۔" سادھو مہاراج طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ہاں..... سادھو مہاراج..... شاید تم نہیں جانتے کہ یہ چھوکری کوئی عام چھوکری نہیں ہے۔ یہ بھاگ بھری ہے بھاگ بھری۔" باگیشوری نے کہا۔

"بھاگ بھری.....؟" سادھو مہاراج سوالیہ انداز میں بولا۔

"یہ لڑکی اپنے خاندان میں سات پشتوں کے بعد پیدا ہوئی ہے پچھلی سات پشتوں میں ان کے خاندان میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ سب لڑکے ہیں یہ پہلی لڑکی ہے جو اس خاندان میں پیدا ہوئی۔ اسی لئے امرجیون کے لئے مجھے نینوا مہاراج نے اس کے شریر پر قبضہ کرنے کے لئے کہا۔" باگیشوری اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"لیکن امرجیون پانے کے لئے شریر پر قبضہ کرنے سے کیا تعلق۔" سادھو مہاراج نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"یہ میں تمہیں ان سب کے سامنے نہیں بتا سکتی۔" باگیشوری نے کہا۔

"سادھو مہاراج نے ہاتھ اٹھا کر پنجہ پھیلایا اور مندر میں موجود افراد کی طرف کر دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سب قوت سماعت سے محروم ہو چکے تھے۔

"اب بولو..... باگیشوری....." سادھو مہاراج نے کہا۔ "اب یہ لوگ تمہاری اور میری باتیں نہیں سن سکتے۔"

"اس چھوکری کے شریر پر قبضہ کر کے میں چالیس دن کا جاپ کر رہی ہوں۔ چالیسویں دن جب میرا جاپ مکمل ہو جائے گا تب میں اس کا سر کاٹ کر اس کے شریر کا سارا خون اس کے سر میں جمع کر لوں گی۔ یعنی سر کو اندر سے کھرچ کر اس کی کھوپڑی کا پیالہ بنا لوں گی اس میں اس کا سارا خون بھر لینے کے بعد دوسرا جاپ شروع ہو گا جو کہ سو دن کا ہے۔ ہر دس دن بعد ایک نوجوان کنواری لڑکی کی بلی دیوتا کے چرنوں میں دینے کے بعد اس کا خون اسی پیالے میں جمع کر لوں گی۔ سو دن بعد دس کنواری لڑکیوں کا خون اور اس بھاگ بھری کا خون میرے منتر سے پانی میں تبدیل ہو کر امرت جل بن جائے گا۔"

"امرت جل....."

"ہاں..... امرت جل..... جسے پی کر میں زندہ رہوں گی۔" باگیشوری نے کہا۔

"ہوں..... تو یہ بات ہے..... مگر یہ لوگ میرے پاس اپنی سمسیا لے کر آئے ہیں آخر کو میں نے ان کا مسئلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تو حل کرنا ہے نا....." سادھو مہاراج نے کہا۔ "اور اس کے لئے میں نینوا مہاراج سے خصوصی اجازت لے کر تم پر وار کر سکتا ہوں۔ اور تم شاید یہ تو جانتی ہوگی کہ سادھو مہاراج کا وار خالی نہیں جاتا۔"

"ٹھیک ہے..... تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو۔" باگیشوری سوچ میں پڑ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سادھو مہاراج اس سے زیادہ طاقتور ہے۔

"مگر ایک شرط پر میں تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہوں۔" سادھو مہاراج نے کہا۔

"کیسی شرط....." باگیشوری جلدی سے بولی۔

"اگر آدھا امرت جل تم مجھے دے دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔" سادھو مہاراج کاروباری انداز میں بولا۔

"اچھا..... میں وعدہ کرتی ہوں..... امرت جل حاصل کرنے کے بعد آدھا تمہیں دے دوں گی....." باگیشوری اس کی شرط مان کر بولی۔

"پھر ٹھیک ہے اب میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا....." سادھو مہاراج نے کہا اور لڑکی پر سے دورہ ختم ہوگیا۔ وہ پھر پہلے جیسی ہوگئی۔ شاید باگیشوری جا چکی تھی۔

اس کے بعد سادھو مہاراج نے ہاتھ لہرا کر مندر میں موجود لوگوں کا بہرہ پن دور کیا اور بولے۔

"لالو پرشاد....."

"جی مہاراج....." لڑکی کا باپ جلدی سے بولا۔

"کیا چاہتے ہو....." سادھو مہاراج نے پوچھا۔

"میں اپنی لڑکی کی زندگی چاہتا ہوں مہاراج....." لالو پرشاد منت بھرے انداز میں بولا۔

"مگر وہ چڑیل باگیشوری اس بات پر رضامند نہیں ہے۔ وہ تمہاری چھوکری کا شریر کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑے گی۔" سادھو مہاراج نے کہا۔

"آپ مہان ہیں سرکار..... آپ کچھ کریں....." لالو پرشاد نے کہا۔ "ہم تو بڑی آشا لے کر آئے ہیں۔"

"میری بات مانو۔ اگر اپنی چھوکری کی زندگی چاہتے ہو تو اس کو مندر میں دان کر دو....." سادھو مہاراج نے کہا۔

"یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج۔ ہماری تو ایک ہی چھوکری ہے۔ بڑی نازوں پلی ہے۔" لالو پرشاد نے کہا۔

"تو پھر میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" سادھو مہاراج غضبناک لہجے میں بولا۔ "اور ہاں۔ اگر تم نے اسے مندر دان نہ کیا تو بھگوان کا عذاب نازل ہوگا تیرے خاندان پر....."

"شما کیجئے مہاراج..... شما کیجئے....." لالو پرشاد ہاتھ باندھ کر بولا۔ "میں اسے مندر دان کرنے کو تیار ہوں۔" لالو پرشاد کی بات سن کر سادھو مہاراج کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔" سادھو مہاراج نے کہا۔

لالو پرشاد بیٹی کو گلے لگا کر رونے لگا پھر اس کا ماتھا چوم کر بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ کل تیری ماں تجھ سے ملنے آئے گی۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مندر سے باہر نکل گیا۔

"اودے چند....." سادھو مہاراج نے ایک پجاری کو آواز دی۔ وہ فوراً ہی ہاتھ باندھ کر اٹھا۔

"لیلا وتی کو نیچے مندر میں دوسری داسیوں کے پاس پہنچا دو۔"

وہ مندر اوپر نیچے بنا ہوا تھا۔ نیچے تہ خانے میں کالی کا بہت بڑا بت نصب تھا اور کافی سارے کمرے بنے ہوئے تھے جہاں داسیاں اور داس رہا کرتے تھے۔ لیلا وتی اودے چند کے ساتھ مندر کے تہ خانے میں آ گئی۔

"یہ لیلا وتی ہے۔ مندر کی داسی۔ سادھو مہاراج نے اسے یہاں بھیجا ہے۔" اودے چند تہ خانے میں موجود داسیوں سے بولا اور واپس چلا گیا۔

ادھر لالو پرشاد جب گھر آیا تو اس کی بیوی گنگا لیلا وتی کو نہ پا کر بولی۔

"لیلا وتی کدھر ہے..... تمہارے ساتھ نہیں آئی

کیا.....؟"

"سادھو مہاراج کے کہنے پر میں نے اسے مندر دان کر دیا ہے۔" لالو پرشاد ہولے سے بولا۔

"کیا..... پاگل ہوگیا ہے تو..... لگتا ہے ہمارے پاس لائن لگی ہے بیٹیوں کی۔ جو تو اسے مندر دان کر آیا۔ ایک ہی تو بیٹی ہے میری۔" گنگا رونے لگی۔

"خاموش ہو جا۔ اس کا بھلا اسی میں تھا۔" لالو پرشاد بولا۔ "ورنہ وہ چڑیل جو اس کے شریر پر قابض تھی اس کی جان لے لیتی۔ اس طرح کم از کم وہ زندہ تو رہے گی نا۔"

جب دوسرے خاندان والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ "کہ آپ کی تو ایک ہی اولاد تھی آپ نے اسے بھی مندر دان کر دیا۔"

یہ بات جب لیلا وتی کے چچا زاد مہندر کو معلوم ہوئی تو اسے بے حد افسوس ہوا۔ لیلا وتی اس کی منگیتر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے شریر پر کسی بھوت کا قبضہ ہوگیا ہے۔ اور چچا جان اسے کالی کے مندر میں لے جا رہے ہیں علاج کے لئے۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی زندگی بچانے کے لئے اسے مندر دان کر دیا جائے گا۔

اگلے دن وہ کالج گیا تو خاموش خاموش تھا اس کا دوست اکمل جو کہ ایک مسلمان لڑکا تھا اس کی خاموشی کو دیکھ کر اس سے پوچھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے مہندر..... تو کچھ پریشان پریشان لگ رہا ہے.....؟"

"ہاں یار! میں واقعی بے حد پریشان ہوں۔" مہندر ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"کیا مسئلہ ہے..... اپنے یار کو بھی نہیں بتائے گا کیا.....؟" اکمل بولا۔

"یار.....! میری چچا زاد لیلا وتی ہے نا۔ جس سے دو ماہ پہلے میری منگنی ہوئی تھی۔ اسے میرے چچا نے مندر دان کر دیا ہے۔" مہندر نے کہا۔

"مگر کیوں.....؟" اکمل حیرت سے بولا۔

"اصل میں اس پر ایک چڑیل کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے اسے دورے پڑتے تھے۔ چچا جان اسے

دست شناسی

نیویارک میں ایک خاتون نے دست شناس کو اپنا ہاتھ دکھایا تو وہ سخت پریشان ہوگیا اور ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آج سے دو ماہ بعد تم بیوہ ہو سکتی ہو۔" خاتون نے بے پروائی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے..... ساری تیاری مکمل ہے..... تم یہ بتاؤ کہ میں پکڑی تو نہیں جاؤں گی۔"

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

مندر میں لے گئے۔ جہاں بڑے پجاری نے اس چڑیل کو حاضر کر کے سوال جواب کئے تو پتہ چلا کہ وہ امرجیون حاصل کرنے کے لئے اس کے شریر پر قابض ہے اور اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گی۔ تب پجاری جی نے کہا کہ مندر میں وہ چڑیل ان کی اجازت کے بغیر نہیں آ سکتی اس لئے لڑکی کو مندر دان کر دیا جائے۔ ورنہ وہ چڑیل اس کی جان لے کر رہے گی۔" مہندر نے اسے پوری بات بتائی۔

"یار.....! یہ چڑیل، جن بھوت۔ مجھے تو ان پر ذرا بھر بھی یقین نہیں ہے۔" اکمل سر جھٹک کر بولا۔

"بہر حال ہمارے ایک عامل بابا ہیں۔ وہ اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ کالج سے چھٹی پر تم میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہیں ان سے ملوا دوں گا۔" اکمل دوبارہ بولا۔

"سچ یار! اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو میں ساری عمر تیرا احسان مند رہوں گا۔" مہندر گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

"ٹھیک ہے پھر....." اکمل نے بھی اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

کالج سے چھٹی پر دونوں موٹر سائیکلوں پر وہاں سے روانہ ہوئے۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر مسلمانوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بستی تھی جہاں وہ عامل بابا رہتے تھے۔ ان کے آستانے پر ہر وقت رش لگا رہتا تھا۔ مگر اب چونکہ دوپہر کا وقت تھا اس وجہ سے لوگ کم تھے۔

اکمل مہندر کو لے کر اندر داخل ہوا عامل بابا جائے نماز پر بیٹھے تھے ہاتھ میں تسبیح تھی وہ کچھ پڑھ رہے تھے انہوں نے اکمل کے ساتھ اندر داخل ہوتے مہندر کو دیکھا اور سوچ میں پڑ گئے۔

"السلام علیکم بابا جی!" اکمل نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھو۔" بابا جی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "کیسے مزاج ہیں بیٹا.....؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں۔" اکمل نے پوچھا۔

"بس..... آپ لوگوں کی دعائیں ہیں۔" بابا جی مسکرا کر بولے۔

"یہ میرا دوست ہے مہندر۔" اکمل نے مہندر کا تعارف کروایا۔ "اس کی چچازاد لیلاوتی پر....."

"یہ خود بتائے گا۔" بابا جی نے اکمل کی بات کاٹ دی۔

مہندر نے بابا جی کو شروع سے لے کر آخر تک ساری بات بتائی۔ بابا جی خاموشی سے اس کی بات سن کر سر ہلاتے رہے۔

"اس سادھو نے تمہارے چچا سے جھوٹ بولا ہے مہندر۔ دراصل وہ اس چڑیل باگیشوری۔ جو کہ لیلاوتی کے جسم پر قابض ہے سودا کر چکا ہے۔" بابا جی نے بتایا۔

"کیا سودا....." مہندر چونکا۔

"اصل میں باگیشوری کا ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے لیلاوتی کے جسم پر ایک جاپ کر رہی ہے چالیس دن بعد جاپ مکمل ہو جائے گا اور وہ لیلاوتی کا سرکاٹ کر اس کی کھوپڑی کا پیالہ بنائے گی اور اس کے جسم کا سارا خون اس پیالے میں بھر کر اس پر سو دن تک اور جاپ کرے گی تب وہ آب حیات قسم کا پانی حاصل کر پائے گی جسے پی کر وہ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اور سادھو مہاراج اس سے وہ آدھا پانی لینے کے عوض لیلاوتی اس کے حوالے کر چکا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ہمیشہ زندہ رہنے کے لالچ میں آ گیا ہے۔" عامل بابا نے اپنی بات مکمل کی۔

"اب آپ ہی کچھ مدد کریں بابا جی۔" مہندر ہچکچایا۔

"دیکھو بیٹا! مسلمان ہوئے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ آج باگیشوری کے جاپ کو اکتیسواں دن ہے نو دن باقی ہیں لیلاوتی کی زندگی کے۔ تمہیں جلد از جلد کچھ کرنا ہوگا۔" بابا جی نے اسے سمجھایا۔ مہندر کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔"

"ماشاء اللہ۔ بالکل ٹھیک فیصلہ کر پائے ہو۔ اللہ تمہاری مدد کرے۔" بابا جی نے کہا۔

اس کے بعد بابا جی نے اسے کلمہ پڑھایا۔ غسل کا طریقہ، وضو کا طریقہ، نماز کا طریقہ سکھایا۔ اور اکمل کو ہدایت کی کہ آج اور کل میں اسے نماز پڑھنا سکھا دے اور چند قرآنی سورتوں کا ترجمہ بھی سنا دے اور پرسوں دوبارہ ان کے آستانے پر آئیں۔

اکمل اور مہندر نے بابا جی کی بات پر عمل کیا دو دن اکمل نے اسے اسلام کی اچھی اچھی باتیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا اور تیسرے دن وہ دونوں دوبارہ عامل بابا کے آستانے پر حاضر ہو گئے۔

"میں تمہیں چند قرآنی آیات بتا رہا ہوں۔ انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ جیسے ہی وہ کالی طاقتیں تم پر حملہ کریں یا مقابلے پر آئیں تم نے یہ آیات پڑھ کر ان پر پھونک دینی ہیں بس آگے سارا کام میرے اللہ نے کرنا ہے۔" عامل بابا نے اسے چند آیات زبانی یاد کروائیں۔ اس کے بعد اسے ایک چھوٹی سی پیتل کی تختی دی جس پر قرآنی آیات درج تھیں اس میں ایک ڈوری پڑی ہوئی تھی۔

"یہ تختی تم نے لیلاوتی کے گلے میں موقع ملتے ہی پہنا دینی ہے اس کے بعد اس پر کوئی جن بھوت قبضہ نہیں کر پائے گا۔ وہ کالی طاقتیں تمہیں آسانی سے لیلاوتی کے

قریب نہیں پہنچنے دیں گی۔ مگر تم ان شیطانوں کو اس روشنی کے کلام سے فنا کرو گے جو تمہیں میں نے یاد کروایا ہے۔" عامل بابا نے کہا اور اس کے بعد ایک تیز دھار خنجر نکال کر مہندر جس کا اسلامی نام انہوں نے محمد ارسلان رکھا تھا کے حوالے کر دیا اور بولے۔

"ارسلان بیٹے! یہ خنجر اپنے پاس رکھ لو۔ اس پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ جیسے ہی کوئی شیطان تمہارے پاس آئے اس کے جسم میں گھونپ دینا۔ انشاء اللہ وہ فنا ہو جائے گا۔" عامل بابا نے کہا۔

"جی بابا جی۔ جیسے آپ کا حکم....." ارسلان نے کہا۔

"تم یہاں سے سیدھا کالی کے اس مندر میں جاؤ گے۔ راستے میں بھی تمہیں کئی مشکلات پیش آ سکتی ہیں مگر ہمارے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرو گے تو سب سے نجات پاؤ گے۔ لیلاوتی ابھی تک اسی مندر میں ہے۔ جاؤ۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہارا نگہبان۔" بابا جی نے ہاتھ اٹھا کر اسے دعا دی اور ارسلان اکمل کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ اس نے اکمل کو اپنے گھر جانے کی ہدایت کی اور خود موٹر سائیکل پر سوار ہو کر کالی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

سادھو مہاراج اس وقت کالی کے بت کے سامنے بیٹھا پوجا کر رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا کہ اچانک ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی۔ سادھو مہاراج چونکا اور اس نے آنکھیں کھول دیں ایک بہت بڑی چمگادڑ اس کے سامنے فرش پر موجود تھی۔

"کیا بات ہے.....؟" سادھو مہاراج نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"مہاراج..... ایک مسلمان لڑکا اس مندر کی طرف آ رہا ہے۔ وہ نقصان پہنچانا چاہتا ہے مندر کو اور پجاریوں کو....." چمگادڑ کے منہ سے انسانی آواز خارج ہوئی۔

"مگر کیوں.....؟" سادھو مہاراج نے حیرت سے پوچھا۔

"مہاراج..... وہ لیلاوتی کا چچازاد ہے۔ اور لیلاوتی کو یہاں سے آزاد کروانے آیا ہے۔" چمگادڑ نے کہا۔

"مگر لیلاوتی کا دھرم تو ہندو ہے اس کا چچازاد کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔" سادھو مہاراج نے کہا۔

"مہاراج..... وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہے۔" چمگادڑ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" سادھو مہاراج نے چمگادڑ کو حکم دیا اور وہ اسی وقت وہاں سے غائب ہو گئی۔ اس کے بعد سادھو مہاراج کالی کے بت کے آگے رکھی مٹی کی ہانڈی میں کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکیں مارنے لگا فوراً ہی مٹی کی ہانڈی سے دھواں نکلنے لگا اور اس دھویں میں سے ایک خوفناک تصویر بن گئی جو کسی بے حد بوڑھے بھوت کی شکل دکھائی دے رہی تھی۔

"شرت چند..... ایک مسلمان چھوکرا اس طرف آ رہا ہے اپنے بیر داسوں کو حکم دو کہ اسے راستے میں ہی روک لیں۔" سادھو مہاراج نے اس دھوئیں سے تخلیق ہوئی تصویر سے کہا۔ اس کی بات سن کر وہ تصویر غائب ہونے لگی اور دھواں ختم ہو گیا۔ سادھو مہاراج مطمئن ہو کر دوبارہ پوجا پاٹ میں مشغول ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

ارسلان کافی سفر طے کر چکا تھا وہ اب شہر کے نواحی علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ کالی کا مندر وہاں سے اب تقریباً دو اڑھائی میل دور رہ گیا تھا وہ بچپن میں کئی بار ماں باپ کے ساتھ یہاں آ چکا تھا اس لئے اس نے یہ مندر دیکھا ہوا تھا۔ نواحی علاقے میں ابھی اس نے آدھا میل ہی طے کیا ہوگا کہ اس کی موٹر سائیکل اچانک بند ہو گئی۔ حالانکہ وہ ٹنکی پیٹرول سے فل کروا کر آیا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل سے نیچے اتر کر اسے چیک کیا پرزے وغیرہ دیکھے مگر اس کی سمجھ میں موٹر سائیکل کے بند ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتا رہا پھر اسے لاک کر کے وہیں کھڑا کیا اور خود پیدل ہی آگے چل پڑا۔ ابھی چند قدم ہی چلا ہوگا کہ ایک کریہہ صورت بوڑھا نمودار ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواچانک ہی ایک درخت کے پیچھے سے نکلا تھا۔

"واپس چلے جاؤ۔ آگے جانا تمہارے لئے ٹھیک نہیں۔" اس نے مکروہ آواز میں کہا۔

"مگر کیوں.....؟" ارسلان کو حیرت ہوئی کہ وہ اسے آگے جانے سے کیوں روک رہا ہے۔

"آگے موت ہے تمہارے لئے۔" بوڑھے نے کہا۔ "مگر تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ ورنہ.....؟"

"ورنہ کیا.....؟" ارسلان نے بھنویں اچکائیں۔

"لگتا ہے تم یوں نہیں مانو گے۔" یہ کہہ کر بوڑھا ایک سیاہ چمگادڑ کے روپ میں آ گیا اور اچھل کر ارسلان پر حملہ کر دیا۔ ارسلان کے لئے یہ حملہ اچانک تھا وہ پشت کے بل زمین پر جا گرا۔ چمگادڑ اس کا منہ نوچنے کے لئے آگے بڑھی تو اچانک ارسلان کے کانوں میں عامل بابا کے الفاظ گونجے۔ "قرآنی آیات پڑھ کر پھونکو بیٹا۔"

ارسلان کو یکدم ہی ہوش آ گیا اور اس سے پہلے کہ چمگادڑ اس کا منہ نوچتی اچھل کر کھڑا ہوا اور قرآنی آیات پڑھ کر چمگادڑ پر پھونک ماری، چمگادڑ کے پروں میں یکدم آگ بھڑک اٹھی اور وہ جل کر خاک ہو گئی۔

ارسلان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور آگے بڑھا ابھی دو قدم بھی نہ چلنے پایا تھا کہ اچانک ہی اس کے اردگرد کافی سارے سانپ نمودار ہو گئے جو کہ اس پر حملہ کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے ارسلان چونکا کہ ابھی تو یہاں کسی سانپ کا نام و نشان نہیں تھا یہ اچانک کہاں سے نمودار ہو گئے اوہ! کہیں یہ مجھے روکنے کے لئے کوئی چال تو نہیں.....؟ یہ سوچ کر ارسلان نے روشنی کا کلام پڑھ کر ان سانپوں پر پھونک ماری۔ وہ فوراً ہی وہاں سے غائب ہو گئے۔ ان کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو اسے ایک نوجوان لڑکی دکھائی دی۔ جو ایک کھیت میں موجود بڑی بڑی فصل کے پیچھے سے نکلی تھی۔

"ارے بابو..... کہاں جا رہے ہو.....؟" لڑکی خوبصورت آواز میں بولی۔

"میں مندر تک جا رہا ہوں.....تم کون ہو.....؟" ارسلان نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں کیا نظر آتی ہوں۔" وہ شرما کر بولی۔ "کیا میں لیلاوتی سے کم خوبصورت ہوں؟"

"کیا مطلب.....؟" ارسلان حیران ہوا۔

"مطلب ہے کہ اس لیلاوتی کا خیال دل سے نکال دو۔ اور میرے ہو جاؤ۔" لڑکی نے کہا۔

"ارسلان کے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا کہ یہ لیلاوتی کو کیسے جانتی ہے پھر اچانک ہی اس کی نظر اس لڑکی کے پیروں پر پڑی تو وہ الٹے تھے۔ یعنی وہ چھل پیری چڑیل تھی۔

"تم.....تم....." ارسلان نے کہنا چاہا۔

"حقیقت جان ہی گئے ہو میری تو یہ یاد رکھنا کہ تمہیں مندر تک نہیں پہنچنے دوں گی۔" لڑکی نے کہا اور فوراً ہی خوبصورت لڑکی سے چڑیل بن گئی اور یکدم ہی اس نے ارسلان پر حملہ کر دیا ارسلان اس کے حملے پر لڑکھڑایا اور گرتے گرتے بچا، جلدی سے اس نے آیات پڑھنی شروع کر دیں۔ چڑیل چیخنے لگی۔ ارسلان نے اس پر پھونک ماری تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ارسلان نے خدا کا شکر ادا کیا اور آگے روانہ ہوا۔ اچانک ہی اس کے آگے ایک نہر نمودار ہو گئی۔ ارسلان نے دیکھا تو اس نہر میں پانی کے بجائے خون بہہ رہا تھا۔ اب کیا کیا جائے وہ سوچ میں پڑ گیا یکدم ہی اس نہر سے بدصورت شکل والے چھوٹے چھوٹے بونوں کی فوج نکلنے لگی ان کے ہاتھوں میں کلہاڑے ہوئے بچھو تھے جو آن کی آن میں انہوں نے ارسلان پر پھینک دیئے۔ ارسلان نے روشنی کا کلام پڑھ کر جیسے ہی ان بچھوؤں پر پھونکا بچھو غائب ہو گئے اور بونے چیختے ہوئے واپس نہر میں کود گئے۔

ارسلان اب مسلسل کلام پاک پڑھتا جا رہا تھا۔ اچانک اس نہر پر پل نمودار ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی کوئی شیطانی چکر ہے۔ اس نے پل کی طرف پھونک ماری فوراً ہی غائب ہو گیا۔ لیکن وہ نہر ختم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی ارسلان کے کانوں میں عامل بابا کی آواز

گونجی۔ "مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اس پر کلام پاک پڑھ کر نہر میں پھینک دو۔"

ارسلان نے ایسا ہی کیا فوراً ہی نہر غائب ہو گئی اور زمین برابر نظر آنے لگی۔ ارسلان آگے روانہ ہوا ہی تھا کہ ایک کھوپڑی ہوا میں تیرتی ہوئی اسے دکھائی دی جو اس کی طرف ہی آ رہی تھی ارسلان سمجھ گیا کہ شیطانی طاقتیں اسے آسانی سے مندر تک نہیں پہنچنے دیں گی۔ کھوپڑی فضا میں معلق ہو کر ارسلان سے بولی۔

"میں تمہیں آخری بار بتا رہی ہوں آگے مت جانا۔ ورنہ زندہ واپس نہیں آ سکو گے۔"

"تم کیا بلا ہو.....؟" ارسلان نے اس سے پوچھا۔

"میں چھپا کی ہوں۔ اور سادھو مہاراج نے حکم دیا ہے کہ یہیں سے واپس لوٹ جاؤ ورنہ اگر مندر تک پہنچ گئے تو زندہ نہ رہو گے۔" چھپا کی بولی۔

"جا کر اپنے سادھو سے کہہ دو کہ سامنے آ کر مقابلہ کرے۔ میں ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔" ارسلان نے کہا۔

اس کی بات سن کر کھوپڑی تیرتی ہوئی واپس چلی گئی ارسلان دوبارہ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی اس نے زیادہ سفر طے نہیں کیا تھا کہ اچانک تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ سائیں سائیں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ارسلان جان گیا کہ یہ اچانک ہواؤں کا چلنا بھی یقیناً جادو کی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کا نام لے کر قدم تیز تیز اٹھانے لگا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ وہ قدم رکھتا کہیں تھا اور پڑتا کہیں اور تھا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔

ابھی وہ مندر سے تھوڑا دور ہی تھا کہ گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز بلند ہوئی اور زمین ہلنے لگی۔ ارسلان سمجھ گیا کہ سادھو مہاراج مندر میں بیٹھا جادوئی حربوں سے اس کی مندر تک پہنچنے کی کوششیں ناکام بنانے پر تلا ہوا ہے زلزلے کی وجہ سے اچانک ہی ارسلان کے سامنے کی زمین پھٹ کر دو حصوں میں بٹ گئی۔ درمیانی خلاء بہت گہرا اور چوڑا تھا۔ ارسلان اسے پھلانگ کر عبور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اس نے ایک بار پھر کلام پاک کا سہارا لیا اس کے پھونک مارنے کی دیر تھی کہ پھٹی ہوئی زمین برابر ہو گئی اور زلزلہ ایک دم تھم گیا۔

ارسلان نے خدا کا شکر ادا کیا اور مندر کو روانہ ہوا ابھی وہ مندر کے مین دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اور دو پجاری باہر نکل آئے ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں انہوں نے ارسلان پر تلواروں سے حملہ کر دیا ارسلان نے کلام پاک پڑھتے ہوئے خنجر نکال کر آگے کر دیا جیسے ہی ان کی تلواریں خنجر سے ٹکرائیں ٹوٹ کر نیچے گر گئیں۔ ارسلان نے فوراً ہی خنجر سے ایک پجاری کے سینے پر حملہ کیا اور اچھل کر دوسرے کے پیٹ میں لات ماری۔ دونوں ہی نیچے گر گئے۔ ارسلان نے جلدی سے پہلے پجاری کے سینے سے خنجر کھینچ کر دوسرے کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اور وہ دونوں اٹھنے کے قابل نہیں رہے۔

اس کے بعد ارسلان جلدی سے مندر کے احاطے میں داخل ہوا تھا کہ چار پانچ پجاری اندرونی طرف سے ہاتھوں میں تلواریں لئے بھاگتے ہوئے باہر نکلے، ارسلان نے پانچ منٹ میں ہی ان کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا کیونکہ ارسلان کے ساتھ حق کی طاقت تھی۔ جب کہ وہ شیطان کے پیروکار تھے۔ ان پجاریوں کو ختم کر کے وہ ہٹا ہی تھا کہ فضا میں یکدم ہی بڑی بڑی چمگادڑیں نمودار ہوئیں اور ارسلان پر حملہ کر دیا۔ ارسلان خنجر فضا میں چلانے لگا۔ جو بھی چمگادڑ خنجر سے ٹکراتی غائب ہو جاتی۔

ان سب کا خاتمہ بالخیر کرنے کے بعد وہ مندر کے اندرونی کمرے کی طرف بڑھا ابھی وہ داخل بھی نہ ہوا تھا کہ پتھروں کی بارش اس پر ہونے لگی مگر وہ جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ پھر بھی دو چار پتھر اس سے ٹکرائے ضرور تھے مگر اسے معمولی ضرر پہنچا تھا۔

اندر سادھو مہاراج کالی کے بت کے آگے کھڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زور زور سے کچھ پڑھ رہا تھا، کالی کی آنکھیں روشن تھیں۔ ارسلان کے اندر داخل ہوتے ہی بت کی آنکھوں سے نکلنے والی روشنی ارسلان سے ٹکرائی۔ مگر چونکہ اس کی زبان پر کلام پاک کا ورد جاری تھا اس وجہ سے اس روشنی نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ سادھو مہاراج مڑ کر ارسلان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کالی کی آنکھوں کی روشنی ارسلان پر اثر نہیں کر رہی تو اس نے کچھ پڑھ کر آسمان کی طرف پھونک ماری۔ فوراً ہی ایک کالا سیاہ خوفناک بھوت نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا گرز تھا اس نے گرز سے ارسلان پر زور دار وار کیا۔ مگر کلام پاک کی وجہ سے گرز ارسلان تک پہنچنے سے پہلے ہی دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر گیا۔ بھوت حیرت و غصے سے اپنے ٹوٹے ہوئے گرز کو گھورنے لگا شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا گرز اتنا کچا ہوگا۔

ارسلان نے بھوت کو بے خبر پا کر خنجر سے اس پر حملہ کر دیا۔ بھوت چیختا ہوا وہاں سے غائب ہو گیا۔

"اچھا..... تو تم ہو..... سادھو مہاراج۔ امرجیون پانے کے خواہش مند....." ارسلان نے مسکرا کر کہا۔

"لیلاوتی کہاں ہے.....؟"

"بھول جاؤ لیلا وتی کو چھوڑ دے اور چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے تو تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے۔" سادھو مہاراج نے غصے سے کہا۔

"میں یہاں سے لیلاوتی کو لے جانے کے لئے آیا ہوں....." ارسلان بھی غصے سے بولا۔ "بتاؤ کہاں ہے وہ.....؟"

"تم اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔" سادھو مہاراج نے کہا اور کچھ پڑھ کر پھونک ماری۔

اچانک ہی اس کمرے میں ایک قد آدم پنجرہ دکھائی دینے لگا جس کی سلاخیں لوہے کی تھیں۔ پنجرے کے اندر لیلاوتی موجود تھی۔ جو پریشان نگاہوں سے کبھی ارسلان کو دیکھتی اور کبھی سادھو مہاراج کو.....

"یہ ہے لیلا وتی..... مگر تم اسے یہاں سے لے جانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مہا چڑیل باگیشوری کے قبضے میں ہے۔" سادھو مہاراج نے مسکرا کر کہا۔

ابھی وہ لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک دھواں ہوا اور ایک بدصورت خوفناک چڑیل وہاں نمودار ہوئی۔

"آؤ۔ باگیشوری آؤ۔" سادھو مہاراج نے کہا۔ "دیکھو یہ لڑکا..... ہم سے مقابلہ کرنے آیا ہے اور لیلاوتی کو آزاد کروانے کے لئے آیا ہے۔"

باگیشوری نے غصیلی نگاہوں سے ارسلان کی طرف دیکھا اس کی نگاہوں سے بجلی کی چمک باہر نکلی اور ارسلان کی طرف لپکی۔ ارسلان نے جواباً پھونک ماری اور کلام پاک نے اس بجلی کو بے اثر کر دیا۔ باگیشوری کا حملہ ناکام ہوتے دیکھ کر غصے میں آ گئی اب اس کے منہ سے تیروں کی بوچھاڑ نکل کر ارسلان کی طرف بڑھی مگر کلام پاک کے اثر نے ان تیروں کو مٹی بنا دیا۔ دوسرا حملہ ناکام ہوتے دیکھ کر باگیشوری ذرا گھبرائی اور سادھو مہاراج کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔

سادھو مہاراج نے جلدی سے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کیا۔ ارسلان سمجھ گیا کہ وہ بھاگنے کے چکر میں ہے ارسلان نے خنجر باگیشوری کی طرف پھینکا جو سیدھا اس کے سینے میں جا لگا اور وہ نیچے گر کر تڑپنے لگی مگر اس کا انجام دیکھنے کے لئے ارسلان رکا نہیں۔ اس نے تیزی سے کالی کے بت کے ہاتھ میں پکڑا ترشول کھینچا اور سادھو مہاراج پر حملہ کر دیا۔ سادھو مہاراج تیزی سے منتر پڑھنے میں مصروف تھا ترشول اس کے پیٹ میں گھپ گیا۔ وہ ڈکراتا ہوا کالی کے بت سے جا ٹکرایا ارسلان نے ترشول کھینچ کر دوبارہ اس کے پیٹ میں گھونپ دیا وہ چیختا ہوا کالی کے بت کے اوپر سے پتھر کا بہت نیچے گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ ارسلان لیلاوتی کو لے کر وہاں سے روانہ ہوا تو اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھا۔

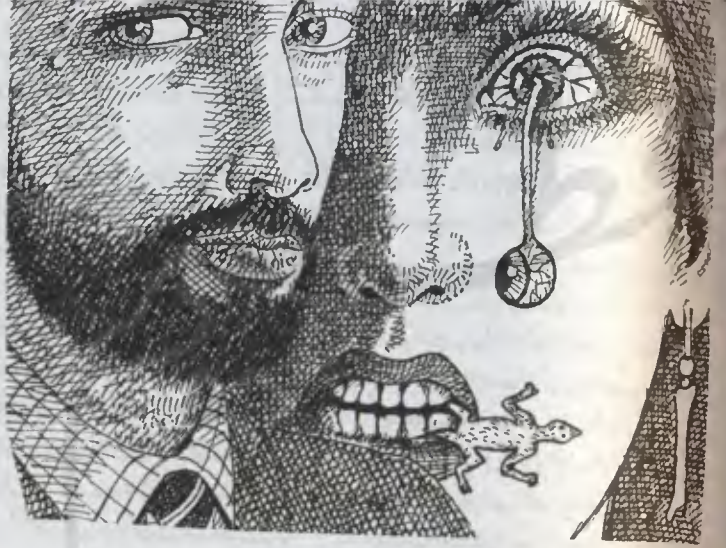

چھپکلی

ایس حبیب خان۔ کراچی

رات کا اندھیرا ہر سو مسلط تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، وقفے وقفے سے گیدڑوں کی آوازیں خوف کی دیوار میں شگاف ڈال دیتی تھیں کہ آچانک ایک ہولناک منظر.....

خوفناک پر ہیبت اور ڈراؤنی کہانی۔ کمزور دل خواتین اسے پڑھنے سے اجتناب برتیں

"اجے! اجے جلدی آؤ، جلدی پلیز!" مناکشی گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے چھوٹے بھائی کو آوازیں دیئے جا رہی تھی۔

"اوہو! دیدی کیا مصیبت ہے؟ اتنا امپورٹنٹ کام کر رہا ہوں اور آپ آوازیں دے دے کر ڈسٹرب کئے جا رہی ہیں۔" اجے نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اجے چھپکلی!" مناکشی بولی.....

"کہاں ہے میں ابھی دیکھتا ہوں اس کی ایسی کی تیسی۔" اجے نے سینے پر ہاتھ رکھ کہا۔

"وہ وہاں سامنے دروازے کی چوکھٹ پر۔" مناکشی نے آنکھیں میچے میچے اس طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

"حد کرتی ہیں آپ دیدی، اتنا سا بچہ ہے چھپکلی کا اور آپ چیخ ایسے رہی تھیں جیسے ہاتھی جتنی چھپکلی ہو۔" اجے نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا اور پھر چھپکلی کے بچے کو بھگا دیا۔

"ارے بھگایا کیوں! مار دینا تھا ناں، منحوس پھر آجائے گا نکل کر۔" مناکشی نے کہا مگر اجے اپنے کام کے چکر میں ان سنی کر کے چلا گیا۔

مناکشی کی بچپن سے ہی چھپکلی سے روح فنا ہوتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ کوئی مذاق میں بھی اسے کہتا چھپکلی تو وہ کئی فٹ اچھل پڑتی۔ سارے کزنز اس بات پر تفریح لیتے تھے۔ جہاں مناکشی کی نظر چھپکلی پر پڑی اور اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھایا۔ مگر اس میں اس کا قصور نہیں تھا چھپکلی دیکھ کر اسے جھرجھریاں آنے لگتیں اور خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔

مناکشی بہت ہی پیاری لڑکی تھی۔ تصویریں بنانا اس کی کمزوری تھی۔ بچپن سے ہی وہ جہاں بیٹھتی پنسل اور کاغذ اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ اور بڑے ہوکر بھی اس نے اپنی پسند کے مطابق فائن آرٹس کی فیلڈ چوز کی اور ابھی بھی وہ اپنی تصویر مکمل کرنے ہی جارہی تھی کہ چھپکلی کے بچے نے اس کا راستہ روک لیا، اور اب وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی قدرتی طور پر اس کے ہاتھ میں بہت صفائی تھی۔

اس نے اپنی تصویر مکمل کی اور بستر پر لیٹ گئی۔ کل پوری کلاس کو ایک ایک تصویر جمع کرانی تھی اور یہ تصاویر کالج کی جانب سے مقابلے میں بھیجی جاتیں۔ تمام تصاویر یں مقابلے میں چلی گئیں۔ مگر یہ مقابلہ مناکشی نے نہیں بلکہ اس کی کلاس فیلو اور فرینڈ شمیتا نے جیتا۔

شمیتا نے ایک ''چھپکلی'' کی تصویر بنائی تھی وہ بھی اتنی بہترین کہ لگ رہا تھا کہ ابھی کاغذ پر سے رینگتی ہوئی حرکت کرنے لگے گی۔ مناکشی نے جب اس تصویر کو دیکھا تو اس کی جان نکل گئی۔ ''اوہ گاڈ! شمیتا یہ کیا بنایا ہے......؟''

''کیوں اچھی نہیں ہے؟'' شمیتا نے سوال کیا۔

''اچھی بلکہ بہت اچھی ہے، مگر چھپکلی ہی ملی تھی بنانے کے لئے۔'' مناکشی بولی۔

''بھئی آرٹسٹ لوگوں کی اپنی ہی نظر ہوتی ہے، کب کیا بھا جائے کچھ پتہ نہیں، اب یہی دیکھ لو، ہماری نظر کام کرگئی اور تصویر مقابلہ جیت گئی۔'' شمیتا نے اترا کر اپنی لٹ کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا تو مناکشی ہنسنے لگی۔

''کیوں گائتری لڑکی کو کیا ساری عمر پڑھاتی ہی رہو گی، اس کی شادی کی فکر کرو اب۔'' گائتری کی دیورانی نے اس سے کہا۔

''بھئی میں تو تنگ آگئی ہوں اس لڑکی کو سمجھا سمجھا کر، مگر میری سنتی ہی کہاں ہے یہ۔'' انہوں نے دیورانی کے سوال کا جواب دیا۔

''یہ کہہ دینے سے تمہاری ذمہ داری ختم ہوجاتی، اس میں بچپنا ہے مگر تم تو بڑی ہو ناں، تمہارے دیور کے ایک دوست ہیں انہیں اپنے لڑکے کے لئے دلہن کی تلاش ہے۔ گھرانہ بہت اچھا ہے اس تمہارے دیور نے مجھ سے کہا ہے کہ تم بھابھی سے بات کرو۔'' انہوں نے گائتری کو بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

پھر انہوں نے مناکشی سے سنجیدگی سے بات کی اٹل انداز سے اسے بتادیا کہ اب اس کی ایک نہ چلے پڑھائی کرنی ہے تو پتی کی اچھا سے آگے پڑھ لینا، بس۔'' اور اس بار رونے دھونے کے باوجود مناکشی کی ایک نہ چلی۔ چند روز بعد لڑکے والے، مناکشی کو دیکھنے آئے پتہ چلا کہ وہ شمیتا کی فیملی ہے اور وہ اپنے بھائی کے لئے دیکھنے آئی تھی۔ اس نے تو جھٹ فیصلہ دے دیا کہ مناکشی ہی اس کی بھابھی بنے گی۔ اور مناکشی کے گھر والوں کو بھی لوگ پسند آگئے۔ تھوڑے دن بات چلانے کے بعد انہوں نے شادی کی تاریخ طے کرلی اور لڑکے والوں کی رسم کے مطابق شادی سے دو روز پہلے سگائی کرنے کا ارادہ کیا۔ مناکشی کے گھر والوں کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ وہ جھٹ تیاریوں میں لگ گئے۔ آج مناکشی کی سگائی تھی، اس نے گرے کلر کا بہت ہی خوبصورت فراک اور چوڑی پاجامہ پہنا ہوا تھا جس پر بھاری کامدانی نہایت نفیس انداز سے کی گئی تھی۔ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ سب کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے مگر کسے خبر تھی کہ ان خوشیوں کو گرہن لگنے والا ہے۔ کہتے ہیں ناں انسان بے خبر ہے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کی ہوئی ایک معمولی حرکت اس کے لئے کیسا وبال کھڑا کردے گی اور یہی مناکشی نے کیا۔

سگائی کی تقریب ختم ہوتے ہوتے کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ اتنا بھاری جوڑا اور زیورات پہنے پہنے تھکن سے چور ہوگئی تھی وہ سیدھی اپنے کمرے میں جاکر بستر پر گرگئی۔ کچھ دیر بعد اس کی ماں کمرے میں آئیں۔ چندا! کپڑے تو بدل

لئے ہوتے۔ انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ماں ذرا بھی ہمت نہیں ہورہی ہے۔''

''اچھا لاؤ میں تمہارے زیور اتار دیتی ہوں، پھر وہ اٹھیں اور بولیں۔ ''چلو اٹھو ہمت کرو، بس چینج کرلو پھر لیٹ جانا۔'' اور الماری سے مناکشی کے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیئے اور روم سے چلی گئیں۔

مناکشی منہ بناتی ہوئی اٹھی اور کپڑے چینج کرنے لگی، اور پھر لائٹ آف کئے بغیر ہی لیٹ گئی۔ اس نے جیسے ہی تکیئے پر سر رکھا اور چھت پر نظر ڈالی وہاں اسے ''چھپکلی کا ایک کالا بچہ'' نظر آیا۔ تو اسے جیسے کرنٹ سا لگا اور وہ کود کر بستر سے نیچے آگئی۔ ''یہ منحوس کہاں سے آگیا؟ ایک تو میں اتنی تھکی ہوئی ہوں کہ اوپر سے اس وقت کوئی ہے بھی نہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''او بھگوان کسی کو بھیج دے۔'' کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اتفاق سے اجے اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ ''اجے!'' مناکشی نے اسے آواز دی۔ اجے مڑا اور اس کے چہرے کا جغرافیہ دیکھ کر وہ سمجھ گیا اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ناٹ اگین!'' اور جانے لگا۔ مناکشی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی ٹی شرٹ کھینچ لی۔ ''اجے میرا چھوٹا سا بھیا، اپنی دیدی کی ہر بات مانتا ہے ناں؟ کتنا پیارا ہے۔'' اور کھینچ کر اس کو روم میں لے آئی۔

''کہاں ہے؟'' اجے کے پوچھنے پر مناکشی نے چھت کی جانب انگلی کردی۔ ''اتنی اوپر ہے، دیدی چھوڑیں خود ہی چلا جائے گا۔'' مگر مناکشی نہ مانی تو اجے نے بڑا برش لیا اور چھپکلی کے بچے کو بھگانے لگا۔ وہ بچہ ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ ''اجے کھڑکی کی طرف بھگاؤ۔'' مناکشی نے ہدایت دی۔

''آپ خود آئیں اور اپنے شبھ ہاتھوں سے بھگا لیں ناں!'' اجے نے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھپکلی کا بچہ خود ہی رینگتے ہوئے کھڑکی کی دیوار پر آگیا۔ ''لیں! اس نے آپ کی بات سن لی۔'' اجے نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بکو مت! اور مار دو اس منحوس کو۔'' مناکشی نے کہا تو اجے نے اپنا جوتا اتارا اور بھرپور وار سے اس چھپکلی کے بچے کو چیپ دیا۔ وہ بے چارا وہیں چپک کر مرگیا۔

''لیں آپ کے کمرے کی دیوار کے لئے پوسٹر بنا دیا۔'' اجے نے مناکشی کو چھیڑا۔ پھر مناکشی کے کہنے پر اجے نے مرے ہوئے چھپکلی کے بچے کو گھر کے باہر پھینک دیا۔

پورا گھر شہنائی کی دھن سے گونج رہا تھا۔ آج مناکشی کا وواہ تھا اور وہ سرخ ساڑھی میں لپٹی سجی سنوری اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر میں شور مچ گیا بارات آگئی! بارات آگئی! پھر مناکشی کی کزنز اسے تھامے ہوئے منڈپ میں لے آئیں۔ پنڈت جی نے اشلوک پڑھنا شروع کئے اور پھیروں کی رسم شروع ہوگئی۔ ابھی مناکشی نے چوتھا پھیرا لیا تھا کہ اس کو اپنے پیر پر سرسراہٹ محسوس ہوئی اس نے پھیرا جاری رکھا پھر پانچویں پھیرے میں اسے کسی چیز کے رینگنے کا احساس ہوا اور وہ چیز رینگتی ہوئی اس کے ٹخنے سے ہوتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ مناکشی نے پھیرے چھوڑ کر اپنے پیر کو جھٹکنا شروع کردیا...... ''کیا ہوا؟ سارے لوگ ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔

مناکشی کی ماں نے اس کے کہنے پر اس کے پیر دیکھے مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ پنڈت جی کے کہنے پر دوبارہ پھیرے شروع کرادیئے گئے۔ بہت سی بڑی بوڑھیوں کی بھنویں چڑھ گئیں کہ یہ تو اپشگن ہے۔

پھیروں کے بعد مناکشی بدا ہوکر اپنے سسرال چلی گئی۔ وہاں سب نے اس کا سواگت بہت گرم جوشی سے کیا۔ گھر پرویش کے بعد بھی رسمیں جاری تھیں۔ سب خوب انجوائے کررہے تھے۔ دلہا دلہن کو آمنے سامنے بٹھا کر ان کے آگے ایک پیالے میں دودھ لایا گیا اور شمیتا نے اس کے اندر ایک انگوٹھی ڈال دی۔ ''بھئی جس نے پہلے انگوٹھی نکال لی، ساری زندگی اسی کا حکم چلے گا کیوں بھابھی؟'' شمیتا نے مناکشی سے کہا تو وہ مسکرادی۔ پھر دلہا دلہن نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور انگوٹھی ڈھونڈنے لے۔

اچانک مناکشی کے ہاتھ میں کچھ آیا تو اس نے انگلیوں کو حرکت دے کر ٹٹولا کہ وہ کیا ہے انگوٹھی؟ مگر یہ کیا اس نے خوف سے ہاتھ باہر نکال کر جھٹکنا شروع کردیا۔ سارے لوگوں کے اوپر دودھ کی چھینٹیں آگئیں۔

''کیا ہوا بھابھی؟'' شمیتا نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چھپکلی!" اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔

سب نے حیرت زدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر پیالا خالی کیا گیا تو اس میں سے کچھ بھی نہیں نکلا۔

"چلو بچو! اب بہت دیر ہوگئی ہے باقی رسمیں بعد میں کر لینا۔ آؤ بیٹا تم لوگ ہمارے ساتھ۔" مناکشی کی ساس نے تمام لڑکے لڑکیوں سے کہا اور شمیتا نے مناکشی کو کمرے میں لے جا کر بیڈ پر بیٹھایا اور ونود بھی اپنی ماں کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ مناکشی کی ساس ہاتھ میں انگوٹھی کی ڈبیا لے کر اس کے پاس بیٹھ گئی اور بولی۔ "یہ میری چاند سی بہو کی منہ دکھائی۔" مناکشی نے ہاتھ آگے کر دیا اور اس کی ساس نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

ابھی مناکشی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہی تھا کہ مناکشی کو لگا کہ کوئی چیز پٹ سے اس کے پنجے پر گری ہے، اس نے جو اس طرف دیکھا تو اس کے پنجے پر کالی چھپکلی بیٹھی ہوئی تھی۔ مناکشی نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ ساس کے ہاتھ سے کھینچا اور بیڈ سے نیچے کود گئی۔ ونود اور شمیتا حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر مناکشی کو احساس ہوا کہ اس نے یہ صحیح حرکت نہیں کی اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ کس بے دردی سے اس نے اپنی ساس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ "آئی ایکسٹریملی سوری آنٹی! وہ دراصل چھت سے میرے ہاتھ پر چھپکلی گر گئی تھی۔" مناکشی نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"چھپکلی؟ لیکن بیٹا! تمہارا ہاتھ تو میرے ہاتھ میں تھا، میں نے تو کوئی چھپکلی نہیں دیکھی! خیر چھوڑو، تم لوگ آرام کرو، آؤ شمیتا۔ کہہ کر وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئیں۔ "شمیتا یہ لڑکی نارمل تو ہے ناں؟" انہوں نے باہر آ کر اپنی بیٹی سے پوچھا۔

"جی ماما! بالکل نارمل ہے بلکہ اس سے کافی عرصے سے دوستی ہے، وہ چھپکلی سے بہت ڈرتی ہے۔"

شمیتا نے کہا تو اس کی ماں بس سر ہلا کر خاموش ہو گئی۔

صبح مناکشی کے گھر والے ناشتہ لے کر اس کے سسرال آ گئے۔ ناشتے کی میز سجی ہوئی تھی اور سب دلہا دلہن کا انتظار کر رہے تھے پھر شمیتا اپنے بھائی بھابھی کو لے کر نیچے آئی۔ مناکشی نے انار کے رنگ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی وہ آہستہ سے آئی اور بڑوں کے چرن چھو کر آشیرباد لیا اور سب کے ساتھ بیٹھ گئی۔ "کتنی سندر لگ رہی ہے ہماری مناکشی کیوں گائتری جی؟" مناکشی کی ساس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں لگ تو رہی ہے، مگر ونود بھی کچھ کم ہینڈسم نہیں لگ رہا۔" انہوں نے جھٹ کہا تو سب مسکرا دیئے۔

"بھابھی آپ جوس لیں۔" شمیتا نے اسے گلاس دیتے ہوئے کہا تو اس نے مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ مگر اس نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ گلاس پر اتنی زور سے مارا کہ گلاس دور جا کر چھناکے سے زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گیا اور جوس فرش پر پھیل گیا۔ ساتھ میں مناکشی چیختی ہوئی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور گلاس کی جانب انگلی کر کے بولی۔ "گلاس میں چھپکلی تھی؟"

اس وقت وہ اپنے انداز سے بالکل پاگل لگ رہی تھی۔ اب کی بار مناکشی کی ساس کے ماتھے پر بل پڑ گئے جو کہ اتنے واضح تھے کہ مناکشی کی ماں نے بھی دیکھ لئے۔

"کیا اول فول بول رہی ہو، یہ کوئی مذاق کا وقت ہے؟ انہوں نے بات بنانی چاہی۔

"مگر مام! میں مذاق......" مناکشی نے کہنا چاہا مگر گائتری جی نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کر دیا۔

جب مناکشی اپنے میکے آئی تو اس کی ماں نے اس سے کہا۔ "بیٹا! یہ کیا بچوں جیسی حرکتیں کر رہی تھیں تم؟"

"مام! میں نے سچ مچ دیکھی تھی چھپکلی۔" مناکشی روہانسی ہو گئی۔ "دیکھی ہو گی بیٹا، میں نے کب کہا ہے کہ نہیں دیکھی مگر اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" انہوں نے کہا۔

"اوور ری ایکٹ؟ مام آپ جانتی ہیں کہ مجھے چھپکلی سے کتنا ڈر لگتا ہے، پھر بھی......"

"اب تم شادی شدہ ہو اور اپنے سسرال میں یہ بچکانہ حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں احتیاط برتو، خاص طور سے ساس کے سامنے، جس طرح کی حرکت تم نے کی تھی، تمہاری ساس کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ تمہارا "مانسک سنتولن" بگڑ گیا ہے۔ گائتری جی نے اس کی بات کاٹ کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات میں مناکشی اپنے کمرے میں سورہی تھی۔" ایک چھپکلی رینگتی ہوئی آئی اور مناکشی کی انگلی میں کاٹ لیا۔" اور درد سے اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ پسینے میں شرابور بستر پر ہانپنے لگی۔ "اوہ! بھگوان یہ سپنا تھا! وہ بھی اتنا بھیانک......" مناکشی نے پانی پیا اور تکیئے پر لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ "مام صحیح کہہ رہی تھیں میں نے چھپکلی کو کچھ زیادہ ہی اپنے ذہن پر سوار کرلیا ہے۔ جبھی تو سپنوں میں بھی اس کا دیدار ہورہا ہے۔" اور سر جھٹک کر سوگئی۔

دو چار روز میں ونود نے دوبارہ بزنس جوائن کرلیا۔ ونود کے جانے کے بعد مناکشی بور ہوتی تو شمیتا کے روم میں چلی جاتی۔ مگر اس روم میں اس کو عجیب سا احساس ہوتا کیونکہ شمیتا نے کمرے کی سائیڈ دیوار پر اپنی شاہکار چھپکلی کی تصویر سجائی ہوئی تھی۔ مگر اس روز تو عجیب ہی ہوا۔ جیسے ہی مناکشی نے شمیتا کے روم کا دروازہ کھولا۔ اس کے سر سے پیر تک سنسناہٹ ہونے لگی۔ سامنے دیوار پر چھپکلی کی تصویر تو لگی تھی مگر وہاں چھپکلی نہیں تھی صرف آؤٹ لائن نظر آرہی تھی تصویر میں سارے رنگ تھے ماسوائے چھپکلی کے۔ اتنے میں شمیتا کی نظر مناکشی پر پڑی تو وہ بولی۔ "بھابھی آج ہی میں نے اس تصویر کو سائیڈ دیوار سے اتار کر سامنے لگایا ہے۔ یہاں زیادہ اچھی لگ رہی ہے ناں۔" شمیتا اپنی دھن میں تھی جبکہ مناکشی کی نگاہیں تصویر میں اٹکی ہوئی تھیں۔ پھر وہ بہانہ کرکے اپنے روم میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا میری نظر بھی خراب ہوگئی ہے؟ اتنے میں اس کی نگاہ چھت پر جو گئی تو وہ دھک سے رہ گئی وہاں ایک سیاہ چھپکلی تھی۔ اسے کرنٹ لگا اور وہ بیڈ سے اٹھ کر نیچے کھڑی ہوگئی۔ وہ چھپکلی رینگتی ہوئی سائیڈ کی دیوار پر آئی اور چلتے چلتے نیچے زمین پر اتر آئی اور مناکشی سے بالکل ذرا سے فاصلے پر رک گئی۔ خوف سے مناکشی وہیں جم گئی۔ اور پلک جھپکتے میں اس چھپکلی کا سائز خود بخود بڑھنے لگا اور بڑھتے بڑھتے بے انتہا بڑا ہوگیا۔ مناکشی کی روح فنا ہونے لگی۔ پھر اس چھپکلی نے اپنا منہ کھولا تو اس میں سے گن گن کرتی آواز نکلی۔ "تو نے جو بویا ہے اسے ضرور کاٹے گی! کیا بگاڑا تھا میرے ننھے سے معصوم بچے نے تیرا؟ جو تو نے اسے اتنی بری طرح سے مروادیا۔" اور پھر اس چھپکلی نے زور سے کوئی چیز مناکشی کی طرف اگل دی۔ مناکشی نے بے اختیار اپنا ہاتھ آگے کردیا اور اس کا ہاتھ گیلا ہوگیا۔

مناکشی کب ہوش سے بیگانی ہوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا، پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ وہیں پڑی تھی شاید کوئی اس طرف آیا ہی نہیں تھا۔ پھر اسے اپنے ہاتھ میں جلن کا احساس ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا "وہی ہاتھ" بہت سوجا ہوا تھا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ ناک کیا اور پھر دروازہ کھل گیا۔ یہ شمیتا تھی اور پھر جب اس کی نظر مناکشی کے ہاتھ پر پڑی تو وہ لپک کر آئی اور اسے بیڈ پر بٹھا کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگی پھر تھوڑی دیر بعد سب گھر والے اور ڈاکٹر مناکشی کے کمرے میں تھے۔

ڈاکٹر ونود کا دوست تھا اس لئے فوراً ہی آگیا تھا اس نے مناکشی کے ہاتھ کا غور سے معائنہ کیا اور پھر بولا۔ "بھابھی! آپ کو یاد ہے کہ آپ کہاں گئیں تھیں؟" مناکشی نے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلایا کیونکہ اسے معلوم تھا سب اسے پاگل سمجھیں گے۔

مناکشی کا ہاتھ اب بہت زیادہ سوج گیا تھا اور اس میں ہلکی سی نیلاہٹ بھی تھی۔ "بھابھی یہ لگتا ہے بہت ہی زہریلی چیز کا کاٹا ہوا ہے۔ آپ ونود کے ساتھ کلینک آئیں ہمیں اسے صاف کرنا پڑے گا۔" ڈاکٹر نے دوبارہ ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوجن ایسی تھی جیسے کسی جھلی میں کچھ بھرا ہوا ہو۔ پھر ڈاکٹر نے اس کی اسکن کو صاف کیا تو اس کے اندر سے ہلکا نیلا پانی جیسا نکلا۔ "دیکھ رہے ہو ونود یہ؟" یہ زہر ہے! ڈاکٹر نے ونود سے کہا۔ پھر مناکشی کی پٹی کرکے اسے گھر بھیج دیا۔ مناکشی جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئی اس کی آنکھوں میں وہی منظر دوبارہ گھوم گیا۔ اس نے ونود کا بازو زور سے تھامتے ہوئے کہا۔ "ایک بات بولوں آپ یقین کریں گے؟" وہ بہت جھجک رہی تھی۔

"ہاں، ہاں ضرور کہو!" ونود نے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔ "دوپہر میں جب......" اور پھر اس نے ساری بات ونود کو بتادی۔ جب اس کی بات پوری ہوگئی تو ونود بولا...... "مناکشی......! آئی تھنک تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" "مگر آپ میری بب...... بات......" مناکشی نے کہنا چاہا۔

"ناٹ اگین مناکشی! ونود نے اس کی بات کاٹی اور کپڑے چینج کرنے لگا۔ مناکشی کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے، اس کو بے حد خوف محسوس ہورہا تھا مگر کوئی اس پر یقین ہی نہیں کررہا تھا۔

اگلی صبح مناکشی کے لئے بم بلاسٹ ثابت ہوئی اس کی ماں کا فون آیا جو کہ دھاڑیں مار رہی تھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی اجے! اب اس دنیا میں نہیں تھا۔ ایک انتہائی خوفناک حادثہ رات اس کے ساتھ پیش آیا تھا جس میں اس کی مرتیو ہوگئی تھی۔ رات اجے اپنے کمرے میں سورہا تھا اس کی چھت میں لگا پنکھا چلتے چلتے نکل کر اس کے اوپر آگرا۔ اور اس کے سر سے سینے تک کا حصہ بری طرح کچل دیا اس کی پوری کھال تک ادھڑ گئی تھی۔

مناکشی سکتے میں آگئی۔ اجے سے ہی تو اس نے چھپکلی کا بچہ مروایا تھا۔ مناکشی دھاڑے مار مار کر رورہی تھی۔ سب سمجھ رہے تھے کہ وہ اجے کی موت پر رورہی ہے جبکہ مناکشی کا یہ سوچ سوچ کے دم خشک ہورہا تھا کہ اب اگلی باری اس کی اپنی ہے۔ اس کی طبیعت خراب ہونے لگی تو اس کی ساس نے اسے سکون کی گولی کھلا کر سلادیا۔

مناکشی کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا اور اس کا سر بھاری ہورہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے لائٹس آن کیں اور پھر وہ نہانے چلی گئی شاور سے پانی نکل کر اس کے جسم پر پڑا تو اسے نہایت سکون کا احساس ہوا مگر یہ سکون بھی عارضی ثابت ہوا، ابھی شاور کا پانی جسم پر گرتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ مناکشی کو اپنے وجود پر ہزاروں ننھے ننھے پنجے چبھتے ہوئے محسوس ہونے لگے اور بالوں میں بھی سرسراہٹ ہورہی تھی اس نے فوراً شاور بند کیا اور جلدی سے باہر آگئی۔ وہ خوفزدہ ہوکر بیڈ پر بیٹھ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ وہ بار بار اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی اسے اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہورہا تھا، پھر اس نے ساڑھی باندھی اور کھانے کی میز پر آکر بیٹھ گئی۔ وہاں سب نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ مناکشی کی ساس بولیں۔ "بیٹا اٹھ کر آواز دے لیتیں تو شمیتا آجاتی تمہارے پاس، میں نے سوچا تم سورہی ہو اس لئے کھانے پر بلانے نہیں آئی۔ خیر چلو! اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ، ویسے بھی تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔" شمیتا نے تھالی میں کھانا پروسا اور مناکشی کو دے دیا، مناکشی خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ پھر سب نے کھانا ختم کرلیا تو وہ لوگ باتیں کرنے لگے۔

صبح مناکشی کی آنکھ کھلی تو ونود آفس جاچکا تھا، مناکشی اٹھی اور بستر ٹھیک کرکے منہ دھونے چلی گئی۔ اس نے واش بیسن کا نل کھولا اور منہ پر چھینٹے مارنے لگی پھر اس نے منہ دھوکر سامنے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو وہیں جم گئی۔ "سامنے آئینے میں مناکشی کے عکس کے بجائے کالی چھپکلی نظر آرہی تھی۔ اور سب سے بھیانک بات یہ کہ وہ منہ کھول کر ہنس رہی تھی ساتھ اس کی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ مناکشی کے منہ سے آواز کے بجائے صرف سیٹیاں نکل رہی تھی، خوف سے اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ باہر نکلی اور دوڑتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی اور تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی اپنی ماں کے گھر پہنچ گئی۔ اور دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔

مناکشی کی ماں اسے اس طرح دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اس کی حالت چند روز میں ابتر ہوگئی تھی، پیلی رنگت، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، شکن آلود ساڑھی، ڈھیلی چٹیا جس میں سے لٹیں نکلی ہوئی تھیں۔ "کیا ہوا بیٹا......؟" گائتری کی سانسیں رکنے لگیں۔

مناکشی نے بنا کچھ کہے ہچکیاں لے کر رونا شروع کردیا اور سختی سے اپنی ماں کو اپنے سے چمٹا لیا۔ بڑی مشکل سے گائتری جی نے مناکشی کو خود سے جدا کیا۔ "مناکشی کیا ہوا ہے......؟ کچھ منہ سے تو بول! دیکھ میرا دل بیٹھا جارہا ہے، کہیں تیرے سسرال والوں نے تو......" انہوں نے گھبراتے ہوئے صرف اتنا ہی جملہ ادا کیا۔ مناکشی نے نفی میں گردن ہلادی۔ "بیٹا! جب تک تو منہ سے نہیں بولے گی تو مجھے پتہ کیسے چلے گا۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماں! مم مم مجھے بچالو" اتنا کہہ کر مناکشی پھوٹ پھوٹ کررونے لگی۔ گائتری جی کا دل کٹنے لگا۔ انہوں نے مناکشی کو پانی پلایا پھر وہ کافی دیر اسے چمکارتی رہیں تب کہیں جاکر مناکشی نے انہیں چھپکلی کے بچے کو مارنے سے لے کر اجے کی موت اور آئینے والی بات تک سب کچھ بتا دیا۔ "ماں! وہ ضرور کوئی مخلوق ہے جو چھپکلی کے روپ میں ہے اور اب اپنے بچے کی موت کا بدلہ مجھ سے لے گی۔"

گائتری نے مناکشی کی ساری باتیں سن کر کچھ نہیں کہا مگر دل میں ان کا یہ سوچنا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کی موت کو مناکشی نے دل پر لے لیا ہے جبھی ایسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہے۔ انہوں نے تین چار روز کے لئے مناکشی کو اپنے پاس ہی روک لیا اور اس کی ساس کو فون کر کے بتا دیا۔ رات کو انہوں نے تمام ماجرا مناکشی کے پتا کے گوش گزار کردیا۔ مناکشی کے پتا نے اپنے متر جو کہ ماہر نفسیات تھے بات کی تو انہوں نے مناکشی سے تفصیلی گفتگو کی اور اس کا نتیجہ یہ ہی نکلا کہ مناکشی نے اپنے بھائی کی موت کے صدمے کی وجہ سے ایک چھپکلی کے بچے کو مارنے سے جوڑ کہ ایک کہانی بنالی ہے جو کہ اس کے دماغی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اسے کچھ دوائیں دیں کہ جو سکون کی تھیں۔ چوتھے روز مناکشی اپنے سسرال چلی گئی۔ دواؤں کے اثر سے وہ وقتی طور پر چھپکلی کو بھول گئی تھی۔

ونو اور مناکشی اپنے بیڈ پر بیٹھے باتیں کررہے تھے، اچانک ہی مناکشی بولتے بولتے چپ ہوگئی۔ ونو نے اس کی جانب دیکھا تو مناکشی کی نگاہیں چھت پر تھیں جہاں ایک سیاہ چھپکلی چپکی ہوئی تھی۔ ونو نے جو چھپکلی دیکھی تو غصے سے بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "آج میں اس منحوس کا کام ہی کردیتا ہوں!" اور بیڈ کی دراز سے اپنا ریوالور نکال لیا۔

"ونو پلیز! رک جایئے!" مناکشی نے بیڈ سے اتر کر ونو سے کہا۔ اس نے ابھی ونو کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ ونو نے فائر کردیا۔ ونو کا نشانہ خطا ہوگیا۔ مگر چھپکلی فائر سے ٹس سے مس نہ ہوئی اس سے پہلے کہ ونو دوبارہ فائر کرتا ان دونوں کے منہ بے تحاشا کھل گئے۔

"کمرے کی چھت سے لاتعداد سوئیاں نیچے گرنے لگیں۔ وہ چھت میں سے نکل نکل کر زمی بارش کی طرح برس رہی تھیں اور زمین پر گرتے ہی سوئی چھپکلی میں تبدیل ہوجاتی۔"

پورے کمرے میں چھپکلیاں پھیل گئی تھیں، منا نے جو یہ منظر دیکھا تو وہ سہم کر پیچھے ہٹنے لگی۔ ان چھپکلیوں نے اپنا رخ مناکشی کی طرف کرلیا تھا، ان کی تع لاکھوں میں تھی۔ ونو اپنی جگہ سن کھڑا رہ گیا، مناکشی اچھ بیڈ پر چڑھ گئی تو چھپکلیوں نے بھی اپنا رخ وہیں کیا اور اچ اچھل کر بیڈ پر کودنے لگیں۔ ایکدم بیڈ کی چادر مناکشی کے پیر میں الجھی اور وہ بیڈ پر گرگئی۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپکلیاں مناکشی کے وجود پر چڑھ گئیں کوئی اس کے پ پر، کوئی چہرے پر، کوئی منہ میں...... مناکشی سر سے پیر تک چھپکلیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ خوف سے مناکشی کے دماغ رگ پھٹ گئی اور اس کے ناک سے خون جاری ہونے لگ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک پھیل گئی تھیں۔

جب گھر والے صبح مناکشی اور ونو کے نہ جاگنے آئے اور دروازہ ناک کرنے پر بھی انہوں نے نہ کھولا دونوں دروازہ توڑ کر داخل ہوئے۔ مناکشی بیڈ پر پڑی اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں بے تحاشا پھٹی ہو تھیں اور ناک سے خون نکل کر بستر پر جم چکا تھا۔

جبکہ ونو زمین پر ہوش سے بیگانہ پڑا تھا۔ وہ اسپتال بھاگے۔ ڈاکٹرز نے مناکشی کی موت بر ہیمرج بتائی۔ جبکہ ونو اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔

وہ بار بار ہر وقت اپنے پائینچے ہاتھ میں پک جھاڑتا رہتا، کبھی ہاتھ جھٹکتا، کبھی پیر جھٹکتا اور کبھی پائینچے اونچے کرکے صوفے، بستروں پر چڑھ جاتا۔ دونوں کے ساتھ کیا ہوا تھا یہ آج تک کسی کو نہ پتہ چل مناکشی نے صرف ایک معمولی چھپکلی کا بچہ اس چھپکلی کے بچے کو مروادیا تھا۔ مگر کسے معلوم تھا کہ وہ کے روپ میں کچھ اور ہی چیز تھی اور اس نے اپنے موت کا بدلہ مناکشی کی موت سے پورا کرلیا تھا۔

بھینٹ

محمد عرفان رامے۔ لاہور

اچانک کمرے میں نسوانی آواز گونجی۔ اب ساری زندگی تمہارے پاس دولت کی کمی نہیں ہوگی مگر جب بھی کسی سے کوئی نیا رشتہ یا تعلق بنے گا تو وہ استوار نہیں ہوگا، تمہارے لالچ نے تمہیں ایسا بنا دیا پھر اچانک......

خودغرضی، مطلب پرستی اور لالچ کی ایک انمٹ کہانی جو پڑھنے والوں کے ذہن سے مس نہ ہوگی

انسان اگر اپنے حال سے مطمئن نہ ہو تو ماضی کی خوشگوار یادیں اسے سکون سے جینے نہیں دیتیں۔ قاسم کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ مہرو سے شادی کرنا اس کا خواب تھا لیکن پھر ثریا دلہن بن کر اس کی زندگی میں آدھمکی۔

ثریا، قاسم کی خالہ زاد ہی نہیں بچپن کی منگیتر بھی تھی۔ مگر قاسم نے کبھی اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ تو مہرو کا دیوانہ تھا۔ مہرو گاؤں کے بڑے زمیندار ملک فیاض کی بھتیجی تھی۔ قاسم کی اُس سے ملاقات ایک سال قبل اپنے ہی گاؤں میں ملک فیاض کے بیٹے ملک ارشد کی شادی میں ہوئی تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد ہی جب قاسم کے والد کا ایک حادثے میں انتقال ہوگیا تو ماں نے اس کی شادی اپنی یتیم بھانجی ثریا سے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاسم کو یہ رشتہ کسی صورت قبول نہیں تھا۔ اس نے اپنی ماں کو مہرو کے بارے میں سب کچھ بتا کر ثریا سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ماں کے رضامند نہ ہونے پر خودکشی اور گھر چھوڑ جانے کی بھی دھمکی دی مگر ماں نے اپنا فیصلہ نہ بدلا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مہرو کے والدین شہر میں رہتے تھے اور بہت امیر لوگ تھے جب کہ قاسم کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کی ماں یہ رشتہ مانگ کر انکار سننے اور اپنی تذلیل کروانے کے حق میں بالکل نہیں تھی۔

چنانچہ قاسم کو ہتھیار ڈال کر ماں کی ضد کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ لیکن شادی کے بعد قاسم نے مہرو سے یوں ناطہ توڑ لیا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔ ملک فیاض کا بیٹا ملک راشد جو کہ قاسم کا گہرا دوست تھا اور اُس کی مہرو سے محبت سے آگاہ بھی تھا۔ اس نے قاسم کو بتا دیا کہ مہرو اُس کی شادی سے آگاہ ہو چکی ہے اور چاہتی ہے کہ اب قاسم اس سے کبھی رابطہ نہ کرے اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزارے۔

دن گزرتے رہے۔ قاسم کا دل اب گاؤں اور اپنی بیوی ثریا سے بری طرح اچاٹ ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس نے شہر جا کر ایک پرائیوٹ دفتر میں ملازمت کر لی۔ اب وہ مہینے میں صرف ایک مرتبہ گاؤں آتا تھا۔

ثریا اپنی ساس کے ساتھ گاؤں میں ہی رہتی تھی۔ وہ قبول صورت مگر بہت شاکر عورت تھی۔ وہ قاسم کی مہرو سے محبت کا راز بھی جانتی تھی مگر کبھی اسے طعنہ نہیں دیا تھا۔ قاسم جب بھی شہر سے واپس لوٹتا تو ثریا اُس کی بہت خدمت کرتی مگر قاسم نے کبھی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔

اسی طرح تین برس گزر گئے اور پھر ایک روز قاسم کی ماں بھی انہیں الوداع کہہ کر افق کے اُس پار جا بسی۔ اب ثریا کو اپنے ساتھ شہر لے جانا قاسم کی مجبوری تھی۔ لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ شہر میں کوئی ڈھنگ کا مکان لے سکے۔ جب وہ مکان تلاش کرتے کرتے تھک گیا تو ایک روز اس کے دفتری ساتھی اشرف نے اسے اپنے آبائی مکان میں رہنے کی پیش کش کر دی اور کہنے لگا:

"دیکھو یار! میرا تعلق کسی نواب فیملی سے ہرگز نہیں ہے۔ بس والد نے اچھے وقتوں میں دو مکان بنائے تھے۔ ایک میں میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہوں جب کہ دوسرا برسوں سے خالی پڑا ہے۔ وہ گھر میرے والد کو وراثت میں ملا تھا۔ اگر تمہیں کوئی مکان نہیں مل رہا تو اسی میں بسیرا کر لو۔ جو کرایہ دو گے دوستی یاری سمجھ کر قبول کر لوں گا۔" یہ سنتے ہی قاسم کی باچھیں کھل گئیں اور وہ بے تابی سے بولا:

"ان حالات میں اس سے بڑی مہربانی اور کیا ہو سکتی ہے اشرف۔۔۔ مگر وہ مکان ہے کس جگہ؟"

"بہت دور تو نہیں ہے۔ مگر کچھ کچھ دیہاتی ماحول ہے وہاں کا۔ مکان کھلا اور ہوادار ہے۔ مگر بجلی کی سہولت فی الوقت میسر نہیں ہے وہاں۔ دراصل بجلی کا میٹر میں نے خود ہی اتروا دیا تھا۔ تنخواہ دار آدمی ہوں کہاں دو دو بل ادا کروں۔ ہاں تم وہاں رہنا شروع کرو تو میں میٹر دوبارہ لگوا دوں گا۔" اشرف نے اسے سب کچھ صاف لفظوں میں بتا دیا تو قاسم بولا:

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر مکان اگر زیادہ دور ہے تو میں دفتر کیسے آیا کروں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو قاسم میاں۔ مکان جنگل میں ہرگز نہیں ہے۔ مین روڈ کے بالکل قریب ہے۔ ہر وقت بسیں و یگنیں گزرتی ہیں وہاں سے، تمہیں بالکل تکلیف نہیں ہوگی۔"

اشرف نے تسلی دی تو قاسم کو یقینی سکون سا مل گیا۔ اگلے روز وہ اشرف کے ساتھ مکان دیکھنے بھی گیا۔ وہاں کا ماحول واقعی دیہاتی تھا۔ ارد گرد سرسبز فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ اشرف کا مکان آبادی سے تھوڑا ہٹ کر تھا۔ لیکن پھر بھی قاسم کو سو فیصد قبول تھا۔ اس نے فوراً اشرف کو ہاں کر دی اور یہ سوچ کر خود کو تسلی دینے لگا کہ ثریا تو ویسے بھی گاؤں میں رہتی ہے۔ اس ماحول میں بھی بہت جلد اس کا دل لگ جائے گا۔

دو تین دن بعد وہ ثریا کو گاؤں سے لے آیا۔ دو بڑے بڑے کمرے، برآمدہ اور کھلا صحن۔۔۔ مکان ثریا کو بہت پسند آیا تھا۔ لیکن صحن کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا تہہ خانہ بھی تھا جس کا راستہ ایک چھوٹے سے کمرے میں کھلتا تھا۔ یقول اشرف یہ تہہ خانے اس کے دادا نے بنوایا تھا۔ لیکن اب یہ مدت سے بند پڑا تھا اور سارے گھر کا کاٹھ کباڑ اسی میں پھینکا جاتا تھا۔ کمرے سے بہت ہی تنگ و تاریک سیڑھیاں تہہ خانے کے اندر جاتی تھیں اور وہاں دن میں بھی گھپ اندھیرا رہتا تھا۔ اس لیے کوئی اس طرف جاتا ہی نہیں تھا۔ اشرف نے اسے بھی تہہ خانے اور اُس کمرے کو نظر انداز کر دینے کی ہدایت کی۔ یہی ہدایت قاسم نے ثریا کو بھی کر دی تھی کہ اسے تہہ خانے کی طرف جانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔

دن ایک مرتبہ پھر پنکھ لگا کر اڑنے لگے۔ قاسم کا خیال تھا کہ اب مہرو اس سے شدید نفرت کرنے لگی ہوگی اور بے وفا سمجھ کر فراموش بھی کر چکی ہوگی۔ لیکن قاسم کا یہ اندازہ اُس روز غلط ثابت ہوا جب شادی کے تین سال بعد اچانک بازار میں اس کا سامنا مہرو سے ہو گیا۔ قاسم نے اسے دیکھتے ہی کترا کر بچ نکلنے کی کوشش کی مگر مہرو خود ہی اس کے قریب آ گئی اور افسردہ لہجے میں بولی:

"ماناکہ اب تم کسی اور کے ہو گئے ہو، پر مجھے آج بھی تم سے محبت ہے۔۔۔ مگر میری اس محبت کا غلط مطلب مت لینا۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش رہو۔"

مہرو کے رویے نے قاسم کے ذہن پر بہت گہرا اثر کیا تھا۔ یادوں کے پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے اور اُسے ذہنی طور پر اپنی بیوی سے کوفت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی محبت میں ناکامی کی وجہ ثریا کو ہی قرار دے رہا تھا اور سوچتا تھا کہ اگر ثریا اُس کی زندگی میں نہ آتی تو آج وہ مہرو کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہا ہوتا۔ اب وہ ثریا سے مزید کھچا کھچا رہنے لگا تھا۔ وہ دل سے دعا کرتا تھا کہ کوئی معجزہ رونما ہو اور اس کی ثریا سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے۔

کافی دن اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے۔ اب وہ اکثر مہرو سے ملنے لگا تھا۔ مہرو کے والد فوت ہو چکے تھے اور وہ اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ یہی نہیں اس نے ابھی تک شادی بھی نہیں کی تھی۔ جیسے جیسے ان کے درمیان محبت بڑھتی چلی جا رہی تھی قاسم کو اپنی بیوی سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ اب تو وہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بھی سوچنے لگا تھا۔ پھر ایک روز نہایت عجیب واقعہ رونما ہوا:

رات گئے قاسم لالٹین کی روشنی میں دفتر کا کچھ کام نمٹا رہا تھا۔ ثریا کو شاید اس وقت نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ کچھ دیر چہل قدمی کے لیے صحن میں چلی گئی۔ باہر صحن میں گھپ اندھیرا تھا۔ اسے گئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اچانک وہ تیزی سے ہانپتی کانپتی واپس لوٹ آئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ بہت خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اندر داخل ہو کر کمرے کے دروازے کو کنڈی لگا دی اور بستر پر گر کر گہرے سانس لینے لگی۔ اس کی حالت دیکھ کر قاسم نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور روکھے لہجے میں پوچھا:

"کیا بات ہے؟ اتنی رات کو کیا بھاگم بھاگ لگا رکھی ہے تم نے۔"

"وہ۔۔۔ وہ باہر۔۔۔"

ثریا سے بات مکمل کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی دہشت زدہ نظریں بار بار بند دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ جیسے باہر کوئی چور یا ڈاکو موجود ہو۔

"خیریت تو ہے، کیا تھا باہر؟" معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے قاسم نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"کچھ تو دیکھا ہوگا تم نے"

"جی۔۔۔ جی نہیں۔۔۔"

"پھر اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟" قاسم چڑ کر بولا۔

"باہر میں نے ایک آواز سنی ہے۔ میں نے کچھ دیکھا نہیں بس آواز سنی ہے۔" ثریا نے اُس طرف دیکھ کر سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس کی آواز تھی؟'' قاسم چونکا۔

''کوئی عورت تھی۔۔۔'' ثریا نے پھر خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

''چلو میں دیکھتا ہوں۔'' قاسم اٹھنے لگا تو وہ تیزی سے بولی:

''خدا کے لیے آپ باہر نہ جائیں۔'' وہ گڑگڑانے لگی۔

''حماقت کی باتیں مت کرو۔'' قاسم نے سے سمجھایا اور پھر الماری سے اپنی ٹارچ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

وسیع و عریض صحن میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ قاسم نے دروازے کے پاس رک کر ٹارچ روشن کی اور صحن کا جائزہ لینے لگا۔ ٹارچ کی تیز روشنی اندھیرے میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ خاصی دیر بعد جب اسے اطمینان ہو گیا کہ صحن میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے تو اُس نے ثریا کی طرف متوجہ ہو کر نرمی سے کہا۔

''وہم ہوگا تمہارا۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''خدا کرے وہ میرا وہم ہی ہو۔'' ثریا نے لمبی سانس لے کر جواب دیا اور پھر اس کمرے کی طرف دیکھنے لگی جس کے نیچے تہہ خانہ تھا۔

''کس قسم کی آواز تھی؟'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''کسی عورت کی آواز تھی۔ جیسے وہ بہت کرب کی حالت میں ہو۔'' ثریا نے یہیں تک کہا تھا کہ قاسم کے اپنے جسم میں بھی سنسنی کی تیز لہر دوڑ گئی اور وہ چونک کر تہہ خانے کی طرف دیکھنے لگا۔

گھپ اندھیرے میں کسی عورت کے قہقہے کی آواز اسے بھی بہت خوفزدہ کر گئی تھی۔ یوں لگا تھا جیسے کسی برتن میں بہت سارے کنکر جمع کر کے انہیں زور سے ہلایا گیا ہو۔ چند لمحے تک قاسم وہاں گم صم کھڑا رہا اور پھر ٹارچ روشن کر کے تہہ خانے کی طرف بڑھا۔

''خدا کے لیے آپ اس طرف نہ جائیں۔'' ثریا نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔

''گھبراؤ نہیں۔۔۔ اگر وہ کوئی عورت ہمیں اس سے خائف نہیں ہونا چاہیے۔'' قاسم اسے تسلی دی۔

''پھر بھی میری التجا ہے کہ آپ اس وقت دیں، صبح دیکھا جائے گا۔'' قاسم نے کچھ سوچ کر بیوی کی بات مان لی اور اندر چلا گیا۔

اگلے روز سورج کی روشنی میں قاسم نے کر میں داخل ہو کر تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ لیکن وہاں جھنکار اور کوڑے کرکٹ کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ محسوس ہو رہا تھا جیسے مختلف اوقات میں اس تہہ خا پُر کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔ لہٰذا قاسم نے یہ کر اس واقعے کو نظر انداز کر دیا کہ ممکن ہے یہ قہقہ پاگل عورت نے گھر کے باہر لگایا ہو۔ چنانچہ ناشتے بعد وہ ثریا کو تسلی دے کر دفتر چلا گیا۔

اس بات کو ابھی چند روز گزرے تھے کہ ر رات ثریا چیخ مار کر سوتے سے بیدار ہو گئی۔ اُس کا یوں کانپ رہا تھا جیسے لرزے کا بخار ہو گیا ہو۔ اُس آنکھوں میں دہشت اور چہرے پر پسینے کے قط جھلملا رہے تھے۔ وہ بار بار دروازے کی جانب رہی تھی۔

ثریا کی حالت دیکھ کر پہلے تو قاسم نے سو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر سلا دے۔ مگر پھر خیال آیا کہ ہے اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو۔ چنانچہ نے سگریٹ سلگا کر نرم لہجے میں پوچھا:

''کیا پھر کوئی خواب دیکھ لیا ہے تم نے؟''

''ہاں ۔۔۔ میں نے پھر وہی آواز سنی بہت واضح، بہت قریب سے جیسے کوئی میرے قریب موجود ہو۔'' ثریا نے کانپتے ہوئے کہا تو سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا:

''کیا کہتی ہے وہ۔۔۔''

''کچھ عجیب سا جملہ بولتی ہے وہ۔۔۔ بھینٹ کے بدلے مال لو۔۔۔'' اس کے چہرے شدید بے بسی اور بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ میں تمہارے قریب ہی بیٹھا ہوں۔ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔'' قاسم نے مسکرا کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''جی بہتر۔۔۔ لیکن ایک بات کہوں؟'' ثریا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولو؟''

''مجھے یہ گھر ٹھیک نہیں لگتا۔ یقیناً اس میں آسیب کا سایہ ہے۔ آپ کوئی دوسرا مکان لے لیجئے۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے ثریا بیگم۔ تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو کہ یہ مکان میں نے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد حاصل کیا ہے۔ اور تم منہ بنا کر کہہ رہی ہو کہ نیا گھر لے لیں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنا خوف دور کرنے کی کوشش کرو۔ کیوں کہ بھوت پریت اس گھر میں نہیں تمہارے دماغ میں گھسے ہوئے ہیں۔'' قاسم کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''کچھ بھی ہو۔ اب مجھے اس مکان سے خوف آنے لگا ہے۔'' ثریا بھی اپنی بات پر ڈٹ گئی تھی۔

''تو پھر اپنے خوف کو ختم کرو۔ اور یاد رکھو کہ میں یہ مکان ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔'' قاسم نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

ثریا اس کے تلخ جواب پر خاموش ہو گئی اور چپ چاپ بستر پر جا لیٹی۔ قاسم دفتر کا کچھ کام کر رہا تھا۔ اُس نے جب بھی کن انکھیوں سے ثریا کو دیکھنے کی کوشش کی اسے گہری سوچ میں غرق اور پریشان پایا۔ وہ مسلسل چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ اُس چہرے پر بے بسی کے آثار تھے۔

یہ بات قاسم بھی جانتا تھا کہ ثریا بہت صابر شاکر عورت ہے۔ اس نے کبھی غیر ضروری بات نہیں کی تھی اور نہ ہی کبھی بھوت پریت کا تذکرہ کیا تھا۔

''پھر اچانک یہ سب کچھ کیسے شروع ہو گیا اور وہ پُراسرار آواز کس کی ہے جس نے میری بیوی کا سکون چھین لیا ہے۔''

قاسم رات بھر اسی خیال سے پریشان رہا۔ اگلے روز دفتر پہنچ کر اس نے دبے لفظوں میں اشرف سے بھی اس بارے میں تذکرہ کیا لیکن اشرف نے یہ سب ان کا وہم قرار دے کر موضوع ہی بدل دیا۔ اس کا انداز دیکھ کر قاسم نے بھی کسی قسم کا اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیوں کہ وہ خود بھی فی الحال اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ نیا مکان تلاش کرنے نکل پڑتا۔ لیکن اس نے دل ہی دل میں فیصلہ ضرور کر لیا کہ ساتھ ساتھ نئے مکان کی تلاش بھی جاری رکھے گا۔ اور جیسے ہی کوئی مناسب ٹھکانہ ملا، اشرف کا شکریہ ادا کر کے اُس کا گھر خالی کر دے گا۔

شام کو چھٹی کے بعد قاسم گھر کے لیے روانہ ہوا تو آنکھوں کے سامنے اب بھی ثریا کا پریشان چہرہ تھا۔ اسے یہ سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی کہ ثریا سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہے۔ اگر وہ اسی طرح خوفزدہ رہنے لگی تو ایک دن نفسیاتی مریضہ بن جائے گی۔ انہیں سوچوں میں وہ بس میں سوار ہو کر اپنے اسٹاپ پر جا اترا۔ بس اسٹاپ پر ایک چھوٹی سی پرچون کی دوکان بھی تھی۔ قاسم بس سے اتر کر اکثر اسی دوکان سے گھر کے لیے سامان خریدتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب اس دوکان کا مالک جسے سب بابا شرفو کہتے تھے قاسم کا دوست بن گیا تھا۔ اُس روز بھی قاسم نے بابا شرفو سے سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور وہیں بیٹھ کر گپ شپ کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں قاسم نے بابا شرفو سے کرایہ کے مکان کے بارے میں ذکر کیا تو وہ بولا:

''قاسم میاں! میں تمہیں کرائے کا مکان تو ڈھونڈ کر دے سکتا ہوں مگر ایک بات کہوں جس مکان میں تم رہتے ہو وہ بھی اتنا برا نہیں ہے۔ پھر اسے کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟''

قاسم نے سنجیدگی سے جواب دیا ''بس کچھ پریشانی ہے۔''

''کیوں۔۔۔ کوئی خاص بات ہے کیا۔''

بابا شرفو نے چونک کر پوچھا تو قاسم نے دل ہلکا کرنے کے لیے اسے بھی سارا قصہ سنا دیا۔ بابا شرفو نے اس کی ساری بات توجہ سے سنی اور پھر سرگوشی کے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انداز میں بولا:

''میرا مشورہ تو یہی ہے کہ مکان تبدیل کرنے کی بجائے اُس آواز کا کھوج لگانے کی کوشش کرو۔''

''کیا مطلب؟'' قاسم چونکا۔

''میرے دادا بتایا کرتے تھے کہ جس مکان میں تم رہتے ہو قیام پاکستان سے پہلے وہاں لکشمی دیوی کا مندر تھا۔ ہندو لوگ نہ صرف یہاں آ کر منتیں مانگتے تھے بلکہ پوری ہو جانے پر بھینٹ بھی چڑھایا کرتے تھے۔ دادا بتاتے تھے کہ لکشمی دیوی کو چڑھائی جانے والی بھینٹ انسانوں اور جانوروں کی ہوتی تھی۔ ہندو لکشمی دیوی کو دولت کی دیوی قرار دیتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جس پر یہ دیوی مہربان ہو جائے اس کے دن پھر جاتے ہیں اور وہ ساری عمر دولت سے کھیلتا ہے۔۔۔ اس لیے ممکن ہے تمہارے بھی دن پھرنے والے ہوں۔ اور تمہیں بھی کوئی بڑا خزانہ مل جائے۔'' بابا شرفو نے اسے یہ بات رازداری سے سنائی تو قاسم چاہتے ہوئے بھی اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔

''یہ سائنس کا دور ہے بابا۔۔۔ تم بھی کیسی عہد جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ کیوں میری غربت کا مذاق اڑاتے ہو۔''

''میری بات کو مذاق سمجھ کر مت ٹالو قاسم میاں۔ میرے دادا کالے علم کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے خود مجھے بتایا تھا کہ شیاطین کو خوش کر کے بہت سے فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے اگر تمہیں موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ۔'' بابا شرفو نے اس کی ہنسی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے ان باتوں پر یقین نہیں ہے بابا۔ یہ سب ضعیف الاعتقادی کی باتیں ہیں۔''

قاسم نے بجھتے ہوئے سگریٹ کا آخری کش لیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس روز موسم خاصا گرم تھا۔ چنانچہ قاسم نے رات کو کمرے کی بجائے صحن میں سونے کا پروگرام بنایا اور اپنی چارپائی باہر نکال لی۔ ثریا نے اسے بہت منع کیا کہ وہ صحن میں نہ سوئے، پر قاسم نے ایک نہ مانی۔ جس پر مجبوراً ثریا کو بھی ہار پڑا۔ وہ بہت خوفزدہ تھی مگر خاموشی سے اپنی چارپائی لیٹی ہوئی تھی۔ کافی دیر تک سگریٹ پھونکنے کے بعد قاسم نے ثریا کی جانب دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

اسے بار بار بابا شرفو کی بات یاد آ رہی تھی کہ آواز کا کھوج لگانے کی کوشش کرو، ممکن ہے قسمت کا تالا کھل جائے۔ چنانچہ وہ بستر سے اتر کر میں چہل قدمی کرنے لگا اور پھر ہمت کر کے اس کے قریب جا پہنچا جس کے نیچے تہہ خانہ تھا۔

پھر اچانک وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ کے قہقہوں کی آواز آج پھر سنائی دے رہی تھی۔ نے غور سے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا تو اسے یقین گیا کہ آواز اُسی کمرے سے سنائی دے رہی ہے۔

''بھینٹ کے بدلے مال لو۔''

قاسم جلدی سے کمرے کے ٹوٹے ہو دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا اور کانپتی ہوئی میں پوچھا:

''کون ہے اندر؟''

''بھینٹ کے بدلے مال لو۔۔۔'' آو اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ایک لمحے کے لیے قاسم سوچا کہ کمرے کے اندر جھانک کر دیکھے اور معلوم کر کہ یہ کیا اسرار ہے۔ مگر اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا وہیں کھڑے کھڑے دل کو مضبوط کر کے بولا:

''میں تمہیں بھینٹ چڑھانے کے لیے ہوں۔۔۔ تم میرے لیے مال کا انتظام کرو۔''

یہ کہہ کر قاسم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس آیا۔ ثریا ابھی تک بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے چہرے گہرا سکون تھا۔ قاسم کچھ دیر تک خاموشی سے رہا اور پھر تیزی سے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو نے میز پر پڑی ردی میں سے ایک کاغذ کے لپیٹ کر تعویذ کی شکل دی اسے ایک موی کاغذ میں دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ واپس اپنے بستر اور پھر دھڑکتے ہوئے دل سے اپنی شیطانی چا

جامہ پہنانے کے لیے ثریا کو جگانے لگا۔

''کک۔۔۔ کون ہے۔'' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''گھبراؤ نہیں۔۔۔ میں ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''خیریت تو ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''ہاں ہاں سب خیریت ہے۔'' قاسم نے اسے تسلی دی اور نقلی تعویذ اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا: ''اسے لے جا کر تہہ خانے میں پھینک آؤ۔''

''یہ کیا ہے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''تعویذ۔۔۔ تم نے اس مکان میں آسیب کا خطرہ محسوس کیا تھا ناں۔ اس لیے میں اللہ کے ایک نیک بندے سے یہ تعویذ لے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ اسے آدھی رات کے بعد تہہ خانے میں پھینکنا ہے۔ پھر بھوت پریت کبھی دوبارہ تنگ نہیں کریں گے۔'' قاسم نے اسے کہانی سنائی۔

''مجھے ادھر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے آپ خود جا کر تعویذ ڈال دیجیے۔'' ثریا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''بابا جی کا حکم ہے کہ تعویذ وہی عورت ڈالے جسے ڈر لگتا ہے۔۔۔ گھبراؤ مت، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

یہ سن کر ثریا بے دلی سے تیار ہو گئی۔ پھر دونوں بستر سے اتر کر تہہ خانے کی طرف بڑھنے لگے۔ جیسے جیسے فاصلہ کم ہوتا چلا جا رہا تھا دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی چلی جا رہی تھی۔ پھر تہہ خانے سے کچھ فاصلے پر قاسم رک کر ثریا سے بولا:

''بابا جی کے حکم کے مطابق، تعویذ ڈالتے وقت تمہارے ساتھ کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ اب تم جلدی سے آگے بڑھ کر تعویذ تہہ خانے میں ڈال دو۔۔۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے قریب ہی کھڑا ہوں۔''

ثریا نے بڑی بے چارگی کے عالم میں قاسم کی طرف دیکھا اور پھر تعویذ ہاتھ میں لیے آگے بڑھ گئی۔ قاسم ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے آخری مرتبہ پیچھے مڑ کر قاسم کی طرف دیکھا اور پھر ٹوٹے ہوئے دروازے سے ہاتھ اندر ڈال کر تعویذ تہہ خانے میں پھینکنے ہی والی تھی کہ ایک کربناک چیخ فضا میں گونج کر معدوم ہو گئی۔

نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی جس نے ثریا کو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں تہہ خانے کے اندر کھینچ لیا تھا۔

قاسم اب سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ اتنا بڑا ہرگز نہیں تھا کہ ثریا کو یوں تیزی سے اندر کھینچا جا سکتا۔ یہ سب کچھ نہایت حیران کن اور دل کو دہلا دینے والا تھا۔

جانے وہ کتنی دیر یونہی گم صم وہاں کھڑا رہا۔ پھر اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو وہ اپنے ضمیر کو ملامت کرنے لگا اور تیزی سے ٹارچ اٹھا کر تہہ خانے کی طرف بھاگا۔ قاسم کی حالت اس وقت پاگلوں کی سی ہو رہی تھی۔ اسے کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر ٹارچ کی روشنی تہہ خانے میں ڈالی تو بوکھلاہٹ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کیوں کہ اس چھوٹے سے تہہ خانے میں ثریا کا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ البتہ ٹارچ کی تیز روشنی کسی چمکدار چیز سے ٹکرا کر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک ضرور پیدا کر رہی تھی۔

قاسم نے سنبھل کر غور کیا تو اسے ایک کالی سی دیگ دکھائی دی جس میں سونا چاندی تھا۔ سونے کے اس ذخیرے کو دیکھ کر قاسم کے حواس جاتے رہے۔ ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ لکشمی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ سونا دیکھتے ہی ثریا کا خیال بھی اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ وہ سب کچھ بھلا کر آگے بڑھا اور دیگ میں سے سونے کی اینٹیں نکال نکال کر اپنی خواب گاہ میں منتقل کرنے لگا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی وہ پوری دیگ خالی کر چکا تھا۔ اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دل میں ثریا کی موت کا کوئی غم نہیں رہا تھا۔

لکشمی نے اسے ثریا کی بھینٹ کے بدلے بہت بڑا خزانہ دے دیا تھا۔ قاسم رات بھر سونا مختلف صندوقوں میں بھرتا رہا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ ثریا سے جان چھوٹنے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا خزانہ بھی مل گیا ہے۔ اب اس کے سارے دکھ دور ہو جائیں گے اور وہ مہرو کو بھی اپنا سکے گا۔

اب اسے صرف ایک فکر تھی کہ کہیں ثریا کی لاش تہہ خانے سے برآمد نہ ہو جائے۔ لیکن جب صبح مودار ہوئی اور اُس نے تہہ خانے کا جائزہ لیا تو وہاں سوائے فالتو سامان کے کچھ بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خالی دیگ بھی غائب تھی۔ یہ سوچ کر قاسم کے دل کو سکون سا مل گیا تھا کہ لکشمی نے ثریا کو ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دیا ہے۔

اب قاسم نے فیصلہ کیا کہ اسے جلد از جلد یہ گھر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر نکل جانا چاہیے۔ جہاں کوئی اس سے ثریا کے بارے میں باز پرس نہ کر سکے۔ ویسے بھی ثریا یتیم تھی اور اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ اس لیے قاسم کو زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔ لیکن اُس نے اپنے کسی معمول میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ وہ روزانہ وقت پر دفتر جاتا تھا اور شام کو گھر لوٹ آتا تھا۔

چند روز بعد اس نے اشرف اور دوسرے لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ اب وہ لاہور جا کر ملازمت کرنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ ایک رشتے دار نے وہاں اس کی ملازمت کا انتظام کر دیا ہے۔ ساتھ ہی قاسم نے اپنے دفتر والوں کو ایک ماہ بعد ملازمت چھوڑنے کا نوٹس بھی دے دیا۔ اگر وہ چاہتا ملازمت فوری طور پر بھی چھوڑ سکتا تھا، مگر وہ کسی کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ پھر اس دوران اسے مہرو کو شادی کے لیے قائل بھی تو کرنا تھا۔

اگلے ہی دن وہ مہرو سے ملنے اس کے گھر پہنچ گیا۔ مہرو نے قاسم کو اپنی بوڑھی ماں سے بھی ملوایا۔ کچھ دیر گپ شپ کے بعد اس نے اصل مطلب کی طرف آتے ہوئے مہرو سے کہا:

''میرا ارادہ ہے کہ اب میں لاہور جا کر تجارت کروں۔''

''کیا واقعی۔۔۔'' وہ چونکی۔ اور پھر اداس لہجے میں بولی ''کاش ہم دونوں ایک ہو سکتے تو آج ہمیں یوں چھپ چھپ کر نہ ملنا پڑتا۔''

''جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤ مہرو۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ قدرت نے ہمیں ایک موقع اور دیا ہے کہ ہم نئی زندگی کا آغاز کر سکیں۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ میں اپنی خوشی کے لیے کسی دوسری عورت کی دنیا اجاڑ دوں۔'' مہرو کے لہجے میں کرب تھا۔

''تمہیں ابھی حالات کا علم نہیں ہے مہرو۔۔۔ جس عورت سے تم ہمدردی جتا رہی ہو وہ مجھے چھوڑ کر جا چکی ہے۔'' قاسم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو مہرو کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

''مگر کہاں۔۔۔؟''

''جہاں وہ خوش رہ سکتی تھی۔ میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔''

''کیا مطلب۔۔۔ کیا تم نے اسے طلاق دے دی ہے۔'' قاسم کا ہر نیا انکشاف اس کے لیے نیا دھماکہ تھا۔

''ہاں۔۔۔ یہی خواہش تھی اُس کی۔۔۔ اسی لیے میں یہاں سے دور چلا جانا چاہتا ہوں تاکہ لوگ میرا مذاق نہ اڑائیں۔''

وہ دیر تک وہاں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے مہرو کی رضامندی سے اُس کی ماں سے مہرو کا ہاتھ بھی مانگ لیا۔ باتوں باتوں میں قاسم نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اب اس کے پاس سرمائے کی کمی نہیں ہے۔ اس نے اپنے گاؤں والی جائیداد بیچ دی ہے اور لاہور جا کر کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ مہرو کی ماں بھی اس کی باتیں سن کر کافی مطمئن ہو گئی تھی۔

قاسم کی ذات میں اس وقت کوئی ایسی کمی دکھائی نہیں دے رہی تھی جسے بنیاد بنا کر رشتے سے انکار کیا جا سکتا۔ لہٰذا اگلے ہی روز مہرو کی ماں نے رشتے

کے لیے ہاں کر دی اور پھر ایک ہفتے کے بعد ہی مہرو، قاسم کی دلہن بن گئی۔

اس کام سے فارغ ہوتے ہی قاسم نے لاہور کے لیے رختِ سفر باندھا اور مہرو کو لے کر نئی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

لاہور پہنچ کر اس نے سونے چاندی کو نقدی میں تبدیل کرا کے مختلف بنکوں میں محفوظ کرا دیا اور ایک شاندار مکان میں منتقل ہو کر اپنا کارخانہ لگانے کی تیاری کرنے لگا۔ اب ان کے پاس زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔

کچھ عرصہ بعد قاسم کا شمار شہر کے بڑے صنعت کاروں میں ہونے لگا۔ اب وہ ایک کروڑ پتی آدمی بن چکا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مہرو اُس کی شریکِ حیات بن چکی تھی۔ پھر خدا نے انہیں ایک چاند سا بیٹا بھی عطا کر دیا۔

ان سب آسائشوں میں گھر کر قاسم اپنی پہلی بیوی ثریا کو بالکل بھول چکا تھا۔ پھر ایک روز مہرو نے اسے بتایا کہ دو روز بعد ہمارے بیٹے کی پہلی سالگرہ ہے اور ہم یہ دن نہایت شاندار طریقے سے منائیں گے۔ قاسم کو بھلا اس بات پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اپنے بیٹے پر جان چھڑکتا تھا۔ اس نے فوراً اپنے ملازمین کو سالگرہ کی تیاری کرنے کا حکم دے دیا۔

بیٹے کی سالگرہ میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اس روز قاسم اور مہرو دن بھر خریداری میں مصروف رہے تھے۔ رات کو سونے سے قبل قاسم نے اپنے ملازمین کو کل کی تقریب کے بارے میں چند خصوصی ہدایت دیں اور سونے کے لیے بستر پر جا لیٹا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس لیے لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی۔

ابھی اسے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک دہشت ناک خواب دیکھ کر بیدار ہو گیا۔ آج اس نے پہلی مرتبہ خواب میں ثریا کو دیکھا تھا۔ اُس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی اور اداسی تھی۔ اس نے بستر کے قریب آ کر قاسم سے کہا تھا کہ:

''آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا کہ میری زندگی کی بھینٹ آپ کو خوشیاں فراہم کر سکتی ہے تو میں بخوشی آپ پر قربان ہو جاتی۔ لیکن آپ نے مجھے آزمانے کی کوشش ہی نہیں کی اور مجھے لکشمی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ یاد رکھیں میں تو بے موت ماری گئی مگر آپ کو بھی اس سودے سے سکون نہیں ملے گا۔''

''تت۔۔۔ تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' قاسم نے خواب میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ ناراض ہو رہے ہیں تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔ لیکن جانے سے قبل میں آپ کو لکشمی کا ایک پیغام ضرور دینا چاہتی ہوں۔''

''کیسا پیغام۔۔۔ کیا کہا ہے اس نے؟'' قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

''اُس نے کہلا بھیجا ہے کہ اسے آپ کا بیٹا بہت پسند ہے۔'' ثریا نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا اور پھر فوراً ہی قاسم کی آنکھ کھل گئی۔

خواب گاہ میں ہلکے نیلے رنگ کا بلب ابھی تک روشن تھا۔ قریب ہی مہرو گہری نیند سو رہی تھی۔ جب کہ بائیں جانب اُن کا لاڈلا بیٹا سو رہا تھا جس کی سالگرہ کل ہونے والی تھی۔ قاسم تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر دوبارہ سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ یہ سب محض خواب تھا۔ ثریا اب مر چکی ہے۔ وہ میری زندگی میں کیوں آنے لگی۔

اگلی صبح قاسم اور مہرو دونوں ہی جلدی بیدار ہو گئے۔ گھر میں سالگرہ کی تیاریوں کا ہنگامہ تھا۔ مہرو بھی ناشتے کے بعد جلدی جلدی ادھورے کام مکمل کروانے لگی۔

شام ہوتے ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مہرو اور قاسم مہمانوں کو گرمجوشی سے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ جب تمام مہمان تقریب میں پہنچ گئے تو ہر طرف قہقہے سنائی دینے لگے۔ ہر شخص خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد تمام مہمان اس بڑی سے میز کے گرد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جمع ہو گئے جہاں انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے اور ساتھ ہی سالگرہ کا کیک بھی موجود تھا۔

چند لمحے بعد بچے کا ہاتھ پکڑ کر کیک کٹوایا گیا تو سارا ہال ہیپی برتھ ڈے کے شور سے گونج اٹھا۔ سب لوگ جوش وخروش سے بچے کی سالگرہ پر مبارکباد پیش کر رہے تھے کہ اچانک ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ اسی لمحے بچے نے ایک خوفناک چیخ ماری اور پھر وہ خون کی قے کرنے لگا۔ اس سے قبل کہ اسے طبی امداد دی جاتی وہ آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکا تھا۔

بچے کی موت واقع ہوتے ہی سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ مہرو پر تو دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے جگر گوشے کو سینے سے لگا رکھا تھا اور بین کر رہی تھی۔ جب کہ قاسم پتھر کے کسی بت کی طرح سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اکلوتے بیٹے کی موت نے مہرو کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا تھا اور وہ دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگی تھی۔ قاسم نے مہرو کو ہر بڑے ڈاکٹر کے پاس دکھایا تھا۔ لیکن اس کی حالت سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

تین ماہ تک مہرو اپنے بچے کی جدائی کے جان لیوا کرب میں بستر سے لگی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آنے لگی اور ڈاکٹروں نے قاسم کو تسلی دی کہ اب وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔

کئی ماہ بعد مہرو کی حالت سنبھلنا شروع ہوئی تو قاسم نے بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اب زندگی کافی حد تک معمول پر آ گئی تھی۔ مہرو نے اس بات کو ذہنی طور پر تسلیم کر لیا تھا کہ اب اس کا بیٹا اس دنیا میں نہیں رہا۔

ادھر قاسم کا کاروبار اس حد تک ترقی کر چکا تھا کہ وہ جس چیز میں ہاتھ ڈالتا تھا وہ سونا بن جاتی تھی۔

ایک روز قاسم کسی دوسرے شہر کے دورے کے بعد واپس لوٹا تو مہرو کے چہرے پر پھر سے غم کی پرچھائیاں دکھائی دیں۔ اُس نے مضطرب ہو کر مہرو سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو وہ بولی:

''کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''سمجھ گیا۔ تم یقیناً اس وجہ سے اداس ہو کہ میں تین دن تم سے دور رہا ہوں۔'' قاسم نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو مہرو مسکرا کر خاموش ہو گئی اور پھر چند لمحے توقف کے بعد کہنے لگی:

''میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اگر آج منا زندہ ہوتا تو ہم اُس کی دوسری سالگرہ کی تیاریوں میں مصروف ہوتے۔''

اس کی بات سن کر قاسم بھی اداس سا ہو گیا اور پھر اس کے قریب بیٹھ کر اسے تسلی دینے لگا۔ کافی دیر سمجھا بجھا کر وہ اسے گھمانے کے لیے لانگ ڈرائیو پر لے گیا۔ انہوں نے دن بھر خوب تفریح کی اور پھر رات کا کھانا ہوٹل سے کھا کر واپس گھر لوٹ گئے۔ واپسی پر مہرو کا غم کافی حد تک ہلکا ہو گیا تھا۔

گھر پہنچ کر انہوں نے لباس تبدیل کیا اور سونے کے لیے بستر میں گھس گئے۔ قاسم سفر سے واپسی کے باعث آج بہت تھکا ہوا تھا۔ اس لیے بستر پر گرتے ہی اسے نیند آ گئی۔ لیکن ابھی بمشکل ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ مہرو کے جگانے پر قاسم نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

''کیا ہوا۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

مگر مہرو کے چہرے پر اُس وقت ویسی ہی کیفیت تھی جیسی قاسم صبح دیکھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے ویرانی تھی اور وہ یوں ٹکٹکی باندھے قاسم کو دیکھ رہی تھی جیسے کوئی اہم بات کہنا چاہتی ہو۔

''دیکھو میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ موت اور زندگی صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا اس پر اختیار نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا اسے مشیت ایزدی سمجھ کر قبول کر لو۔''

مہرو قاسم کی کسی بھی بات کا جواب دینے کی بجائے اُس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اب اس کی دراز پلکوں کے گوشے آہستہ آہستہ بھیگنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔''

''کہو۔۔۔ کیا بات ہے؟''

''اگر مجھے کچھ ہو جائے تو آپ مجھے بھولیں گے تو نہیں؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ کہیں تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ لیا؟''

''ہاں۔۔۔'' مہرو کی آواز لرز رہی تھی۔ ''میں نے آج خواب میں اپنے منے کو دیکھا ہے۔ وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اشارہ کر کے مجھے اپنی جانب بلا رہا تھا۔ اسے میری ضرورت ہے شاید۔''

''وہم ہے تمہارا۔ یہ ہمارے بیٹے کی یادیں ہیں جو ہمیں ہر پل تڑپاتی رہتی ہیں۔۔۔ مجھے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔'' قاسم نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔ اُسے مہرو کی حالت دیکھ کر تشویش ہونے لگی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ ایک مرتبہ پھر مہرو کا دھیان بٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ ڈاکٹر نے پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس نے مہرو کا معائنہ کیا اور پھر قاسم سے کہنے لگا:

''معمولی قسم کی گھبراہٹ ہے۔ میں انہیں نیند کا انجکشن لگا دیتا ہوں صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن نکالا اور سرنج میں بھرنے لگا۔

مہرو کی حالت دیکھ کر قاسم کے دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ وہ مسہری پر لیٹی تیز تیز سانسیں لے رہی تھی۔ مگر جیسے ہی ڈاکٹر سرنج تیار کر کے مہرو کے بازو پر جھکا۔ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی اور ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے بولی:

''مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔۔ میرا بیٹا مجھے بلا رہا ہے، مجھے اس کے پاس جانا ہے۔ دیکھو سامنے وہ مجھے اشارے کر رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ یکدم خاموش ہو گئی اور پھر غصے سے دوبارہ بولی ''میرے بیٹے کو ثریا نے کیوں اغوا کیا ہے۔ اس ڈائن کو جرات کیسے ہوئی میرے بچے کو ہاتھ لگانے کی۔۔۔ چھوڑ دو میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔۔۔''

مہرو تڑپ کر مسہری سے نیچے اتر آئی اور دیوانہ وار دروازے کی طرف بھاگتی ہوئی خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔ قاسم جو کہ ثریا کا نام سنتے ہی سٹپٹا سا گیا تھا خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن بیرونی راہداری میں قدم رکھتے ہی اسے اپنی جان جسم سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کا سارا جسم مارے خوف کے تھر تھر کانپ رہا تھا کیوں کہ سامنے فرش پر مہرو کی لاش پڑی تھی اور اس کے منہ سے گرم گرم خون ابل رہا تھا۔

''یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا؟''

ڈاکٹر تیزی سے آگے بڑھ کر مہرو کا معائنہ کرنے لگا۔ مگر اس کی روح تو جسم کا پنجرہ توڑ کر بہت دور جا چکی تھی۔

اس سانحے کے بعد قاسم کی حالت زندہ لاش کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ نہ تو وہ اصل معاملہ کسی کو بتا سکتا تھا اور نہ ہی اپنے غم کو چھپانا اس کے بس کی بات رہی تھی۔

تیسری رات ثریا دوبارہ اس کے خواب میں آئی تو اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ منا اور مہرو بھی اس کے ہمراہ تھے۔ مہرو کی زبان پر مسلسل یہی شکوہ تھا کہ قاسم نے خزانہ ملنے کی اصل حقیقت چھپا کر اس پر اور اپنے بیٹے پر بہت ظلم کیا ہے۔۔۔ اس موقع پر ثریا نے قاسم سے کہا:

''آپ کو اس مقام تک پہنچانے میں آپ کے لالچ نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اب ساری زندگی آپ کے پاس کبھی دولت کی کمی نہیں ہو پائے گی۔۔۔ لیکن جب بھی آپ زندگی میں کوئی نیا رشتہ یا تعلق بنانے کی کوشش کریں گے تو لکشمی آپ سے نئی بھینٹ ضرور طلب کرے گی۔۔۔''

اسی لمحے ثریا، مہرو اور منے کا وجود ہوا میں تحلیل ہو گیا اور قاسم گہری نیند سے جاگنے کے بعد خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنہری تابوت

ایم اے راحت

قسط نمبر:4

خراماں خراماں اور سبک رفتاری سے دل و دماغ کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی صدیوں پر محیط اپنی نوعیت کی اچھوتی انوکھی دلکش دلفریب ایک طویل عرصہ تک دماغ سے محو نہ ہونے والی حقیقت سے قریب تر، سوچ کے افق پر جھلمل کرتی ناقابل فراموش کہانی۔

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

ساری رات جیسے آگ میں جلتی رہی تھی، محسوس ہوتا تھا کہ میرا بدن شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ دماغ پھٹتا رہا تھا اور آنکھوں کے آگے تاریکیاں پھیلتی رہی تھیں۔ تشنج سے بار بار میرے ہاتھوں کی مٹھیاں بند ہو جاتی تھیں۔ اس عالم میں صبح ہوئی اور ایک بار پھر غسل خانے میں جا گھسی۔ برف جیسے ٹھنڈے پانی کے نیچے نجانے کتنی دیر تک بیٹھی رہی، پھر لباس تبدیل کر کے باہر نکل آئی۔ ملازمہ بیڈ ٹی کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے بڑے پرسکون انداز میں اسے دیکھا اور بولی۔

"چائے ادھر رکھ دو۔"

ملازمہ نے چائے ایک طرف رکھی اور میں بستر پر آ کر بیٹھ گئی، اتنی گرم چائے شاید میں نے زندگی میں کبھی نہیں پی تھی۔ بس اندر شدید ایٹھن ہو رہی تھی، لباس تبدیل کیا پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بال سیٹ کئے اور اپنے آپ کو بالکل پرسکون کر لیا، ناشتے کا وقت قریب آ رہا تھا، چنانچہ ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئی، فیض بابا اور آیا ندیمہ نے ناشتے کے کمرے میں میرا استقبال کیا، یہ روز کا معمول تھا۔ وہ میرے ہر عمل کی نگرانی کرتے تھے۔

میں نے بھرپور طریقے سے ناشتہ کیا اور پھر ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

"فیض بابا آپ دونوں نے ناشتہ نہیں کیا؟"

"ہاں بیٹے! بس آپ نے ناشتہ کر لیا اب ہم بھی کر لیں گے۔"

"کتنے اچھے ہیں آپ دونوں، کتنا خیال رکھتے ہیں میرا، میں سوچتی ہوں کہ پتہ نہیں میں آپ کی اس محبت کا جواب دے پاتی ہوں یا نہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بیٹا! آپ بہت اچھی ہیں اور جتنا ہمارا خیال رکھتی ہیں ہم تو اس کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔"

"جایئے ناشتہ کیجئے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد ناشتے کے کمرے سے اٹھ کر لائبریری میں آ بیٹھی، ہو سکتا ہے لائبریری میں اب پاپا کے سگار کی خوشبو نہ ہو، لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے سگار کی بھینی بھینی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے احساس کی تصدیق یا نفی کے لئے اٹھی، سگار کا ڈبہ نکالا، لیکن اس میں سے وہی ایک سگار کم تھا جو میں نے پہلے دیکھا تھا، اس کا مقصد ہے کہ پاپا دوسری رات اس لائبریری میں نہیں آئے۔ میں کافی دیر تک لائبریری میں بیٹھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی۔ یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ فیض بابا اور آیا ندیمہ ناشتہ کر چکے ہوں گے یا نہیں، اب ذرا کچھ سکون سا محسوس ہونے لگا تھا، میں نے خود ہی اپنے بارے میں کچھ فیصلے کئے تھے۔

بڑی عجیب وغریب زندگی تھی میری۔ پاپا غائب ہو چکے تھے، ماں لاپتہ کون تھی کیا تھی یہ تک نہیں معلوم تھا مجھے، پھر میں اپنے اوپر شرافت کے اتنے سارے لبادے کیوں پہنے رہوں۔ زندگی سے کیوں نہ لطف اٹھاؤں، اپنی مرضی مزاج کے مطابق عمر بہت کچھ طلب کرتی ہے، مجھے وشال اور عسکری یاد آ گئے، کتنے خوش تھے دونوں، مجھے بھی کسی سے محبت ہونی چاہیے۔ کسی سے پیار ہونا چاہیے کسی ایسے شخص سے جو مجھے ساتھ لے کر کسی اچھے سے ہوٹل میں جا کر بیٹھے، میٹھی میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہے، آخر میں کیوں اتنی پارسائی ہوئی ہوں۔ کون سرپرست ہے میرا اور کیا سرپرستی کر رہا ہے۔ ذہن میں سینکڑوں باغی خیالات آنے لگے، پھر جب کافی وقت گزر گیا تو میں نے گھنٹی بجا کر ملازمہ کو طلب کیا۔

"فیض بابا اور آیا ندیمہ کو یہاں بھیج دو۔" میں نے ملازمہ کو حکم دیا، کچھ دیر کے بعد فیض بابا اور آیا ندیمہ لائبریری میں داخل ہو گئے۔

میں سرد نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی، پھر میں نے فیض بابا سے کہا۔ "دروازہ بند کر دیجئے۔"

"جی بیٹا۔" فیض بابا نے کہا اور دروازہ بند کر کے واپس آ گئے تو میں بولی۔

"بیٹھ جایئے۔"

"جی۔"

"آپ لوگ پاگل ہیں، بہرے ہیں یا اندھے ہیں، میں نے آپ سے کہا کہ بیٹھ جایئے۔ کیا قیمت ہے میرے لہجے اور الفاظ کی۔"

میرا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ دونوں خاموشی سے کرسیوں پر بیٹھ گئے، میں خونی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور دونوں نروس ہوتے جا رہے تھے۔

"ہاں فیض بابا تو پاپا زندہ ہیں؟"

"جی بیٹے، میں سمجھا نہیں۔" فیض بابا سے ہوئے لہجے میں بولے۔

"آپ دونوں کا یہی خیال ہے نا کہ پاپا زندہ ہیں۔"

"ہاں بیٹی پورے اعتماد کے ساتھ ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں۔"

"اس اعتماد کی وجہ۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نن..... نہیں..... بس ہلکے ہلکے شواہد ہیں، اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صاحب زندہ ہیں اور کسی مصلحت کے تحت پوشیدہ ہیں۔"

"کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟" میں نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیٹا، ہم آپ کے خادم ہیں، بس اندازے ہی لگا سکتے ہیں کسی بات کے، یہ کیسے کہیں کہ کیا مصلحت ہو سکتی ہے، ویسے صاحب کی پوری زندگی ہی پراسرار ہے، وہ مہم جو رہے ہیں اور انہیں دنیا کے عجائبات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شوق رہا ہے، اس لحاظ سے ان کی شخصیت بھی پراسرار ہی رہی ہے۔"

"آیا ندیمہ، میری ماں کون تھی؟" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور آیا ندیمہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ یوں لگا جیسے وہ کرسی سے گرتے گرتے بچی ہو، فیض بابا کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

"تم لوگ اپنے آپ کو ملازم کہتے ہو، لیکن نے کبھی بھی میرا مالک بننے سے گریز نہیں کیا، کون وفاداری ہے تمہارے اندر جواب دو گے۔"

"وہ بی بی میری بات....."

"بکو مت۔" میں نے غرائے ہوئے لہجے کہا۔ پھر بولی۔ "میری ماں کون تھی..... کون تھی وہ عورت کون تھی جس نے مجھے ماں کی حیثیت

پروان چڑھایا، مجھے جواب دو۔"

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے خونی لہجے میں کہا اور دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"دو منٹ سے زیادہ اس کمرے میں نہ رہو، اور پانچ منٹ کے اندر اندر اس کوٹھی سے باہر نکل جاؤ اور سنو، اگر تم دونوں اس شہر میں نظر آئے تو خدا کی قسم کسی کرائے کے قاتل کو حاصل کر کے تمہارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دوں گی، کیا سمجھا ہے تم نے مجھے۔ تم ملازم ہو یا میرے ماں باپ، کون ہوں میں تمہاری؟ میرا نمک کھاتے ہو، میرے ٹکڑوں پر پلتے ہو اور مجھ پر اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہو، میں نے تم سے سوال کیا ہے کہ میری ماں کون تھی اور تم دونوں جانتے ہو کہ وہ کون تھی اور اس کے بعد مجھ سے گریز کر رہے ہو؟"

"چھوٹی بی بی! آپ ٹھیک کہتی ہیں ہم اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے رہیں، آپ کے قدموں میں رہیں، لیکن ایک بات سمجھ لیجئے، صاحب نے ہمیں اس وقت کے لئے آپ کی ذمے داری سونپی ہے جب تک کہ صاحب واپس آ کر آپ کے سر پر ہاتھ نہ رکھ دیں، آپ بے شک کرائے کے قاتلوں سے ہمارے جسموں کے ٹکڑے کرا سکتی ہیں، اس وقت ہماری روح کو تو اطمینان ہو گا کہ ہم نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی، آپ کوٹھی سے نکال دیں گی، وہ جو اس حویلی کے سامنے نیم کا درخت ہے نا ہم اس کے نیچے ڈیرہ جما کر بیٹھ جائیں گے، آپ کی روٹی نہیں کھائیں گے، محنت مزدوری کریں گے، بھیک مانگیں گے لیکن وہ کام نہیں کریں گے جو ہمارے صاحب کے حکم کے خلاف ہو، جا رہے ہیں ہم لوگ، کر لیجئے آپ جو آپ کا دل چاہے، ہمیں ٹکڑے کرانے کی ضرورت پیش آئے تو قاتلوں سے کہہ دیجئے کہ ہم نیم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"اور تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ میری ماں کون تھی؟ چلو یہی بتا دو کہ اس کا نام پوشیدہ رکھنے کے لئے تمہیں کیوں کہا گیا تھا؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس صاحب نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو یہ علم ہو کہ جو خاتون ہمارے صاحب کی بیگم ہیں وہ یہ محسوس کریں کہ تم انہیں ماں نہیں سمجھتیں۔"

"بیگم۔" میں اچھل پڑی۔

"فیض بابا اس بات کو چھپانے کی اب کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔"

"ایک دن پہلے بھی میرا دل چاہا کہ میں بی بی صاحبہ کو بتا دوں کہ عظمیٰ بیگم ان کی ماں نہیں تھیں، وہ مر چکی ہیں ان کی ذات کو خواہ مخواہ کیوں ملوث کیا جائے۔"

"عظمیٰ بیگم میری ماں نہیں تھیں۔" میں نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں، میں بتاتا ہوں آپ کو۔" فیض بابا نے کہا اور میری نگاہیں فیض بابا کی طرف اٹھ گئیں۔

"صاحب نے محبت کی شادی کی تھی، ان کی پہلی بیگم صاحبہ کا نام حارثہ تھا۔ حارثہ بیگم بہت خوبصورت تھیں اور بہت نازک تھیں، صاحب ان کو بہت چاہتے تھے، ایک دن وہ بیمار ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے چٹ پٹ ہو گئیں، ان کا انتقال ہو گیا اور صاحب بہت دل شکستہ ہو گئے کیونکہ صاحب ایک مہم جو فطرت کے انسان ہیں اور ان کا زیادہ وقت ملک سے باہر ہی گزرتا تھا۔ حارثہ بیگم کے انتقال کے بعد وہ گھر سے بالکل ہی بیگانہ ہو گئے اور اپنی مصروفیات میں لگ گئے، عظمیٰ بیگم ان کے دور کی رشتے دار کی بیٹی تھیں۔ ان رشتے دار کا انتقال ہو گیا اور عظمیٰ بیگم بے سہارا رہ گئیں، وہ صاحب جن کا نام عظیم بیگ تھا وصیت کر گئے تھے کہ دانش صاحب ان کی بیٹی کو از راہ انسانیت اپنے گھر میں رکھ لیں اور اسے لاوارث نہ چھوڑیں، صاحب بہت رحم دل اور اچھے انسان ہیں، انہوں نے اپنے رشتے دار کی اس وصیت پر عمل کیا اور ویسے بھی ماشاء اللہ اس عظیم الشان کوٹھی میں کسی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرد کا رہنا مشکل کام نہیں تھا، یہ تو بہت بڑی جگہ ہے۔

خیر عظمیٰ بیگم یہاں آ گئیں اور ان کی بڑی عزت وتوقیر کی گئی، صاحب نے سب کو حکم دیا کہ انہیں عزت واحترام سے رکھا جائے اور خود مہم پر چلے گئے۔ اس بار جب وہ مہم سے واپس لوٹے تو ان کی گود میں ایک ننھی سی بچی تھی، بہت خوبصورت، بہت پیاری، وہ آپ تھیں۔ وہ آپ کو کہیں سے لے کر آئے تھے، یہ راز آج تک نہیں کھل سکا کہ وہ آپ کو کہاں سے لائے تھے لیکن جب آپ یہاں آ گئیں تو آپ کو آیا ندیمہ کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن چند ہی روز میں عظمیٰ بیگم نے آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کے بعد اس طرح آپ کی پرورش کی۔ پھر صاحب نے عظمیٰ بیگم سے نکاح کر لیا۔ اس طرح عظمیٰ بیگم آپ کی نگراں بن گئیں اور انہیں آپ کی ماں کا درجہ بھی حاصل ہو گیا۔ بس یہ ہے کہانی، اس وقت آپ آٹھ سال کی تھیں، جب عظمیٰ بیگم کا انتقال ہو گیا اور ایک بار آپ پھر تنہا رہ گئیں۔ یہ ہے آپ کی پوری کہانی، ہمیں اس سے زیادہ اور کوئی معلومات حاصل نہیں کہ صاحب آپ کو کہاں سے لائے تھے اور آپ کے ماں باپ کون ہیں؟''

مجھے چکر آ رہے تھے، دل جیسے الٹ رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میری طبیعت کافی خراب ہو گئی اور میں نیم بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہو گئی، فیض بابا نے ڈاکٹر کو بلا لیا، ڈاکٹر احسان ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے، انہوں نے مجھے چند انجکشن دیئے اور فیض بابا سے کہا کہ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہ رہنے دیا جائے۔ خیر اس بوجھ کو تو میں اب کبھی نہیں ہٹا سکتی تھی، اس کا مطلب ہے کہ اگر عظمیٰ بیگم میری ماما نہیں تھیں تو ہارون دانش بھی میرے پاپا نہیں تھے۔

آہ یہ کیا ہوا، ماں تو چھنی تھی، باپ بھی چھن گیا، میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خودکشی کر لوں، بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، نہ ماں کا پتہ نہ باپ کا، کون ہوں، میں کیا ہوں، کہاں سے لائے تھے ہارون دانش مجھے۔

اوہ میرے خدا! میری زندگی سے یہ پراسرار واقعات کیوں لپٹ گئے ہیں۔ فیض بابا اور آیا ندیمہ بہت افسردہ تھے، میں نے انہیں پتھریلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور آپ دونوں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی سے اس کی شناخت اور شخصیت چھن جائے تو اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے، اس وقت میں ایسا ہی ایک وجود ہوں، میں نے آپ سے بہت تلخ اور سرد رویہ اختیار کیا ہے، اصولی بات تو اب یہ ہے کہ نہ تو یہ میرے باپ کا گھر ہے اور نہ میری ماں کا، میں کہیں بھی چلی جاؤں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے غلط کیا، لیکن بہرطور میں نے آپ سے بھی یہی کہا ہے اور اپنے آپ سے بھی یہی کہہ رہی ہوں، یہاں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ آپ کریں گے۔''

دونوں خاموشی سے چلے گئے اور اس کے بعد میں انگاروں پر لوٹتی رہی تھی۔ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کرنا کیا چاہیے عجیب وغریب صورت حال تھی اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں۔ پھر میں نے یہ سوچا کہ زندگی ایک بار ملتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے اگر میں اپنے آپ کو اسی طرح سلگاتی رہی تو جل کر کوئلہ ہو جاؤں گی، بہتر یہ ہے کہ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔

ہارون دانش جنہیں اب پاپا کہنے کو دل نہیں چاہتا تھا ایک بار مجھے مل جائیں تو میں ان سے یہ پوچھوں کہ میری کوئی شناخت ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو میرا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

بہرحال اس دن گھر سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اور ایک عجیب سی بے چینی دل ودماغ پر مسلط تھی، سوچا کہ گاڑی لے کر کہیں نکل جاؤں، لباس تبدیل کر کے باہر نکلی کہ کوٹھی کے دروازے سے ایک شخص کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت فیض بابا اور رزاق خان اس سے بات کر رہے تھے۔

نجانے کون تھا۔ میں آگے بڑھی تو فیض بابا نے میری طرف دیکھا۔

''یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں بٹیا۔'' فیض بابا نے کہا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا اور بولی۔ ''جی فرمایئے۔''

''اگر آپ مصروف ہیں تو میں اس وقت آپ کو تکلیف نہیں دوں گا، ورنہ میں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنے کے لئے آیا ہوں۔''

''میری مصروفیت یہ ہے کہ میں باہر جا رہی ہوں، اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہیں تو باہر چلئے یا گھر میں ہی کچھ بات کرنی ہے۔''

''نہیں نہیں یہ تو بہت اچھا ہوگا کہ ہم کہیں کھلی فضا میں بیٹھ کر باتیں کریں۔''

''آیئے۔'' میں نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''میری کار باہر موجود ہے۔ میں اس میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے۔'' یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں اپنی کار کی جانب بڑھی تو فیض بابا میرے پاس آ گئے۔

''بٹیا! ڈرائیونگ میں کروں۔''

''نہیں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر دیا پھر تیز رفتاری سے اسے گیٹ تک لائی چوکیدار نے بوکھلا کر گیٹ کھول دیا تھا، میں کار باہر نکال لائی اور اس کے بعد میں نے اس نیلی سوک کو دیکھا جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہی عمر رسیدہ آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ پتہ نہیں کون تھا وہ شخص! غرضیکہ فیصلہ اسے کرنا پڑا، وہ سوک ایک خوبصورت ہوٹل کی پارکنگ میں داخل ہو گئی۔ اس شخص نے نیچے اتر کر گاڑی لاک کی اور میرے پاس پہنچ گیا۔

''میرا نام احمر جنیدی ہے، میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں، اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔''

''ہوں..... آیئے۔'' میں نے گردن ہلا دی۔

لفٹ نے ہمیں نویں منزل پر اتار دیا۔ اس نے نویں منزل کے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا، یہاں کے ہوٹلوں سے مجھے بہت زیادہ شناسائی نہیں تھی، لیکن بہرحال وہ کافی خوبصورت ہوٹل تھا اور اس کا کمرہ بھی اتنا ہی شاندار تھا۔

''کیا تم مجھے لباس تبدیل کرنے کی اجازت دو گی؟''

''کیوں اس لباس میں بیٹھ کر مجھ سے بات نہیں کر سکتے؟''

''ہاں..... کیوں نہیں، میں یہ سوچ رہا تھا کہ ذرا آرام سے بیٹھ کر بات کی جائے۔''

''نہیں آپ مجھ سے بات کریں۔'' عمر رسیدہ آدمی مسکرایا پھر بولا۔

''بہت آتش مزاج ہو، میری بیٹی کی طرح، بہرحال میں تم سے جو بات کرنا چاہتا ہوں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔''

''آپ اصل بات کریں اور وقت ضائع نہ کریں۔''

''ایک منٹ۔'' اس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر انٹر کام ریسیور اٹھایا۔ پھر روم سروس کو فون کر کے مشروب طلب کر لیا اور پھر بولا۔

''میرا تعلق لیبیا سے ہے، اپنا نام میں تمہیں بتا چکا ہوں احمر جنیدی۔''

''پھر آگے بولئے۔''

''میں تم سے خصوصی طور پر روشاق کا تذکرہ کروں گا۔'' وہ بولا اور میں ایک دم سے سنبھل گئی میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، بے شک یہ شخص لیبیا کا باشندہ ہوگا۔ لیکن اس کے اندر کوئی خاص بات نہیں تھی۔

وہ کہنے لگا۔ ''میں لیبیا میں تاجر ہوں، ایڈونچر میری زندگی ہے، بیٹے بیٹیاں ہیں جنہوں نے میرا بنایا ہوا کاروبار سنبھالا ہوا ہے اور میں اس وقت بالکل آزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی گزار رہا ہوں۔"

"روشاق کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں اور کیا بتانا چاہتے ہیں؟" میں نے اصل بات پر آتے ہوئے کہا۔

"روشاق ایک پراسرار شخصیت کا نام ہے، تھوڑے عرصہ پہلے وہ لیبیا میں آ کر مجھ سے ملا تھا، وہ یہ بات جانتا تھا کہ میں ایڈونچر پسند ہوں اور مجھے نوادرات سے بہت دلچسپی ہے۔ لیبیا میں میرے پاس ایک ایسی محفوظ جگہ ہے جہاں نوادرات کے اعلیٰ ترین ذخیرے موجود ہیں اور لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں، میں ذرا مختلف مزاج کا انسان ہوں۔ اور کچھ عرصہ پہلے لیبیا کے جو حالات تھے ان سے متاثر ہو گیا ہوں لیکن بہت کم، اور اب وہاں پر کیفیت اور ہے، لیبیا کے حالات میں نمایاں تبدیلی ہوئی ہے اور اس سے مجھے بھی کچھ فائدہ ہوا ہے، خیر میں کوئی سیاسی گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں کہنا چاہتا تھا کہ روشاق ہی کے حوالے سے میری معلومات میں ایک اور نام کا اضافہ ہوا اور وہ نام تھا ہارون دانش۔ روشاق ہی نے مجھے ہارون دانش کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ ہارون دانش کو مصریات پر عبور حاصل ہے اور وہ انتہائی ماہر آدمی ہیں جنہیں آثار قدیمہ سے متعلق بہت سے تجربات ہیں اور وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ قدیم ترین زبانیں پڑھنے میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں ہے۔

روشاق نے مجھے پیشکش کی کہ میں اس کے ساتھ ایک مہم میں شرکت کروں اور یہ مہم تیونس میں کار چوک کے پہاڑوں پر ایک اجنبی تہذیب کی تلاش کے سلسلے میں تھی، آشوانی تہذیب جس کا دنیا میں تاریخ میں بہت بڑا مقام ہے۔ میں کچھ مصروف تھا اس وقت، روشاق کا ساتھ نہیں دے سکا، لیکن اس بدبخت روشاق نے اس وقت جب میں اسے اپنے نوادر خانے کی سیر کرا رہا تھا بڑی چالاکی سے میرے نوادر خانے سے ایک ایسی چیز چوری کر لی جو میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اس وقت مجھے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا، لیکن بعد میں مجھے پتہ چل گیا کہ وہ چور روشاق ہی تھا۔

روشاق کون ہے؟ اس کی تفصیل یقین کریں مجھے بھی نہیں معلوم، اس کے ساتھ جن لوگوں نے اس مہم میں شرکت کی ان میں سے ایک کا نام مائیکل جون اور دوسرے کا نام امیر حسنات تھا۔ بہرطور میں نے اپنی اس چیز کی تلاش کے سلسلے میں بہت کاوشیں کیں۔ لیکن پھر اس کے بعد کچھ ایسی مشکلات کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے میں اپنا کام جاری نہیں رکھ سکا اور مجھے پتا چلا کہ یہ تین افراد کار چوک کے کھنڈرات میں آشوانی تہذیب کے سلسلے میں کام کر چکے ہیں، مجھے بہت زیادہ تفصیل نہیں معلوم ہو سکی تھی، لیکن میں نے مائیکل جون، روشاق اور امیر الحسنات کی تلاش کی کوشش شروع کر دی اور وہ لوگ مجھے نہیں مل سکے، ایک نام ہارون دانش کا تھا، جس کی تلاش میں میں یہاں آیا ہوں۔"

"وہ چیز کیا تھی.....؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ ابتداء ہی میں مجھے احساس ہو گیا تھا کہ روشاق ایک پراسرار شخصیت ہے، اس کے کچھ پراسرار ساتھی بھی جو بظاہر اس کے ساتھ نہیں ہوتے تھے، لیکن اس کا ان سے رابطہ رہتا تھا، میں نے اس سے اس کے بارے میں سوالات کئے تو وہ جھنجھلا گیا۔ اس بار اس نے مجھ سے ایک کتاب کے بارے میں پوچھا تھا جو قلمی کتاب تھی اور زمانہ قدیم کے کسی مورخ نے لکھی تھی۔ تاریخ مصر پر تھی اور ایک اہرام سے بوسیدہ حالت میں دستیاب ہوئی تھی۔ روشاق اس کتاب کی تلاش میں تھا اور جب میں نے اسے اپنے اس نوادر خانے میں آنے کی دعوت دی تو اس نے بڑی خوشی سے نوادر خانے کی تلاش کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کتاب جو کاغذ پر نہیں بلکہ خاص قسم کے چمڑے کی جھلی پر لکھی گئی تھی میں نے بہترین طریقے سے موی غلاف چڑھوا لیا تھا اس طرح وہ محفوظ ہو گئی تھی

اور جب میں نے روشاق کو اس کتاب کے بارے میں بتایا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے وہ کتاب دیکھی اور بڑی عاجزی سے مجھ سے کہا کہ اگر میں مناسب سمجھوں تو کچھ وقت کے لئے یہ کتاب اسے قرض دے دوں، اس کے لئے میں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں یہ نوادرات دکھا تو سکتا ہوں، کسی کو دے نہیں سکتا۔"

روشاق بددل ہو گیا، لیکن اس نے مجھ سے دوسری درخواست کی اور کہا کہ "کم از کم اتنا تو میں کر سکتا ہوں کہ اپنی نوادرگاہ میں ہی اسے تین چار دن آنے کی اجازت دوں تاکہ یہیں بیٹھ کر وہ یہ کتاب پڑھ لے۔" میں نے اس کی یہ بات مان لی اور وہ میری نوادرگاہ میں آنے لگا، لیکن اسے آتے ہوئے غالباً تیسرا دن تھا کہ ایک دن جب وہ میری نوادرگاہ میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا تو تین چار پراسرار آدمی اندر داخل ہو گئے، اور انہوں نے ہم دونوں پر حملہ کر دیا، روشاق کے بارے میں تو مجھے کچھ علم نہیں ہوا، لیکن میں بے ہوش ہو گیا اور جب مجھے ہوش آیا تو روشاق کتاب سمیت غائب تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ وہ کسی طرح ان حملہ آوروں کے ہتھے چڑھ گیا ہے، لیکن بعد میں مجھے ایک فون موصول ہوا جس پر مجھے بتایا گیا کہ روشاق نے نہایت چالاکی سے اپنے آدمیوں کے ذریعے وہ کتاب حاصل کر لی ہے اور اب وہ اس کے پاس ہے۔ مجھے شدید کوفت ہوئی، بے شک میں کتاب کی تحریر نہیں پڑھ سکا تھا۔ لیکن میرے نوادر خانے میں تو ایسی بے شمار چیزیں موجود ہیں جن کی تاریخ میرے علم میں نہیں آ سکی، لیکن وہ زبردست نوادرات میں شمار ہوتی ہیں۔ خیر سلسلہ چلتا رہا کہ ایک دن مجھے ایک بار فون موصول ہوا۔ وہ فون ایک بوڑھی عورت کی آواز میں تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ "میں اگر مناسب سمجھوں تو اسے اس کے ایک سوال کا جواب دوں۔" میں نے پوچھا کہ "آپ کون ہیں؟" تو اس نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہنے لگی کہ "اگر میں ایک بہت بھاری رقم کے عوض سے کتاب فراہم کروں تو وہ میرا احسان بھی مانے گی اور مجھے اس کتاب کی نقد ادائیگی بھی کر دے گی" میں نے پوچھا کہ "کون سی کتاب ہے؟" تو اس نے اسی کتاب کے بارے میں بتایا جسے روشاق لے اڑا تھا۔

میں نے اس سے کہا کہ "اگر وہ مناسب سمجھے تو مجھ سے ملاقات کرے مجھے بتائے کہ وہ کتاب کیا ہے؟" لیکن اس نے کہا کہ "مجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے، وہ کتاب جو میرے اس نوادر خانے سے چرائی گئی ہے ایک نقلی کتاب ہے اور مجھ جیسا ذہین آدمی یقینی طور پر اس کتاب کی اہمیت سے واقف ہو گا اور میں نے اس نقل تیار کروا کے اپنے نوادر خانے میں رکھوا دی ہو گی، حقیقت یہ ہے کہ میں اتنا ذہین نہیں ہوں، میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا البتہ مجھے حیرت ہوئی، غرضیکہ اس عورت کے کئی فون آئے آخرکار میں نے اس سے پوچھا کہ اس کتاب میں آخر ایسی کیا بات ہے تو اس نے کہا کہ اس کتاب میں مصر کی تاریخ کا ایک ایسا باب چھپا ہوا ہے جس کے بارے میں ابھی تک دنیا کے کسی مورخ کو نہیں معلوم ہو سکا ہے اور اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ایک اتنا بڑا خزانہ حاصل ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک شہر بسایا جا سکے اور کچھ لوگ یہی کوشش کر رہے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعے انہیں یہ سب کچھ معلوم ہو جائے۔"

احمر جنیدی مجھے یہ تفصیل بتا رہا تھا اور نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک جھلاہٹ سی پیدا ہوتی جا رہی تھی، کوئی خفیہ آواز مجھ سے کہہ رہی تھی کہ احمر جنیدی جھوٹ بول رہا ہے، وہ جو کچھ بتا رہا ہے وہ سچ نہیں ہے، اس کے پس پردہ کچھ اور ہی ہے، میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے اور محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے نگاہیں چرا رہا ہے تاہم میں نے اس پر کوئی اظہار نہیں کیا اور اس سے کہا کہ مجھے اس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، البتہ یہ سوال میں نے اس سے ضرور کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''احمر جنیدی تمہیں ہارون دانش کے بارے میں مزید کوئی تفصیل معلوم ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ وہ عظیم محقق ہیں اور شاید دنیا میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے، مجھے یہ بھی علم ہوا کہ شاید وہ کتاب ہارون دانش کے پاس موجود ہے۔''

''یہ علم آپ کو کہاں سے ہوا؟''

''آج تک مجھے خفیہ طور پر فون آتے رہتے ہیں، جن میں مجھ سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ نقلی کتاب تو میں نے اپنے نوادر خانے میں بنوا کر رکھ دی تھی، لیکن اصل کتاب کہاں ہے؟''

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے تھے، میرا مطلب ہے میری کوٹھی میں مجھ سے ملنے کے لئے؟''

''ہارون دانش کی تلاش میں، میں نے کہا نا بڑی مشکل سے مجھے ہارون دانش کے بارے میں معلوم ہو سکا ہے، مائیکل جون اور امیر الحسنات کے بارے میں بھی میں نے معلومات حاصل کی تھیں، لیکن مجھے ان میں سے کسی کا پتہ نہیں چل سکا۔''

''کیسے معلومات کی تھیں تم نے؟'' اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

''میں نے ان کے ملکوں میں جا کر ان کے بارے میں تفصیلات معلوم کی تھیں، وہ اتنے بے خبر لوگ نہیں تھے، امیر الحسنات کا تعلق تو مصر سے ہے اور مائیکل جون انگلینڈ میں رہتا تھا، مجھے ان کے گھروں کا تو پتہ چل گیا، لیکن ان کے اہل خاندان نے مجھے بتایا کہ وہ مہم جوئی پر گئے تھے، غالباً تیونس کا پروگرام تھا ان کا اور ان کے ساتھ دو اور دانش ور شامل تھے، یعنی ہارون دانش اور باقی ان کے اپنے۔''

میں نے ایک گہری سانس لی، اس سے مجھے ایک بات کا تو علم ہوا، وہ یہ کہ بے شک میرے پاپا تیونس سے غائب ہو گئے تھے، لیکن امیر الحسنات اور مائیکل جون بھی اپنے اپنے وطن واپس نہیں پہنچے، وہ کہاں گئے ایک نیا انکشاف تھا، اب میں سوچنے لگی کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔

''بے بی! اگر مناسب سمجھو تو مجھ سے تعاون کرو اور ایک بات میں تمہیں بتا دوں کسی بھی طور میں تمہارے حق میں نقصان دہ ثابت نہیں ہوں گا اور اگر میری ملاقات ہارون دانش سے ہو جائے تو یقینی طور پر میں انہیں اپنے ساتھ تعاون پر آمادہ کر لوں گا۔''

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا لی جو انوکھے اور ناقابل یقین واقعات میری زندگی میں داخل ہو گئے تھے انہوں نے میرے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں چھین لی تھیں اور میں حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ کس پر بھروسہ کروں اور کس پر نہ کروں، اس شخص نے مجھے جو تفصیل بتائی ہے وہ بے حد سنسنی خیز ہے، میں نے اس سے سوال کیا۔

''اچھا یہ بتاؤ میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''کچھ نہیں! بس میری ملاقات تم سے وہاں ہو گئی، اس بات کا البتہ مجھے علم ہو گیا تھا کہ ہارون دانش بھی تیونس کی مہم سے واپس نہیں پہنچے ہیں، لیکن پھر بھی مجھے کچھ خفیہ آوازوں نے بتایا کہ ہارون دانش یہیں اپنے شہر میں موجود ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں حیرت سے اچھل پڑی۔

''ہاں.....''

''اور آپ نے ان خفیہ آوازوں کے بارے میں معلومات کرنے کے بجائے مجھ تک پہنچنا مناسب اور ضروری سمجھا۔''

''نہیں۔ میں صرف ہارون دانش کو تلاش کر رہا تھا، یہ سوچ کر کہ اگر کسی طرح میری ان سے ملاقات ہو جائے تو میں انہیں بتاؤں کہ وہ کتنے بڑے نقصان سے دوچار ہو چکے ہیں۔''

''ہوں۔'' ایک دم میرے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ احمر جنیدی سے تعاون کرنا چاہیے، میں نے اس سے کہا۔

''احمر جنیدی مجھے ایک بات کا جواب دو، وہ کتاب جو تمہارے نوادر خانے میں شامل تھی اور بقول تمہارے ایک نقلی کتاب تھی، کیا تمہیں اسے پڑھنے کا موقع ملا۔''

''نہیں بے بی! میں اس زبان کو نہیں پڑھ سکا۔''

''تو پھر تم نے یہ کیسے سوچا کہ اس کی دوسری نقل تیار کر لی جائے؟''

''نہیں کوئی نقل تیار نہیں کی تھی میں نے، وہ اصلی ہی کتاب تھی جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ ایک مہم کے دوران مجھے دستیاب ہوئی تھی۔''

ایک بار پھر مجھے احمر جنیدی کی آنکھوں میں ایسے آثار نظر آئے جیسے وہ جھوٹ بول رہا ہو، اصل میں آنکھیں بڑی خوفناک چیز ہوتی ہیں، اگر انہیں پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لی جائے تو یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان بہت سی باتوں سے آشنا ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

''احمر جنیدی، کارچوک کے پہاڑوں میں آشوانی تہذیب کی تلاش کے لئے میں بھی ان تینوں افراد کے ساتھ تھی جن میں سے ایک کا نام مائیکل جون، دوسرے کا امیر الحسنات اور تیسرا روشاق تھا، میں تمہیں روشاق کا حلیہ بتاؤں۔'' میں نے کہا اور احمر جنیدی کی آنکھوں میں دلچسپی کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

''اچھا! کیا واقعی تم بھی اس مہم میں شریک تھیں.....؟''

''ہاں اپنے پاپا کے ساتھ۔'' میں نے جواب دیا، نجانے کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس شخص پر اپنے دل کی تمام باتیں واضح کر دوں، ہو سکتا ہے مجھے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو میرے لئے کارآمد ہو، میں نے اس سے کہا۔

''روشاق ایک عجیب و غریب شکل کا مالک تھا، اس کا چہرہ یوں لگتا تھا جیسے اس کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ بڑی عجیب و غریب شکل تھی۔'' میں اپنی بساط بھر روشاق کے حلیے کا نقشہ کھینچتی رہی، اور احمر جنیدی بہت دلچسپی سے یہ تمام باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''خدا کی قسم..... خدا کی قسم! بالکل صحیح شکل بتائی ہے تم نے۔''

''اور بھی کچھ بتانا چاہتی ہوں تمہیں۔'' میں نے کہا اور وہ دلچسپی سے میری صورت دیکھنے لگا۔

''مجھے کچھ اور پراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔'' یہ کہنے کے بعد میں نے اسے ہوٹل کے بارے میں تفصیل، اس عورت کے بارے میں اور دوسری تمام باتیں جو پیش آئی تھیں بتائیں تو وہ تعجب سے انہیں سنتا رہا، پھر اس نے کہا۔

''جگہ کا نام کیا بتایا تم نے؟''

''کون سی جگہ.....؟''

''نہیں میرا مطلب ہے یہاں۔''

''نیو لائن سوسائٹی۔ یہ ایک نواحی علاقہ ہے، خال خال مکانات بنے ہوئے ہیں، انہی گھروں کی ایک کوٹھی میں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔''

''کیا تم..... کیا تم..... کیا تم دوبارہ میرے ساتھ وہاں جا سکتی ہو؟''

''ہزار بار جا سکتی ہوں مجھے کسی چیز سے خوف محسوس نہیں ہوتا، لیکن اس کے بعد جو ہوا وہ بڑا تعجب خیز تھا۔'' میں نے اپنے گھر لائبریری، ان دونوں کا واقعہ، ان میں سے ایک کے زخمی ہو جانے کی پوری تفصیل احمر جنیدی کو بتائی اور احمر جنیدی پریشانی سے ہاتھ ملنے لگا۔

''اتنا کچھ اتنا کچھ ہو چکا ہے اور تمہارے پاپا.....''

''میرے پاپا بھی یہیں سے غائب ہو گئے تھے اور آج تک ان کا پتہ نہیں چل سکا۔'' میں نے جواب دیا، نجانے کیوں ایک بات میں نے محسوس کی تھی کہ دوران گفتگو میں نے اس کتاب کے بارے میں اور اس لاش کے بارے میں کہنا چاہا جو ہمیں کارچوک کے پہاڑی علاقوں میں غار میں ملی تھی، لیکن ایسے موقع پر میری زبان خود بخود بند ہو جاتی تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے کسی نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو، کوشش کے باوجود میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احمر جنیدی کو وہ بات نہ بتا سکی کہ تابوت میں ملنے والی لاش میری اپنی تھی اور اس کے بعد وہ غائب ہوگئی تھی۔ بس صرف اتنی سی بات ہوئی تھی اور اس کے علاوہ میں نے احمر جنیدی کو ساری تفصیل بتا دی تھی۔ اس میں میری ماں کا بھی ذکر نہیں تھا۔

احمر جنیدی کہنے لگا۔ ''بے بی! اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو میں تمہارے پاپا کی تلاش میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔''

''دیکھو احمر جنیدی! مجھے اس وقت کسی بھی چیز سے دلچسپی نہیں ہے، بس میں چاہتی ہوں کہ میرے پاپا مجھے مل جائیں۔''

''تو پھر کیوں نہ تم مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دو، میں تمہاری لائبریری میں اس کتاب کو تلاش کروں جس کے لئے اس عورت نے یہ کوششیں کی تھیں۔''

''مجھے سوچنے کا موقع دیجئے مسٹر جنیدی، آپ اسی ہوٹل میں مقیم ہیں نا؟''

''ہاں......''

''میں سوچ کر آپ کو جواب دوں گی، حالانکہ مجھے کسی سے کوئی مشورہ نہیں کرنا، میں اپنے گھر میں جو چاہوں کرسکتی ہوں، باقی سب میرے ملازم ہیں۔ لیکن پھر بھی میں تھوڑا سا سوچنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے بے بی آج کل پرسوں جس وقت بھی تم مناسب سمجھو مجھے اس بارے میں اطلاع دینا، میں تمہارے گھر پر آکر تم سے ملوں گا۔''

''تو اب مجھے اجازت دیجئے مسٹر احمر جنیدی۔'' میں نے کہا اور وہ کھڑا ہوگیا۔

''میری پیاری بیٹی، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہارے برابر میری ایک بیٹی بھی ہے، شوخ و شنگ تمہاری طرح تیز مزاج۔''

''چھوڑیئے، میں فضول قسم کے رشتوں کو تسلیم نہیں کرتی، میرے ذہن میں ایک بات ہے کہ رشتے ہوتے ہیں یا پھر نہیں ہوتے۔''

احمر جنیدی پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا اور اس کے بعد وہ مجھے نیچے چھوڑنے آیا، میں نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور وہاں سے واپس چل پڑی۔ راستے طے ہوتے رہے اور میرے ذہن میں مختلف خیالات آتے رہے۔ کبھی کبھی تو اپنے آپ پر ہنسی بھی آنے لگتی تھی، دنیا کتنے آرام سے زندگی گزارتی ہے، سڑکوں پر چلتے پھرتے لوگ، انہیں زندگی کی بہت ساری مشکلیں ہوتی ہوں گی، لیکن ایسی مشکل نہیں جس کا کوئی سر پاؤں ہی نہ ہو۔ گھر واپس آنے کے بعد میں اپنی آرام گاہ میں جا بیٹھی، نئے نئے کردار مل رہے تھے۔ نیو لائن کی عمارت میں وہ خوفناک عورت جو میرے لئے زندگی کا انوکھا تجربہ تھی۔ اس سے پہلے تیونس میں پیش آنے والے واقعات، ایک میں ہی تھی جو اس دنیا سے اجنبی تھی، آخر کیوں؟ آخر کیوں......؟

اس واقعات کے بعد آیا ندیمہ اور فیض بابا سے بھی کچھ تلخی سی ہوگئی تھی۔ یہ دونوں مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہنے لگے تھے، لیکن مجھے ان کی پرواہ نہیں تھی، میں تو ایک عجیب ہی عذاب سے گزر رہی تھی اور اس عذاب کے موجب میرے ماں باپ تھے۔ پہلے تو باپ ہی گم ہوا تھا، اب اس کے بعد ماں کی کہانی بھی ایک عجیب ہی شکل اختیار کرگئی تھی۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا کہ میں اس عورت کی اولاد نہیں تھی جسے آٹھ سال تک میں نے اپنی ماں سمجھا اور جس نے واقعی ایک ماں ہی جیسا کردار نبھایا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میری اصل ماں کون تھی؟ کوئی بھی نہیں جانتا تھا، ظاہر ہے یہ بات میرے باپ کو ہی معلوم ہوسکتی تھی جو مجھے نجانے کہاں سے لائے تھے اور یہ بھی کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہارون دانش میرے باپ تھے بھی یا نہیں۔

کیا مزے کی بات ہے دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ان تمام چیزوں کو بھلا کر زندگی کا لطف اٹھاؤں، بے پناہ دولت ہے، ہارون دانش صاحب اگر زندہ ہیں اور خود مجھ سے آکر ملتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں بھی اپنی زندگی آرام سے بسر کروں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بعض اوقات لوگوں کو دیکھ کر میرے دل میں یہ تصور پید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا تھا کہ میں بھی کسی سے محبت کروں، کسی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاؤں، فیصلہ کرنا بہت مشکل کام تھا۔

احمر جنیدی جو ایک عجیب وغریب کردار تھا۔ میں رات کو بستر پر لیٹ کر اس کی باتیں یاد کرنے لگی، وہ یہاں آ کر لائبریری میں اس کتاب کو تلاش کرنا چاہتا تھا، کیسی عجیب بات تھی، کتاب اس طرح درمیان میں آئی تھی کہ بس سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ اصل کتاب کون سی ہے؟ یا کتابوں کا یہ چکر کیا چلا ہوا ہے، انہی سوچوں میں تھی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا، نیم غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ مجھے یوں لگا جیسے میرے کمرے کے دروازے کے پاس کوئی موجود ہو۔ گہری گہری سانسوں کی آوازیں، ہلکی سی سرسراہٹ، دل تو چاہا کہ ایک دم سے اٹھ کر باہر بھاگوں، دیکھوں کہ کون میرے کمرے کی سن گن لے رہا ہے، لیکن پھر عقل نے تھوڑا سا سنبھالا دیا۔ کچھ خطرناک حالات بھی ہو سکتے ہیں۔ البتہ مجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، میں بے آواز اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور جھکی جھکی اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچی، صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی ہے، چند لمحے دروازے کے پاس کھڑی رہی اور پھر میں نے بالکل بے آواز دروازہ کھولا۔ میں نے ایک سایہ سا دیکھا جو تھوڑے فاصلے پر جا رہا تھا، انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بھی میرے دروازے سے اندر جھانک رہا ہو، اب کہیں اور جا رہا ہے اور وہ جگہ جہاں سایہ جا رہا تھا، پاپا کی لائبریری کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں تھی، پھر وہی چکر، میں نے سوچا اور پھر خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ لائبریری میں چٹ کی آواز کے ساتھ روشنی ہوئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں، بس ایک اندھا جنون پیدا ہو گیا تھا، حالانکہ میری زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا لیکن میں ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر لائبریری کی جانب چل پڑی اور کچھ لمحوں کے بعد دروازے سے اندر پہنچ گئی۔

میں تقریباً دس منٹ تک دروازے کے باہر ساکت و جامد کھڑی رہی جس طرح لائبریری میں داخل ہونے والا میرے کمرے میں جا کر میری سن گن لیتا اسی طرح میں نے بھی وہیں کھڑے ہو کر جائزہ لیا۔ منٹ بہت ہوتے ہیں اس کے بعد میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے لائبریری کے دروازے پر دباؤ ڈالا، لائبریری کا دروازہ اندر سے نہیں کیا گیا تھا۔ غالباً جو شخص بھی اندر داخل ہوا تھا نے یہ نہیں سوچا تھا کہ کوئی اس طرح اس کے پیچھے پیچھے بھی آ سکتا ہے۔

میں برق رفتاری سے اندر داخل ہو گئی، میرا چہرہ بگڑا ہوا تھا، خوف بے شک دل میں تھا، لیکن ساتھ ساتھ ایک جنون بھی تھا، کمرے میں روشنی ہو رہی تھی لیکن پوری لائبریری خالی پڑی ہوئی تھی، کوئی نہیں تھا وہاں، لیکن جو چیز میں نے فوراً ہی محسوس کی وہ پاپا کے سگار کی خوشبو تھی۔

"پاپا....." میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور سب سے پہلے میں نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

"آپ کو میرے سامنے آنا پڑے گا پاپا، سمجھے آپ، آپ کو میرے سامنے آنا پڑے گا۔ ورنہ میں اس ساری لائبریری میں آگ لگا دوں گی، خاکستر کر دوں گی اسے۔" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا، سگار کی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی چند لمحے پہلے یہاں بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا، فوراً ہی میری نگاہیں ایک طرف اٹھیں اور میں نے اس کرسی کی طرف دیکھا جو ایک چھوٹی سی سینٹر ٹیبل کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی ایش ٹرے آدھا جلا ہوا سگار رکھا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھی اور میں نے سگار اٹھا لیا، مجھے یوں لگا جیسے میں نے پاپا کی انگلیوں کو چھو لیا ہو۔ میرے اندر بھی گداز پیدا ہو گیا میری آواز رندھ گئی، میں نے آہستہ سے کہا۔

"پاپا! اگر دنیا سے گمشدہ ہیں تو مجھ سے چھپنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ کیا میں آپ کی اولاد نہیں ہوں، کہاں ہیں آپ پاپا؟ کہاں ہیں آپ؟" میرے حلق سے سسکیاں نکلنے لگیں، پھر میں نے لائبریری

کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پاپا خود کو گمشدہ کر سکتے، آدھا جلا ہوا سگار، کمرے میں پھیلی ہوئی سگار کی خوشبو، یہ تمام چیزیں بتا رہی تھیں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پاپا یہاں موجود تھے وہ نئے دروازے سے اندر جھانک رہے تھے۔ "یہ کیا بات ہے، آخر کیا ہوا۔ پاپا آپ کو کیا ہوا؟" بتایئے تو سہی، بتایئے تو سہی پاپا، آپ کو خدا کا واسطہ بتایئے تو سہی۔" میری ہچکیاں اور سسکیاں نہ رک سکیں۔

میں روتی رہی، کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر میں سیدھی ہوئی اور سوچنے لگی کہ دروازہ اندر سے بند ہے آدھا جلا ہوا سگار ملا ہے، پاپا کہیں بھی نہیں ہیں، ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اس لائبریری میں کوئی ایسا پوشیدہ تہ خانہ ہو جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہو، سوائے پاپا کے اور پاپا وہاں پوشیدہ ہوں، "مگر یہ غلط ہے، اس کا تو صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں اور آپ کو میری کسی بھی بات سے کوئی مطلب نہیں ہے، میں روتی رہوں یا ہنستی رہوں، آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں پاپا، ٹھیک ہے آپ کی مرضی، کیا کہہ سکتی ہوں اور کیا نہیں کہہ سکتی، یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔" غرضیکہ میں کافی دیر تک لائبریری میں رہی اور اس کے بعد وہاں سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں گئی اور بستر پر لیٹ گئی، لیکن لیٹنے کے ساتھ ہی ایک بار پھر میرا دل بھر آیا اور میں سسکیاں لے کر رونے لگی، میری سسکیاں کمرے میں پھیل رہی تھیں، لیکن مجھے خاموش کرانے والا کوئی نہیں تھا۔ اس طرح روتے روتے نیند آ گئی تھی۔

دوسری صبح معمولات میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا، جب سے آیا ندیمہ اور فیض بابا سے میری کھٹ پٹ ہوئی تھی، حالات مزید خراب ہو گئے تھے وہ لوگ مجھ سے زیادہ تر الجھتے نہیں تھے اور اب ان کے انداز میں بھی ایک بیگانگی سی پائی جاتی تھی، گیارہ بارہ بجے کا وقت تھا کہ مجھے احمر جنیدی کی کال موصول ہوئی۔

"ہیلو بے بی!" ان کی آواز ابھری۔

"جی مسٹر جنیدی۔"

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا مجھے؟"

"کیسا جواب؟"

"کیا تم آج مجھے اپنی لائبریری میں دعوت دے سکتی ہو؟"

میں نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔ "ٹھیک ہے مسٹر جنیدی آپ آ جایئے۔"

"تم دیکھو گی تمہیں اس سے فائدہ ہی ہوگا۔"

"مجھے فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا آپ آ جایئے۔" میں نے کہا، میں نے مسٹر جنیدی کو رات ساڑھے نو بجے کا ٹائم دے دیا تھا، کھانے وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ بس ایک بیگانگی ہر وقت سوار رہتی تھی۔ مسٹر جنیدی وقت کے بہت پابند نکلے، ساڑھے نو بجے آ گئے۔ ان کے چہرے پر ایک دبا دبا سا جوش پھیلا ہوا تھا، انہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور بولے۔

"مستقل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

"جی! میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ کیا سوچتے رہے ہیں۔"

"کوئی ایسی اہم بات نہیں بس تمہاری شخصیت، مجھے ایک ایسی بات محسوس ہوئی ہے بے بی کہ دل چاہتا ہے تم سے کہہ دوں۔"

"کیا.....؟"

"تم نے مجھے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ نامکمل تھیں۔" احمر جنیدی نے کہا اور میں چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں نے انہیں بہت سی ایسی باتیں نہیں بتائی تھیں جن کا تعلق تیونس اور کارچوک کے پہاڑی علاقوں سے تھا، وہاں جو واقعات پیش آئے تھے وہ اتنے اجنبی اور حیران کن تھے کہ میں خود بھی غور کرتا تو مجھے یوں لگتا جیسے ان واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، وہ میں نہیں تھی جس کی شخصیت میں اتنی پراسراریت تھی، میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو مسٹر جنیدی کہنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب مجھے اپنی لائبریری میں لے چلو۔"

"آپ کیا پئیں گے؟"

"اگر پلوا سکتی ہو تو کافی پلوا دو، لیکن لائبریری میں۔"

"بیٹھیے کچھ دیر، لے کر چلتی ہوں آپ کو لائبریری میں۔"

"بی بی! میں سمجھتا ہوں کہ ضائع ہونے والا ہر لمحہ ہمارے لئے بہتر نہیں ہوگا۔" میں نے ایک ملازمہ سے کافی بنانے کے لئے کہا اور پھر اسے ہدایت کی یہ کافی لائبریری میں پہنچا دے اور اس کے بعد میں احمر جنیدی کو لے کر لائبریری میں چل پڑی۔ احمر جنیدی آتے ہوئے کوٹھی کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بہت ہی خوبصورت کوٹھی ہے، ایک خاص طرز تعمیر رکھنے والی، بہت شاندار، بہت عجیب۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور اسے لے کر لائبریری پہنچ گئی اور احمر جنیدی سحر زدہ ہوگیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ پاپا کی لائبریری اتنی شاندار ہوگی، وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے چاروں طرف نظر آنے والی کتابوں کو دیکھتا رہا، میں نے محسوس کیا تھا کہ اس وقت لائبریری میں سگار کی بو بالکل نہیں ہے احمر جنیدی تھوڑی دیر تک لائبریری کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"بہت بڑا آدمی ہے، بہت بڑا آدمی ہے ہارون دانش! یہ کتابیں میں نہیں جانتا تھا کہ ایسی کتابیں کون سے ملک کے کون سے نواب، لارڈ یا ڈیوک کے پاس ہوں گی، بی بی! میں بہت متاثر ہوا ہوں، واقعی اس میں کوئی شک نہیں، بہت بڑی بات ہے کیا میں ان کتابوں کو قریب سے دیکھ سکتا ہوں......؟"

"ہاں! ظاہر ہے آپ آئے ہی اس لئے ہیں۔" میں نے جواب دیا اسی وقت ملازمہ کافی لے کر آگئی اور میں نے احمر جنیدی سے کہا۔ "آپ کافی پی لیں اس کے بعد اطمینان سے۔"

"ہاں ہاں بالکل بالکل یہ کتاب دیکھ سکتا ہوں۔" احمر جنیدی نے انگلی سے ایک کتاب کی جانب اشارہ کیا اور میں نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے بڑے اہتمام اور احترام سے کتاب نکالی اور سینٹر ٹیبل کے پاس آگیا۔ میں بیٹھ گئی ملازمہ نے کافی بنا کر ہم دونوں کے سامنے رکھی اور احمر جنیدی کتاب کے صفحات کھول کر دیکھتا رہا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے خود ہوگیا ہو۔ خود کلامی کے سے انداز میں اس نے کتاب کی تحریر پڑھنا شروع کردی۔

"حیات بعد الموت، قدیم مصری عقیدے کا اہم پہلو ہے اور اسی پہلو کو مدنگاہ رکھا جائے تو عالیشان مقبرے، حنوط شدہ اجسام اور عظیم الشان اہرام نگاہوں کے سامنے آتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جسم ایک مٹی ہے جسے "کا" کہنا مناسب ہے اور یہ دنیاوی زندگی گزار کر مرجانے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، چنانچہ اجسام کا حنوط کردینا بہتر ہے کہ وہ ہیئت برقرار رکھیں۔ "کا" کی اصلیت قائم رہنی چاہیے اور "آغوسرے" (سورج دیوتا) سب سے پہلا بادشاہ، ازل کا دیوتا، غریب کا وزیر جو ناپاک نذر قبول نہیں کرتا اور جو زمین کے فیصلے کرتا ہے، اصل میں "فے" تنکیری علامت ہے اور "رع" سورج کہتے ہیں، اس طرح بادشاہ کا لقب "فارع" ہوتا ہے، یعنی یہی لفظ عبرانی زبان میں فارعوا اور عربی زبان میں فرعون بنا۔"

وہ پڑھتا رہا۔ "ہیروڈوٹس۔" کا نام تھیوی ڈوڈا کا، اے آرمین کی کتاب (قدیم مصریوں کا ادب) لیسٹڈ کی کتاب، یہ تمام کتابیں شناسا تھیں اور ان میں پاپا کے ذہن کی تمام قوتیں شامل تھیں۔ احمر جنیدی کو کافی پینے کا ہوش بھی باقی نہ رہا اور وہ کتاب کے اوراق میں گم ہوگیا، میں بھی خاموش بیٹھی صورت حال کا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک ہی کچھ ہوا۔

کتاب احمر جنیدی کے ہاتھ سے اچھل گئی اور ساتھ ہی میں نے ایک خوفناک غراہٹ سنی، یہ بلی کی غراہٹ تھی، مجھے یوں لگا جیسے بلی کتاب میں سے نمودار ہوئی ہو۔ اور پھر میں نے اسے اس کی مکمل جسامت میں برآمد ہوتے ہوئے دیکھا اور اس نے احمر جنیدی کے گلے کا نرخرہ اپنے دانتوں میں دبالیا۔ بلی خونخوار انداز میں غرا رہی تھی۔

احمر جنیدی کی کرسی الٹ گئی میں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی، کافی کی دونوں پیالیاں میز پر سے الٹ کر نیچے گری تھیں۔ احمر جنیدی بری طرح تڑپ رہا تھا وہ اپنے آپ کو بلی کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کررہا تھا، یہ وہی سیاہ بلی تھی جسے پہلے میں نے روشاق اور اس کے بعد روشاق نما عورت کے پاس دیکھا تھا، اس وقت یہ ہولناک بلی احمر جنیدی کا نرخرہ ادھیڑ رہی تھی اور احمر جنیدی کی آنکھیں باہر نکلی پڑ رہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ بلی کو کھینچ رہے تھے اور پھر میں نے وہ بھیانک منظر دیکھا جس میں احمر جنیدی کا نرخرہ سانس کی نالی کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ مگر بلی اسے نہیں چھوڑ رہی تھی۔

پھر اچانک ہی کچھ ہوا اور احمر جنیدی نے بلی اٹھا کر دیوار پر دے ماری اور خود دروازے کی جانب بھاگا، وہ چیختا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا، اس کی چیخیں بڑی عجیب سی تھیں، اتنی ہولناک ایسی بھیانک کہ میں نے ایسی چیخیں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں خود بھی اس کے پیچھے باہر نکل آئی، احمر جنیدی اندھوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا، دیوار سے ٹکرا رہا تھا۔ اس کی دہاڑیں یوں لگ رہا تھا جیسے کسی لاؤڈ اسپیکر پر چیخ رہا ہو۔ گھر کے سارے ملازم باہر نکل آئے تھے اور حیرانی سے اپنی جگہ کھڑے کانپ رہے تھے، احمر جنیدی کو باہر نکلنے کا راستہ مل گیا۔ وہ دوڑتا ہوا پہلے کوٹھی کے لان اور پھر گیٹ کے باہر نکل آیا۔

وہ اب بھی چیخ رہا تھا میں دوسرے ملازموں کے ساتھ اس کے پیچھے بالکل اضطراری طور پر دوڑ پڑی تھی اور خود بھی گیٹ سے باہر نکل آئی تھی، عین اسی وقت جب احمر جنیدی گیٹ سے باہر نکلا ایک پولیس پٹرول وین ادھر سے نمودار ہوئی، اس کی ہیڈ لائیٹس احمر جنیدی پر پڑیں۔ وہ اب بھی اندھوں کی طرح بھاگ رہا تھا، پولیس وین کی رفتار تیز ہوگئی اور وہ اس کے قریب پہنچ گئے، لیکن اس سے پہلے کہ پولیس والے رک کر نیچے اترتے احمر جنیدی پھر زمین پر گر گیا تھا، تھوڑی دیر تک وہ ہاتھ پاؤں مارتا رہا اس کے بعد سرد ہوگیا، میں اور گھر کے دوسرے ملازم جن میں فیض بابا، آیا ندیمہ وغیرہ بھی شامل تھے اپنی کوٹھی کے گیٹ پر کھڑے ہوئے یہ تمام واقعہ دیکھ رہے تھے، کسی کی سمجھ میں کوئی بات آ ہی نہیں رہی تھی، ہاں اتنا ضرور جانتے تھے کہ احمر جنیدی میرا مہمان ہے جو مجھ سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ لیکن یہ چیخ کیوں رہا ہے، اسے کیا ہوا ہے اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ پولیس والے نیچے کود آئے تھے انہوں نے احمر جنیدی پر جھک کر اس کا جائزہ لیا تھا اور پھر وہ سیدھے ہوگئے تھے، ان سب کی نگاہیں ہمارے دروازے کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، میرا خود بدن آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا، ملازمین بھی دہشت زدہ تھے، پھر ایک اے ایس آئی ہماری جانب بڑھ آیا، عظیم الشان کوٹھی تھی اور بہترین علاقہ تھا۔ عام طور سے پولیس افسران بھی فوری طور پر کوئی ایسا کام نہیں کرسکتے تھے جو کسی کی توہین کے مترادف ہوتا، اے ایس آئی نے نہایت نرم لہجے میں پوچھا۔

"معاف کیجئے گا! یہ کوٹھی جناب ہارون دانش صاحب کی ہے، کیا یہ شخص اسی کوٹھی سے نکل کر باہر آیا ہے؟" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو اے ایس آئی نے کہا۔

"آپ لوگ ذرا مجھے اندر جانے کا راستہ دے سکتے ہیں؟"

"سر! خون کی یہ لکیر اسی گیٹ سے باہر آرہی ہے، تم لوگوں کے پیروں سے خون کے یہ دھبے مٹ نہ جائیں۔"

"ہٹ جائیے براہ کرم آپ لوگ ہٹ جائیے۔ پولیس کے ساتھ تعاون کیجئے۔" اے ایس آئی نے کہا اور پھر اپنے حوالدار سے بولا۔ "تم انچارج صاحب کو فون کرو، پاشا صاحب کو کوٹھی کا حوالہ دے کر بتاؤ یہاں کوئی واردات ہوگئی ہے، معاف کیجئے آپ میں سے کون ذمے دار شخصیت کا مالک ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ نشاء بی بی ہیں، ہماری چھوٹے سرکار، ہارون دانش صاحب کی صاحب زادی۔"

اے ایس آئی نے مجھے سلام کیا اور کہا۔ "محترمہ! ہم نے اپنی آنکھوں سے اس شخص کو آپ کی کوٹھی سے باہر بھاگتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ مر چکا ہے آپ پولیس کی ذمے داری سمجھتی ہیں، ہم سے تعاون کیجئے آپ لوگ فوراً ادھر ادھر ہٹ جایئے۔ خون کی یہ لکیر اندر سے آرہی ہے ہم اس کا اندر تک جائزہ لینا چاہتے ہیں، میں معافی چاہتا ہوں آپ کو زحمت دی جائے گی، آپ براہ کرم ادھر ادھر ہٹ جایئے۔" سب انسپکٹر نے نرم لہجے میں کہا اور اس کا ساتھی حوالدار ایس ایچ او سے بات کر رہا تھا اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"جمال پاشا صاحب آنے والے ہیں۔"

"تمام لوگ یہیں رکیں اور سنیے، بابا صاحب آپ سے بات کر رہا ہوں۔" اے ایس آئی نے فیض بابا سے کہا۔

"جی فرمایئے۔"

"اندر اور بھی ملازمین موجود ہیں۔" فیض بابا نے ایک نگاہ باہر موجود لوگوں پر ڈالی پھر بولے۔

"نہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"انہیں یہیں روکیے، اس کے علاوہ اور کوئی اندر ہے تو براہ کرم ہمیں بتایئے، ہم پولیس والوں کو احتیاط سے وہاں بھیج دیتے ہیں، آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اطمینان رکھئے گا۔"

"نہیں اندر اور کوئی نہیں ہے، میں نے ہمت کر کے کہا۔

بہر حال اے ایس آئی کارروائی کرتا رہا، پولیس وین سڑک سے چل کر ہماری کوٹھی کے گیٹ کی دیوار کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور احمر جنیدی کے گرد نشانات لگوا دیئے تھے تاکہ کوئی وہاں تک جانے کی کوشش نہ کرے۔ سڑک پر سے گزرتی ہوئی کاروں کو بھی تیزی سے آگے بڑھایا جاتا رہا تھا گزرنے والی کاریں رکتی تھیں اور صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کرتی تھیں، لیکن پولیس والے انہیں آگے بڑھا دیتے تھے پھر ایک اور پولیس جیپ پہنچ گئی، ہم ابھی گیٹ پر ہی موجود تھے، خود میں بھی بری طرح نروس تھی۔

پولیس کی جیپ سے ایک باوردی انسپکٹر نیچے اترا، میں نے مدہم مدہم روشنی میں اسے دیکھا، دیکھنے کے قابل شخصیت تھی۔ بھرے بھرے بدن کا مالک، قد تقریباً چھ فٹ دو انچ، وردی میں انتہائی شاندار لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس پر سے نگاہ نہیں ہٹتی تھی۔ دودھ جیسا چمکتا ہوا سفید چہرہ انتہائی دلکش نقوش بڑی بڑی کالی آنکھیں، جنہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وجود کی گہرائیوں میں اتر جائیں گی۔ بہت ہی دلکش نقوش تھے اس کے، میں بھی اسے دیکھتی رہ گئی، انسپکٹر نے سب سے پہلے پولیس والوں کو ہٹا کر زمین پر پڑی ہوئی احمر جنیدی کی لاش دیکھی، اس کے ساتھ ہی کچھ فوٹو گرافر وغیرہ بھی آئے تھے جنہوں نے مصنوعی لائٹوں سے لاش کے گرد گھیرا ڈال لیا اور جنیدی کی لاش تیز روشنی میں چمکنے لگی، فوٹو گرافر تصویریں بنانے لگے اور اس کے بعد انسپکٹر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر گیٹ کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ تمام لوگ اسی کوٹھی میں رہتے ہیں۔" اس نے ملازموں کی جانب اشارہ کر کے اے ایس آئی سے پوچھا۔

"جی سر! یہ سب یہاں کے ملازمین وغیرہ ہیں۔"

"اچھا اچھا! یہ تو ہارون دانش صاحب کی کوٹھی ہے نا۔" انسپکٹر کو جیسے کچھ یاد آ گیا، مجھے تھوڑی سی حیرت ہوئی میرے پاپا اتنے مشہور آدمی تھے کہ عام لوگ بھی انہیں فوراً جان جاتے تھے پھر اس نے میری طرف نگاہیں اٹھائیں اور بولا۔

"محترمہ آپ۔"

"جی انسپکٹر، میرا نام نشاء ہے اور میں ہارون دانش کی بیٹی ہوں۔"

"اوہو! مجھے جمال پاشا کہتے ہیں۔ مختصر سی تفصیل مجھے معلوم ہے، لیکن مزید تفصیل جاننا چاہتا

ہوں، ہاں سنو احمد حسن تم نے کیا کیا کارروائی کی ہے۔"

"سر! ہم لوگ ابھی اندر نہیں داخل ہوئے اور میں صرف آپ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا تاکہ آپ براہ راست معلومات حاصل کریں۔"

"ہوں۔"

"سر! یہ شخص اندر سے دوڑتا باہر نکلا تھا، بری طرح سے دوڑ رہا تھا تھوڑے فاصلے پر جا کر گر پڑا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ خون اس کی گردن سے نکلا ہے، اس کا نرخرہ اس طرح باہر کھینچ لیا گیا ہے کہ یقین نہ آئے کہ کس طرح یہ کارروائی کی گئی ہے، بس یوں لگتا ہے جیسے کسی بہت ہی وحشی درندے نے اس کی گردن پر حملہ کر کے اس کا نرخرہ چبا ڈالا ہو، یہ خون کے دھبے....."

"ہوں ..... لائٹس منگوا لو۔ ان لکیروں کے سہارے آگے کا سفر کریں گے۔" انسپکٹر نے کہا۔ پولیس موبائل سارے انتظامات کے ساتھ آئی تھی، چنانچہ خاص قسم کی لائٹس نکلوائی گئیں اور اس کے بعد انہیں روشن کر لیا گیا اور انسپکٹر جمال پاشا نے مجھ سے پوچھا۔

"محترمہ! کیا آپ ہمیں کوٹھی میں داخلے کی اجازت دیں گی؟ دیکھئے پولیس کے فرائض ایسے ہی ہوتے ہیں آپ براہ کرم ہماری مدد کیجئے گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں! میں نے اپنے حواس پر قابو پا کر کہا، لیکن اس وقت میرا دماغ بڑی برق رفتاری سے کام کر رہا تھا میں جانتی تھی کہ اگر میں نے احمر جنیدی سے واقفیت کا اظہار کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ میرے ہی ایماء پر یہاں آیا تھا تو پھر مجھے ایک ایسی کہانی پولیس آفیسر کو بتانی پڑے گی جو خود میرے لئے ابھی ناقابل فہم تھی، برق رفتار ذہن نے آگے کے سلسلے میں کچھ موثر فیصلے کئے اور میں ان معاملات کی لوک پلک کا جائزہ لینے لگی، ادھر پولیس آفیسر اپنے کام میں مصروف تھا اور میں اس کی کارکردگی دیکھ رہی تھی۔

ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ آج تک میں نے کبھی پولیس پر غور نہیں کیا تھا، نوبت ہی نہیں آئی تھی، لیکن محکمہ پولیس میں ایسے ایسے خوبصورت جوان بھی موجود ہیں اس کا مجھے پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا۔ انسپکٹر جمال پاشا شکل وصورت سے کوئی شہزادہ ہی نظر آتا تھا، پھر اس کی کارکردگی کا انداز اپنے کام میں اس کی محویت بھی قابل غور تھی، وہ بڑی خوش اسلوبی سے اپنے کام کر رہا تھا اور خون کے دھبوں کے سہارے وہ کوٹھی میں داخل ہوا اور پھر لائبریری تک پہنچ گیا۔

"یہاں سے ان دھبوں کا آغاز ہوا ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کمرے کا جائزہ بھی لے لوں؟"

"ہاں آپ نے ابھی میرے پاپا کا نام لیا تھا یعنی ہارون دانش تو یقیناً تھوڑا بہت آپ ان کے بارے میں جانتے بھی ہوں گے یہ پاپا کی لائبریری ہے۔"

"اوہ! میرے خدا! خیر اب میں آپ سے جو کچھ کہوں گا وہ آپ کو حیران کن لگے گا جناب ہارون دانش صاحب کے بارے میں مجھے کسی نے کچھ بتایا تھا لیکن اس وقت یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے، چلو احمد حسن اندر داخل ہو، لائٹس اندر لے چلو ویسے تو یہاں اندر روشنی ہے، محترمہ آپ براہ کرم یہاں آیئے۔" اس نے پراحترام لہجے میں مجھ سے کہا اور میں انسپکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔

"اوہ! یہاں دیکھو یہاں بھی خون موجود ہے اس کا مطلب ہے کہ ہلاک ہونے والا شخص یہاں سے نکل کر بھاگا ہے لیکن کچھ عجیب سی کیفیت ہے یہاں کی، آپ اس بو کا جائزہ لے رہی ہیں جو یہاں اس کمرے میں ہلکی ہلکی پھیلی ہوئی ہے۔"

میں نے گہری سانس لی اور کہا۔ "ہاں مجھے احساس ہو رہا ہے۔"

"خیر! تو ہمیں رات کے اس حصے میں مکمل کارروائی کرنے میں دقت پیش آئے گی دن کی روشنی میں بھی ہم آپ کو تکلیف دیں گے ویسے وہ شخص یہاں کیوں آیا تھا آپ بتا سکتی ہیں۔"

"یہیں کھڑے کھڑے....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں، یہ تمام چیزیں تو دیکھ لی گئی ہیں ہم لوگ کہاں بیٹھ سکتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے؟"

"آیئے میرے ڈرائنگ روم میں۔"

"ہوں۔ احمد حسن فی الحال اس کمرے کو سیل کردو، پولیس لاک ہے تمہارے پاس؟"

"جی سر!" اے ایس آئی نے جواب دیا۔

"چلو تمام کارروائی کرو، معاف کیجئے گا اس کمرے میں کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جس کی آپ کو فوری ضرورت پیش آئے۔"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اب پولیس کی کارروائی سے مجھے دلچسپی محسوس ہورہی تھی اور ویسے بھی میں اپنے آئندہ بیان کے لئے لائحہ عمل مرتب کرچکی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ کچھ ایسے واقعات تو پولیس کو ضرور بتانے چاہیے جن کے بارے میں اگر ملازمین سے چھان بین کی جائے اور ملازمین جواب دیں تو میرے اور ملازمین کے بیان میں کوئی تضاد واقع نہ ہو۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے ایک خوبصورت تاویل پیش کرلی تھی، میں انسپکٹر جمال پاشا کو لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئی میں نے اس سے کہا۔

"آپ کچھ پئیں گے۔"

وہ ایک دم مسکرادیا پھر بولا۔ "آپ مجھے ان پولیس والوں میں سے نہ سمجھیں جنہیں ہر حالت میں کھانے پینے کا شوق ہوتا ہے لیکن اگر بطور مہمان آپ کچھ پلوادیں تو آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

آیا ندیمہ ہی سامنے تھی، میں نے اس سے کافی بنانے کے لئے کہا اور ایک لمحہ کے اندر اندر میرے دل میں ایک خیال آیا، میں اسے کوئی مشروب بھی پلاسکتی تھی۔ کافی کے لئے میں نے اسی لئے کہا تھا کہ کچھ دیر کافی بنانے میں صرف ہو اور کچھ دیر پینے میں اور اس دوران مجھے اپنے پسندیدہ آفیسر کے ساتھ تھوڑی دیر گزارنے کا موقع مل جائے۔ اس احساس کو میں نے دل ہی دل میں محسوس کیا تھا۔ پولیس آفیسر میرے ڈرائنگ روم کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

"بہت باذوق لوگ ہیں آپ اور یہاں کی جو سجاوٹ میں دیکھ رہا ہوں اس کا ایک خاص انداز ہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں گا، لیکن دوسری ملاقات پر اور یقیناً آپ مجھے دوسری ملاقات سے منع نہیں کریں گی۔"

"کیوں ـ" میں نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا اور وہ ایک دم مسکرادیا۔

"میرا مطلب ہے ظاہر ہے اس سلسلے میں مجھے تو تحقیق تو کرنی ہی ہوگی اور تحقیق کے لئے مجھے آپ کے پاس بھی آنا ہوگا۔"

"جی...... جی......" میں نے کہا۔

"بات ایک قتل کی ہی کہی جاسکتی ہے لیکن عجیب وغریب قتل کیا آپ اس بات کی نشاندہی کرسکیں گی کہ اس شخص کو کون سے جانور نے اس طرح زخمی کیا ہے؟"

"نہیں آپ یقین کریں میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"اس شخص کو بھی نہیں جو آپ کی کوٹھی سے نکل کر بھاگا تھا؟"

"جی نہیں! پچھلے کچھ عرصے سے میں عجیب وغریب حالات کا شکار ہوں، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ میرے والد ہارون دانش ماہر آثار قدیمہ ہیں اور ایک آرکیالوجسٹ کی حیثیت سے وہ مختلف ملکوں میں جاتے رہتے ہیں کچھ عرصے قبل میں بھی ان کے ساتھ تیونس گئی تھی جہاں انہیں کچھ کام کرنا تھا۔ یہ واقعات وہاں سے واپسی کے بعد ہی پیش آئے ہیں اور بڑی پراسرار حیثیت کے حامل ہیں، لیکن میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"اور یہ شخص......؟"

"اسے بھی نہیں جانتی۔ پچھلے دنوں سے کچھ لوگ ہمارے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کررہے ہیں، میں تو انہیں ڈاکو ہی سمجھی تھی آپ کو علم ہے جمال پاشا صاحب کہ آج کل حالات کس طرح کے جارہے ہیں، جب مجھے محسوس ہوا کہ کچھ پراسرار لوگ میری کوٹھی میں داخل ہونے لگے ہیں تو میں نے اپنے دو ملازموں کو ہدایت کی کہ وہ ذرا ہوشیار رہیں اور ایسا ہی ہوا، چند روز پہلے بھی یہاں کچھ افراد نے داخل ہونے کی کوشش کی تھی، میرے ملازموں نے ان پر گولی چلائی لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔"

"اوہو! تو آپ کو فوری طور پر پولیس سے رابطہ کرنا چاہیئے تھا۔"

"اصل میں میرے پاپا اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں، وہ ملک سے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں میں ان معاملات سے بالکل نا بلد ہوں اور باقی میرے ملازمین ہیں۔"

"تب تو واقعی بڑی حیران کن بات ہے اور یہ شخص، یہ آپ کے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

"ہاں بالکل! میں اسے نہیں جانتی اور یہ بھی مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب اور کس طرح میری کوٹھی میں داخل ہوا اور پھر اس کے ساتھ یہ سب کیا ہوا، میں تو خود دنگ رہ گئی ہوں۔" میں نے کہا، پولیس آفیسر کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے میرا ذہن بھٹک سا گیا، کتنی خوبصورت آنکھیں تھیں اس کی، ویسے یہ حقیقت ہے کہ مردانہ وجاہت بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے، صرف مرد ہی خواتین کے حسن سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ بعض مردانہ چہرے بھی ایسے ہوتے ہیں جو ہر ذہن پر اثر انداز ہوں اور انسپکٹر جمال پاشا ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔

وہ جس انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ میری باتوں میں جھوٹ یا سچ تلاش کررہا ہے۔ بہر طور وہ مجھ سے معلومات حاصل کرتا رہا میں نے اسے یہ احساس دلایا کہ یہ ساری باتیں جو ہوئی ہیں میرے لئے اجنبی ہیں۔ اس دوران اے ایس آئی اس کے پاس آیا اور بولا۔

"سر! تمام تصویریں وغیرہ بنالی گئی ہیں۔"

"لاش اٹھوا کرلے جاؤ، دو افراد کی ڈیوٹی یہاں رہے گی اور لائبریری لاک کردی؟"

"جی سر! اسے لاک کردیا گیا ہے۔"

"انسپکٹر ایک بات مجھے بتایئے۔ میں اکثر لائبریری میں جاکر بیٹھتی ہوں، یہ کب تک لاک رہے گی؟"

"نہیں۔ آپ کے مشاغل میں کوئی دخل اندازی نہیں ہوگی۔ لیکن بس دن میں گیارہ بارہ بجے تک ہم اسے کھول دیں گے کچھ ضروری کام دن کی روشنی میں کرنے ہوں گے۔ اس کے بعد بالکل صحیح ہے۔ ہاں لاش اٹھوالی جائے۔" انسپکٹر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اس کے بعد کافی آگئی اور وہ کہنے لگا۔

"مس نشاء! آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے گا ذرا بھی آپ کو کوئی احساس ہو تو آپ مجھے اطلاع کردیجئے گا ہم اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں رہیں گے اور پھر آپ لوگ، بہت بڑے لوگ ہیں۔"

"انسپکٹر! کیا سارے کام بڑے ہی لوگوں کے لئے کئے جاتے ہیں۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ یہی سوال کرنے والی ہوں گی، خیر سوری! میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خصوصی توجہ دیں گے آپ پر، یہاں آپ کی کوٹھی کے گیٹ پر دو آدمیوں کا پہرہ رہے گا۔ باقی اگر آپ کچھ اور بتانا چاہیں تو کل دن کی روشنی میں، آپ مصروف تو نہیں ہوں گی دن میں......؟"

"نہیں مجھے کیا کرنا ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا، انسپکٹر نے کافی پی اور اس کے بعد میرا شکریہ ادا کرکے رخصت ہوگیا۔ پولیس کے دو افراد باہر ڈیوٹی پر تعینات ہوگئے تھے۔ جاتے ہوئے انسپکٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ کل دن کی روشنی تک کے لئے خون کے ان دھبوں وغیرہ کی صفائی نہ کرائی جائے اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ ملازمین سب مستعد تھے، فیض بابا کے چہرے پر بہت سے سوالات نظر آرہے تھے لیکن وہ مجھ سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کرسکے اور میں اپنی خوابگاہ میں پہنچ گئی۔

احمر جنیدی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا۔ ایک انسان کی زندگی چلی گئی، احمر جنیدی خود بھی بہت پراسرار آدمی تھا، اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیسے ہوا، یہ بڑے تعجب کی بات تھی اور وہ خونخوار بلی، اوہ! کیا خوفناک بات تھی۔

وہ بلی روشاق کے پاس دیکھی گئی تھی، ایک عجیب وغریب کردار تھا اس بلی کا بھی اور روشاق وہ تو انسان معلوم ہی نہیں ہوتا تھا اور پھر وہ عورت جو مجھے وہاں اس مکان میں ملی تھی، احمر جنیدی نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کی تھیں مجھ سے اور وہ میرے ساتھ وہ مکان بھی دیکھنا چاہتا تھا لیکن یہ سب کچھ رہ گیا تھا۔ نجانے کیوں مجھے احمر جنیدی کی موت کا تھوڑا سا افسوس بھی تھا، وہ سارے کردار ختم ہوتے جارہے تھے جو مجھے اس سلسلے میں کوئی مدد فراہم کرسکتے تھے۔

گھڑی کی سوئی گھوم پھر کر پھر انسپکٹر جمال پاشا پر آ گئی، کیا حسین شخصیت ہے، گفتگو کرنے کا انداز کتنا دلکش ہے اور ایک دوسرا احساس اسی وقت دل میں پیدا ہوا۔

''کیا اس شخص سے دوستی بڑھائی جاسکتی ہے۔ میں تو اس وقت ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند تھی، کوئی بھی ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑ لے کوئی بات جو میری سمجھ میں آرہی ہو اور پھر جہاں تک پاپا کا کردار ہے، وہ بھی بڑا مشکوک ہوگیا تھا، پتہ نہیں یہ سب کچھ کیا ہے اور آگے چل کر کیا ہوگا۔ لیکن بہرحال میں نے ایک فیصلہ ضرور کرلیا تھا کہ خود جمال پاشا کو اس بارے میں پوری تفصیل کبھی نہیں بتاؤں گی۔''

رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی اور صبح حیرت انگیز طور پر سوتی رہی۔ آیا ندیمہ ہی نے مجھے آ کر جگایا تھا۔

''گیارہ بج چکے ہیں نشاء بی بی، میں آپ کو بالکل نہ جگاتی، لیکن پولیس آفیسر آ گیا ہے، پولیس والے اجازت لے کر یہاں کارروائی کررہے ہیں۔''

''اوہ! میرے کپڑے نکال دو آیا ندیمہ، میں غسل کرکے آتی ہوں۔'' میں نے کہا۔ آیا ندیمہ نے میرے لئے لباس نکالا اور میں واش روم میں چلی گئی، خوب اچھی طرح نہائی، رات کی کسل ابھی تک ذہن پر طاری تھی، آنکھوں میں گلابی ڈورے کھنچے ہوئے تھے۔ بہرحال تھوڑے بہت بال سنوار کر میں ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تو میں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا، جمال پاشا شلوار قمیض میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا، کہیں سے بھی پولیس آفیسر نظر نہیں آتا تھا بلکہ شلوار قمیض میں تو اس کی شخصیت اور بھی نکھر گئی تھی۔ بہت خوبصورت رنگ پہنا ہوا تھا اور بڑا دلکش نظر آرہا تھا۔

''ہیلو نشاء صاحبہ۔'' اس نے کھڑے ہوکر استقبال کیا۔

''ہیلو سر! آپ تو لگ ہی نہیں رہا کہ پولیس والے ہیں۔''

''اصل میں پولیس کی وردی میں بار بار آنا اچھا نہیں لگتا، میں نے سوچا کہ آپ یہ سمجھیں گی پولیس تحقیقات کے لئے آئی ہے، اس وقت پولیس تحقیقات کے لئے نہیں آئی بلکہ میں ذاتی طور پر بھی آپ سے رات کے واقعات کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی، آپ یہ بتایئے ناشتہ کرلیا آپ نے؟''

''صبح ساڑھے سات بجے، میں صبح جلدی اٹھنے کا عادی ہوں، ورزش کرتا ہوں پھر ناشتہ کرتا ہوں۔''

''لگ رہا ہے آپ کے چہرے کی تازگی اور جسامت سے۔''

''اور یقیناً آپ نے ناشتہ نہیں کیا ہوگا، آپ کی آنکھیں بوجھل ہورہی ہیں، لگتا ہے آپ کو نیند بھی نہیں آئی ہوگی۔''

''آ گئی تھی لیکن تقریباً صبح کے وقت آپ خود سوچئے آفیسر، ایسے واقعات کسی کے گھر میں ہوں اور وہ آرام کی نیند سوجائے۔''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔'' جمال پاشا نے اعتراف کیا اور پھر بولا۔ ''یہ تو ذرا سی گڑبڑ ہوگئی اگر میں آپ سے درخواست کروں کہ آپ ناشتہ کرلیں تو۔''

''آپ درخواست نہ کیجئے اس لئے کہ میں صبح کو صرف چائے یا کافی پیتی ہوں۔ ناشتہ نہیں کرتی۔''

''اچھا، ٹھیک ہے پھر چائے یا کافی میں یاد رکھئے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرادی۔ پھر بولا۔

''رات کے واقعات واقعی بڑے عجیب ہیں اور اس سے بھی زیادہ عجیب ایک خبر ہے آپ کے لئے جو آپ کو بہت حیران کردے گی۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''اس شخص کی لاش سرد خانے سے غائب ہوگئی ہے جسے ہم نے یہاں سے اٹھایا تھا۔''

''کیا کوئی لاش چرا کر لے گیا۔''

''جی نہیں۔ لاش نہیں چرا لے گیا، بلکہ لاش خود بخود اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔''

''ازراہ مذاق کہہ رہے ہیں آپ؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''نہیں آپ یقین کریں بڑے دلچسپ اور عجیب وغریب واقعات ہیں۔ ایسے واقعات جن کا میں نے زندگی میں بہت بار تعین کیا تھا اور خواہش کی تھی کہ کبھی مجھے بھی زندگی میں ایسے پراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑے۔''

''اچھا..... مگر کیوں اور ذرا براہ کرم مجھے تفصیل تو بتایئے۔''

''ہسپتال کے سرد خانے میں لاش پہنچا دی گئی تھی۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ آج دن میں اس کا پوسٹ مارٹم پولیس کی نگرانی میں کرایا جائے گا اور اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے گا کہ وہ ہے کون؟ پتہ نہیں کہاں سے تعلق ہے کوئی بات نہیں پتہ چل سکی، حیرانی کی بات ہے عجیب وغریب سی شخصیت تھی تو میں آپ سے عرض کررہا تھا کہ سرد خانے کی نگرانی کی ضرورت نہیں پیش آئی لیکن اس کے باہر دو افراد ڈیوٹی دیتے ہیں اور یہ لوگ خاصے مستعد رہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ کوئی ساڑھے چار یا پانچ بجے کا وقت ہوگا جب اچانک ہی

میک اپ کی اہمیت کیا ہے؟۔

جب میک اپ اچھا ہو تو حسن میں نکھار، دلکشی نظر آتی ہے اور پھر میک اپ کرنے میں ہر خواتین کا اپنا ہنر، سلیقہ اور نفاست بھی ظاہر ہوتا ہے۔

پیاری بہنیں! ایک بیوٹیشن ہونے کے ناطے، میں کہہ سکتی ہوں کہ میک اپ بھی ایک فن ہے۔ ہر کام میں ماہر ہونے کی لئے تربیت اور پریکٹس ضروری ہے اور بغیر کسی ماہر کے سہارے کے کسی بھی کام میں ماہر ہونا مشکل ہے اور میک اپ کے فن میں ماہر ہونے کے لئے پیاری بہنوں کے لئے یہ کتاب بڑی تگ ودو اور محنت شاقہ سے تیار کی گئی ہے۔ بڑی حد تک یہ کتاب خواتین کے لئے میک اپ میں معاون ومددگار ثابت ہوگی اس کتاب میں میک اپ کے علاوہ جلد کی حفاظت ہاتھ پیروں کی حفاظت، بناؤ سنگھار، اور جدید دور کی میک اپ کی اشیاء کے متعلق بھی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ صحت مند رہنے کے راز بھی اس کتاب میں درج ہیں۔

صابری دارلکتب

قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرد خانے کا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا، چونکہ یہی دونوں دروازہ کھولتے ہیں اور بند کرتے ہیں یہ حیرانی سے دروازہ کھولنے والے کو دیکھتے رہے۔ تب انہوں نے رات کو لائی جانے والی لاش کو دیکھا جس نے اپنی گردن پر ایک پٹی باندھ رکھی تھی اور اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے سامنے سے گزرا اور باہر نکل گیا۔ وہ اس قدر دنگ رہ گئے تھے کہ انہوں نے اس کا تعاقب بھی نہیں کیا اور پھر پتہ بھی نہیں چل سکا کہ کیا ہوا.....؟"

میں صحیح معنوں میں دنگ رہ گئی تھی، کیا احمر جنیدی زندہ تھا، میں نے اس کی تصدیق جمال پاشا ہی سے کی۔

"لیکن پاشا صاحب آپ نے اسے لاش کیوں کہا، کیا آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔"

"ہاں نشاء جی! ہم نے بھی وہیں دیکھ لیا تھا اور ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں ہے اور اس کے بعد جب اس کی لاش وہاں چلی گئی تو ڈاکٹر نے پہلے معائنہ کرنے کے بعد ہمیں سرٹیفکیٹ دیدیا کہ وہ مر چکا ہے۔"

"پھر یہ کیا ہوا؟"

"جو کچھ بھی ہوا انتہائی دلکش اور دلچسپ ہے کمال کی بات ہے، ایسا کیسے ہو گیا ویسے ایک بات بتایئے آپ، آپ کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ آپ کی لائبریری میں کوئی ایسا جانور گھس گیا ہو جس نے اسے چیر پھاڑ دیا ہو۔"

"نہیں مجھے اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔"

"آپ چائے پی لیں اس کے بعد ہم لائبریری کا جائزہ لیں گے۔" انسپکٹر جمال پاشا نے کہا۔

وہ جو کچھ بھی باتیں کر رہا تھا، وہ اپنی جگہ تھیں، لیکن مجھے واقعی بڑی حیرت ہوئی تھی اور یہ سوچ کر تھوڑا سا عجیب سا احساس بھی ہوا تھا کہ احمر جنیدی زندہ ہے اور اگر احمر جنیدی زندہ ہے تو وہ دوبارہ مجھ سے ملاقات ضرور کرے گا، لیکن وہ زندہ کیسے بچ گیا؟ جو حالت بلی نے اس کی کر دی تھی اس سے تو ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ زندہ بچ جائے گا، لیکن بہر حال تمام کے تمام واقعات ہی پراسرار تھے۔

چائے آ گئی جمال پاشا نے میرے ساتھ چائے اور پھر ایک دو بسکٹ لئے اور پھر بولا۔

"تو پھر لائبریری چلیں؟"

"جی آیئے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں اور وہ لائبریری کی جانب چل پڑے۔ لائبریری کے دروازے پر ایک پولیس والا تعینات تھا۔

پاشا کو دیکھ کر پولیس کانسٹیبل نے سیلوٹ کیا۔ پاشا نے آگے بڑھ کر لائبریری کے دروازے کی سیل توڑی، پھر دروازہ کھول کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ..... آیئے۔" میں نے کہا۔

"آپ کی اجازت ہے؟" پاشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ..... آیئے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک عجیب احساس ہو رہا تھا۔ پاشا پولیس آفیسر تھا اور صرف اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ لیکن اس کی موجودگی میں ایک سرشاری کا سا احساس ہو رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ اور کسی ساتھی کی قربت کی خواہش ہو۔ پاشا لائبریری میں آ کر دنگ رہ گیا۔

"مائی گاڈ....." اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں.....؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ یقین کریں مس نشاء، کتاب میری بڑی کمزوری ہے۔ میرے لئے تو یہ بہت ہی بڑا خزانہ ہے۔ اسے قریب سے دیکھ سکتا ہوں۔

"کیوں نہیں....." ویسے مجھے تعجب ہوا۔

"کس بات پر.....؟"

"آپ پولیس آفیسر ہیں..... اور دلچسپی کتاب میں۔"

"اوہ! اس دردناک داستان کو نہ چھیڑیے۔ آنسو نکل آئیں گے۔" پاشا نے مسخرے انداز میں کہا۔

کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اب وہ بلیوں کی طرح کتابوں کو جھانکتا پھر رہا تھا۔

"پاشا صاحب....." میں نے اسے پکارا۔

"خدا کی قسم۔ میرے خواب میں محل تھا۔

"کیا.....!"

"یہ کہ مصر، شہر میں آباد ہے۔"

"اچھی کہی آپ نے، مصر آپ کے شہر میں آباد ہے۔"

وہ پوری لائبریری کو کھنگال رہا تھا۔ اپنی آمد کے اصل مقصد کو وہ بھول گیا تھا۔ لگتا تھا جیسے اسے مصریات سے کافی دلچسپی تھی۔ پھر وہ اس وقت چونکا جب میں اس کے قریب آئی۔ اس نے چونک کر دیکھا اور بولا۔

"ہیلو..... ہاں..... اوہ ہاں۔ میں مصروف ہوں کوئی خاص بات ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں۔ کوئی وقت نہیں بتا سکتا۔ اوکے! اس نے سیل بند کیا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آپ میری وجہ سے پریشان تو نہیں ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"زیادہ دیر تک رکنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ..... ویسے آپ کو مصریات سے کافی دلچسپی معلوم ہوتی ہے؟"

"مصر میری روح میں رچا بسا ہوا ہے۔ میں تین بار وہاں جا چکا ہوں اور یقین کریں کہ وہاں سے واپسی کو دل نہیں چاہتا۔"

"ارے! کمال ہے۔"

"اس لائبریری کو دیکھ کر میری روح سرشار ہو گئی ہے۔ ہارون دانش ایک مشہور شخصیت ہیں۔ لیکن وہ اتنے بڑے آدمی ہوں گے مجھے نہیں معلوم تھا۔ ورنہ میں ان سے پہلے ہی مل لیا ہوتا۔ ویسے کیا وہ.....؟"

"آپ کے پاس کتنا وقت ہے؟" میں نے کہا۔

"جی.....!"

"میں آپ کو بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ ویسے بھی آپ قانون کے محافظ ہیں۔"

"میرے پاس بہت وقت ہے۔" وہ بولا۔

"یہیں بیٹھیں گے....."

"اگر کوئی حرج نہ ہو....."

"ٹھیک ہے....."

"اب کچھ نہیں پلیز!....."

"اوکے۔ آپ کو شاید یہ بات نہیں معلوم کہ پاپا گم ہو گئے ہیں اور میں ان کے لئے سخت پریشان ہوں۔" میں نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"گم ہو گئے ہیں؟"

"جی.....!"

"کب..... کہاں..... کیسے.....؟ اس نے حیرانی سے کہا۔

"میں آپ کو وہی بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتایئے پلیز!..... میں تو بہت جذباتی ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر میں نے جیسے خواب کے عالم میں اسے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں کہانی کا آغاز کیا تھا لیکن پھر یوں لگا جیسے میری زبان، میرے دماغ پر کسی نے قبضہ کر لیا ہو۔ اور میں کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر آ گئی ہوں۔"

میں نے اسے بتایا۔

"میری زندگی عجیب ہے پاشا صاحب..... پاپا کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ ایک مانے ہوئے آرکیالوجسٹ ہیں۔ میری ماں کا انتقال اس وقت ہوا جب میں کوئی آٹھ سال کی تھی۔

میں نے اپنی بعد کی زندگی، پاپا کے ساتھ تیونس جانے کی کہانی، وہاں پاپا کی گمشدگی، اپنی واپسی اور پھر یہاں پیش آنے والے تمام واقعات بتائے۔ لیکن میری زبان سے یہ نہیں نکلا کہ سفید تابوت میں لیٹی ہوئی لڑکی میں ہی تھی۔ یا میں نے عالم بے ہوشی میں خود کو کن حالات میں پایا تھا۔

پاشا جیسے پتھر ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیر تک یونہی آنکھیں پھاڑے بیٹھا رہا..... تب میں نے اسے ٹوکا۔

"پاشا صاحب....."

"ایں....." وہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا.....؟"

"کچھ نہیں....." وہ مضمحل لہجے میں بولا۔

"آپ عجیب سے ہو گئے۔"

"کیا یہ کہانی ایسی ہے کہ انسان اپنے ہوش وحواس قائم رکھ سکے؟"

"یہ میری کہانی ہے....." میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں....."

"اور میں ہوش وحواس میں ہوں۔"

"آپ کی بات اور ہے۔"

"کیوں....."

"آپ خود زمانہ قدیم کی کوئی روح ہیں۔ یہ بات اس نے ازراہ مذاق کہی تھی، لیکن میرے دل کو ایک دھکا سا لگا تھا، اس نے کہا، یہ سب کچھ تو بہت عجیب سا ہو گیا۔"

"کیسے.....؟"

"بڑی پراسرار کہانی بن جاتی ہے اور ہمارے سامنے کئی انوکھے دور سامنے آجاتے ہیں۔ اور پھر یہ رات کے پراسرار واقعات کے ساتھ اور پراسرار ہو جاتا ہے۔ قابل تحقیق آپ اجازت دیں تو میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے یہ پورے واقعات نوٹ کرلوں۔"

"آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں بخوشی کریں، ظاہر ہے آپ رات کے لئے خوفناک واقعات کی تحقیقات بھی تو کر رہے ہیں۔" میں نے کہا اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"کوئی کاغذ یا قلم مل سکتا ہے.....؟"

"یہاں اس کی کیا کمی ہے۔" میں نے کہا اور پاپا کا ایک لیٹر پیڈ اور ایک خوبصورت بال پوائنٹ نکال کر اسے دے دیا۔ وہ لیٹر پیڈ پر لکھی ہوئی تحریر پڑھنے لگا، پھر پرعقیدت انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"بڑی شخصیت تھی، کاش میں پہلے ان سے مل لیا ہوتا۔"

"کیوں..... میں یہ سوال اس لئے کر رہی ہوں کہ آپ دو بار اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ آپ کو مصریات سے دلچسپی ہے۔"

"بتاؤں گا تفصیل سے پہلے اپنے ذہن میں آپ کی سنائی ہوئی کہانی سے منسلک اہم پوائنٹس نوٹ کرلوں، نمبر دن، میرے اپنے خیال میں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ خاتون آپ کی والدہ نہیں تھیں جنہیں آپ آٹھ سال تک اپنی ماں سمجھتی رہیں۔"

اس نے کاغذ پر کچھ نوٹ کیا اور میں حیرانی سے اس کی شکل دیکھتی رہی، پھر میں نے کہا۔

"یہ بات آپ کو زیادہ اہم محسوس ہوئی۔"

"بہت اہم ہے، بڑی انوکھی حیثیت کی حامل، خیر..... نمبر دو یہ کہ آپ اپنے پاپا کے ساتھ کارچوک کی پہاڑیوں پر آشوانی تہذیب کے بارے میں تحقیقات کے لئے گئیں اور وہاں انتہائی پراسرار اور انوکھے واقعات پیش آئے۔ مصر کے ایک امیر الحسنات اور مائیکل جون جن کا تعلق لندن سے تھا آپ کے ساتھ تھے اور تیسری شخصیت مسٹر روشاق کی تھی جن کا کردار اس پوری کہانی میں سب سے زیادہ پراسرار ہے اور یہ نہیں پتہ چل سکا صحیح طور پر کہ خود مسٹر روشاق کا تعلق کہاں سے تھا۔"

"جی....." میں نے ایک پولیس والے کی چھان بین سے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"مائیکل جون اور امیر الحسنات کے ایڈریس وغیرہ، میرا مطلب ہے کوئی ایسی چیز جس سے یہ پتہ چل سکے کہ لندن میں ان کا قیام کہاں تھا اور امیر الحسنات مصر میں کہاں رہتے تھے۔"

"شاید پاپا کے کاغذات سے ان باتوں کا پتہ چل جائے کیونکہ ان کے درمیان کافی عرصے تک خط وکتابت رہی ہے۔"

"کاش! آپ مجھے اس لائبریری میں ان تینوں حضرات کے پتے تلاش کرنے کی اجازت دے دیں۔"

"آپ ایک پولیس آفیسر ہیں جناب اور یہاں برائے تحقیقات آئے ہیں۔ آپ پورے گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"آپ کس قدر مہربان خاتون ہیں۔ م..... میرا مطلب ہے صاحبزادی ہیں، کیا میں نے صحیح الفاظ استعمال کئے۔" وہ گڑبڑا کر بولا اور میں ہنس پڑی۔

"جی..... جی..... جی....."

"اچھا..... تو آپ کی اجازت سے میں ابھی کچھ دیر کے بعد ان لوگوں کے پتے تلاش کروں گا۔ اس کے بعد رہ جاتی ہیں وہ خاتون جنہوں نے آپ کی تلاش میں دو افراد کو یہاں بھیجا تھا اور ان میں سے ایک کو آپ کے آدمی نے زخمی کر دیا تھا اور دوسرا اس کا زخمی بدن اٹھا کر بھاگ گیا تھا اور آپ نے جو جگہ بتائی ہے وہ نیولائن کی ایک کوٹھی ہے۔" اس نے پرخیال انداز میں کہا اور یہ پوائنٹس بھی نوٹ کرنے لگا، پھر اس نے اٹھ کر ان چیزوں کی تلاشی لینا شروع کر دی، جہاں سے پاپا کے خط وکتابت کا پتہ چل سکتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ خوشی سے چیخا۔

"آہا..... مجھے یہ دونوں پتے مل گئے۔ ویری گڈ..... ویری گڈ..... ویری گڈ..... یہ پتے ایک کاغذ پر لکھے ہوئے تھے اور یہ تحریر پاپا ہی کے ہاتھ کی تھی، میں نے اس سے کہا۔

"آپ ان پتوں کو میرے پاس بھی کہیں نوٹ کر دیں۔"

"میں انہیں اپنے پاس نوٹ کر لیتا ہوں، اصل کاغذ آپ ہی کے پاس رہے گا۔" اس نے کہا اور وہ پتے نوٹ کرنے لگا، پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"بہت وقت لے لیا میں نے آپ کا، بڑی گستاخی کی ہے، لیکن انتہائی حیرت ناک بات ہے، میں سمجھ نہیں سکتا کہ میں اس وقت ذہنی طور پر اپنے آپ کو کیا محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا، لیکن اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا پھر بولا۔

"تو پھر اجازت؟"

"ارے واہ ایسے ہی اجازت، یہاں تو آپ نے سب کچھ معلوم کر لیا اور آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنے بارے میں بھی بتائیں گے، کیونکہ آپ نے مصریات سے جس قدر دلچسپی کا اظہار کیا ہے وہ میرے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہے۔" وہ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا اس خیال کے تحت کہ شاید آپ مجھے روک لیں۔"

میں اس کے ان الفاظ پر ہنس پڑی تھی پھر میں نے کہا۔ "میں ملازموں کو ہدایت دے دیتی ہوں، آپ اپنی پسند کی ڈش بتائیے، آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔"

"بھئی دیکھئے ہم پولیس والے جو ہیں نا، میرا مطلب ہے کہ ہم کھانے پینے کے تو بہت شوقین ہوتے ہیں، آپ اپنی پسند سے جو کچھ بھی کھلا دیں گی خوشی سے کھالیں گے۔"

مجھے پھر ہنسی آ گئی، بڑا دلچسپ آدمی تھا، دلچسپ بھی اور دلکش بھی، میں نے بہرطور آیا ندیمہ کو بلایا اور اسے خصوصی طور پر کھانے کی ہدایت کی کہ ایک مہمان بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے۔ ندیمہ خاموش ہو کر گردن ہلا کر باہر نکل گئی تھی۔

"تو پھر آیئے اس بوجھل ماحول سے باہر نکلیں۔" میں نے اسے پیشکش کی۔

"جیسا آپ کا حکم۔" وہ بولا اور میں اسے لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ لائبریری کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا اور اسے لاک کر دیا گیا تھا، ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے خوشگوار حیرت سے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔

"بہت خوبصورت ڈرائنگ روم ہے، آپ نے اسے بھی مصر کا نمونہ بنا کر رکھا ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میں نے کہا تا پاپا کو مصریات سے بہت دلچسپی تھی۔''

''خدا کی قسم! مصر اب بھی ایک انوکھی جگہ ہے، دنیا بہت جدید ہوگئی، خود مصر بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے لیکن اس نے اپنی پراسرار روایات کو اسی طرح قائم رکھا ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ فرعون کی ارواح نے مصر میں بہت بڑی تبدیلیاں نہیں پیدا ہونے دیں۔ کم از کم میں یہی محسوس کرتا ہوں۔''

میں نے پھر کوئی جواب نہیں دیا، جب مصر کے بارے میں ایسی کوئی پراسرار بات آتی تھی تو میرے ذہن سے کچھ عجیب سی لہریں گزر جاتی تھیں پتہ نہیں کیوں۔

''اور اب مجھ پر واجب ہے کہ میں آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں، تو آپ یہ تو جان چکی ہیں کہ میرا نام جمال پاشا ہے، میرے والد صاحب کا نام سید کمال پاشا ہے۔ شاید آپ نے یہ نام سنا ہو، محکمہ پولیس میں ایڈیشنل ڈی آئی جی ہیں اور شہر کے سب سے خطرناک پولیس والے مانے جاتے ہیں، جن کے پاس کسی جرائم پیشہ شخص کے لئے معافی نہیں ہے اور کسی بے گناہ کو کبھی مشکل میں گرفتار نہیں ہونے دیتے، آپ یقین کرو انہوں نے اپنا ایک ذاتی سیل قائم کر رکھا ہے جو تین افراد پر مشتمل ہے، ان تین افراد کو وہ اپنی جیب سے تنخواہ ادا کرتے ہیں اور ان کی ذمے داری یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذرا بھی کہیں مشکوک حالت میں پھنسا ہے تو اس کے بارے میں وہ مکمل تحقیقات کر کے یہ بتائیں کہ وہ مجرم ہے یا نہیں، اور اس طرح سے انہوں نے کافی افراد کو مشکلات سے نکالا ہے یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اولاد کے سلسلے میں بہت سخت ہیں ہم تین بھائی اور دو بہنیں ہیں اور سب سے زیادہ زیر عتاب میں ہی رہتا ہوں، میں دراصل ابتداء ہی سے مختلف مزاج کا حامل رہا ہوں اور اب یہ بات کرنے میں مجھے عار نہیں ہے کہ مصریات میرے لئے بہت عجیب و غریب کیفیت رکھتی ہیں، مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں وہیں کے کسی اہرام سے تعلق رکھتا ہوں خیر تو مطلب کہنے کا یہ تھا کہ اس طرح زندگی گزاری اور سب سے زیادہ والد صاحب کے زیر عتاب رہا، بڑی بڑی مشکلات سے گزرنا پڑا مجھے، کئی بار گھر سے نکالا جا چکا ہوں، ایک مرتبہ نکالا گیا تو سیدھا مصر جا پہنچا اور وہاں کافی وقت گزارا اپنے شوق کی تکمیل کی لیکن پھر وہاں کے ایک بہت بڑے پولیس آفیسر نے مجھے دریافت کرلیا اور بڑی عزت و آبرو کے ساتھ مجھے وطن واپس پہنچا دیا گیا۔ یہاں آ کر میں نے کافی توبہ تلہ کی اور ایک بار پھر مجھے گھر میں جگہ مل گئی۔

لیکن جناب والد صاحب کی خواہش تھی کہ جس طرح میرے دوسرے بڑے بھائیوں کو محکمہ پولیس میں اعلیٰ ترین اعزازات مل چکے ہیں مجھے بھی محکمہ پولیس ہی میں کوئی اعلیٰ جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ خیر! دوسری بار پھر ایسا ہی ایک حادثہ ہوا میرے ساتھ اور وہ حادثہ مجھے پھر دوسری بار مصر لے گیا۔ چنانچہ جو کمی رہ گئی تھی وہ میں نے پوری کی اور تیسری بار بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہوا، لیکن پھر والدہ صاحبہ نے خصوصی طور پر مجھ سے رو رو کر کہا کہ وہ میرا دودھ نہیں بخشیں گی اگر میں نے ابا جان کے حکم سے انحراف کیا۔

چنانچہ آج کل اس دودھ کے چکر میں یہ پولیس آفیسری کر رہا ہوں۔ لیکن آپ یقین کریں کہ چوتھی بار بھی مجھے بھاگنا ہے اور لازمی طور پر بھاگنا ہے، ارے واہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی اس بار تو بھاگنے کے لئے اتنا خوبصورت موقع ملا ہے کہ واہ واہ۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ بڑا دلچسپ انداز بیان تھا اس کا۔

''میرا مطلب ہے کہ اب دیکھیں نا یہ واقعات پیش آ گئے ہیں، میں اب کس طرح اطمینان سے بیٹھ سکتا ہوں۔ بہت سے کام ہیں میرے، مثلاً یہ کہ اب میں خاتون کو تلاش کروں جو نیو لائن کی کوٹھی میں آپ سے ملی تھیں۔'' اس نے کہا اور میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

(جاری ہے)

خواب سراب

انور فرہاد

اچانک کمرے میں ایک دلدوز اور فلک شگاف دل کو دہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔ چیخ ایسی تھی کہ جیسے سارے گھر میں بھونچال آگیا، لوگوں کی نیندیں اچاٹ ہوگئیں مگر پھر ایسا ہوا کہ......

خود غرضی اور مطلب پرستی کی پگڈنڈیوں پر اچھلتی کودتی ایک دلفریب اور سبق آموز تحریر

''بچاؤ......بچاؤ......'' کا اچانک شور اٹھا تھا۔ کہ اس کے ساتھ ہی گھر کے تمام لوگ شازیہ کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ شازیہ کے کمرے میں پہنچنے والوں نے دیکھا وہ اپنے بستر پر بیٹھی ہے اور بری طرح ہانپ رہی ہے۔ اس کی ماں اس کے قریب پہنچ کر پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا......کیا ہوا......؟ کس سے بچانے کی دہائی دے رہی ہو......؟''

''ہاں بیٹا! کون آ گیا تھا یہاں؟'' اس کے والد نے بیوی کی بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی چور......ڈاکو تھا......یا پھر......''

شازیہ کے بجائے اس کے بھائی نے جواب دیا۔ ''بابا! اس وقت یہاں چور ڈاکو کیسے آئیں گے؟ یہ تو شاید سو رہی تھی...... غالباً اس نے کوئی ڈراؤنا خواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا ہے۔"

حقیقتاً وہ سو ہی رہی تھی، اس لئے شاہد کی بات تقریباً قیاس تھی۔ ابھی تک اس نے کوئی بات نہیں کی تھی، کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "یہ وہ سوتے ہوئے سے اٹھ تو گئی ہے لیکن ابھی تک غالباً بیدار نہیں ہوئی ہے۔" شاہد نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ اس پر زہرہ بیگم نے اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

"شازیہ بیٹا! جاگو..... اپنے اعصاب کو درست کرو....."

اس کے والد شاہد نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لو..... دو چار گھونٹ پانی پی لو۔ شاید طبیعت سنبھل جائے۔" مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ بدستور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کی طرف یک ٹک دیکھتی رہی۔ اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر ان کے بیٹے شاہد نے ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی کے چھینٹے شازیہ کے منہ پر مارے..... اب وہ چونکی تھی اور ہونقوں کی طرح بھائی کو گھورنے لگی تھی۔ شاہد نے مزید چھینٹے مارے اور اس کے ساتھ کہا۔

"شازیہ جاگو..... نیند سے جاگو....."

شازیہ نے پہلے پلکیں پٹ پٹائیں پھر بولی۔

"کیا میں سو رہی ہوں؟"

"ہاں تم سو رہی ہو۔"

اب اس نے بھائی سے پانی کا گلاس مانگا۔ شاہد نے گلاس میں نئے سرے سے پانی انڈیل کر اسے دیا..... جو وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گئی۔ پانی پی کر اسے یقیناً سکون ملا ہوگا۔ اس کے اعصاب بحال ہوئے ہوں گے۔ گلاس رکھتے ہوئے اس نے گھر کے سارے لوگوں کو گھور کر دیکھا۔ پھر حیرانگی سے بولی۔

"آپ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟"

"ارے بھئی تم خوفزدہ انداز میں چلا رہی تھیں..... بچاؤ بچاؤ۔"

"اچھا.....!"

"کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا تم نے؟"

"پتہ نہیں..... مجھے تو کچھ یاد نہیں....."

اس روز کے بعد سے تو جیسے یہ سلسلہ چل نکلا۔ اکثر سوتے سوتے وہ چیخ چلا کر اٹھ بیٹھتی۔ کچھ دیر تک حواس باختہ بیٹھی ہانپتی رہتی۔ پھر گھر والوں کی کوشش سے آہستہ آہستہ اس کے اعصاب بحال ہوتے تو لوگوں کے پوچھنے پر بتاتی۔ "مجھے تو کچھ پتا نہیں، میں کب چلائی، کیوں چلائی.....؟"

گھر والے حیران تھے، پریشان تھے کہ آخر یہ کیا چکر ہے؟ فیصلہ یہ ہوا کہ اسے اکیلا سونے نہ دیا جائے کوئی بہن اس کے ساتھ سوئے۔ مگر بہنیں اس سے چھوٹی تھیں، کمسن تھیں۔ انہوں نے ڈر کے مارے انکار کر دیا کہ ان کے ساتھ سونے سے کہیں یہ بیماری انہیں نہ لگ جائے۔ تب دادی اماں نے کہا۔

"چلو، میں ہی سوتی ہوں اس کے ساتھ۔"

اور دادی اماں اس کے ساتھ سونے لگیں۔ دادی اماں کی نیند پہلے ہی اچاٹ تھی۔ وہ سوتی کم اور جاگتی زیادہ تھیں۔ بستر پر جانے کے بعد وہ دیر تک دعا ورد، تسبیحات پڑھتی رہتی تھیں۔ اب یہ ہوا کہ وہ پڑھ پڑھ کر شازیہ کو پھونکتی بھی جاتی تھیں۔ دادی اماں کے پڑھنے کا عمل ختم ہوتا تو وہ لیٹ جاتی تھیں۔ کچھ دیر تک کروٹیں بدلتی رہتیں۔ تھوڑی دیر کے لئے آنکھ جھپک جاتی، پھر جاگ جاتیں۔ اور لیٹے لیٹے جو کچھ یاد آتا پڑھنا شروع کر دیتیں۔ اس دوران پھر آنکھ جھپک جاتی۔ رات کے پچھلے پہر آنکھ کھلتی تو وضو کر کے تہجد پڑھنا شروع کر دیتیں۔ ہر پڑھائی کے بعد شازیہ پر پھونک ضرور مارتیں۔ شازیہ کے ساتھ ان کے سونے کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ہفتے تک شازیہ نہ نیند میں ڈری نہ ہی چیخ چلا کر اٹھ بیٹھی۔ تمام گھر والوں نے اس کا کریڈٹ دادی اماں اور ان کی پھونکوں کو دیا۔ جب کہ دادی اماں نے فکر انگیز انداز میں کہا۔ "میرا اندازہ درست نکلا....."

"کیسا اندازہ امی جان.....؟" ان کی بہو نے پوچھا۔

"یہ اندازہ کہ اس لڑکی پر کسی کا سایہ ہے۔"

"کس کا سایہ امی جان؟" شازیہ کی ماں نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

"اوہو! تم ایسی نادانی کی بات کرو گی۔ سایہ کسی بندے بشر کا نہیں ہوتا۔ کسی جن، بھوت، چڑیل کا ہوتا ہے۔"

"یا میرے اللہ! اب کیا ہوگا.....؟" زہرہ بیگم ایک دم دہل گئی تھیں۔

"ہوگا کیا..... میری جھاڑ پھونک سے اگر نہیں بھاگا تو کسی پیر فقیر کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔"

زہرہ بیگم نے پہلی ہی فرصت میں یہ اطلاع اپنے شوہر کو پہنچائی۔ "اجی سنتے ہو.....؟"

"تمہارا کیا خیال ہے میں سنتا نہیں ہوں بہرہ ہو گیا ہوں؟"

"اوہو! میرا یہ مطلب کب ہے۔" کہتے ہوئے انہیں ان کی امی جان کے خیالات سے مطلع کر دیا۔

"ارے نہیں بھئی! نہ کوئی جن ہے نہ بھوت۔ اس کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"کوئی ذہنی الجھاؤ..... کوئی نفسیاتی مسئلہ.....؟"

"مگر امی جان کی جھاڑ پھونک کی برکت سے تو اب تک فائدہ ہی ہوا ہے۔"

"اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ کا کلام ہر مرض کی دوا ہے۔"

"اسی لئے تو امی جان کہتی ہیں کہ اگر میری جھاڑ پھونک سے یہ سایہ نہیں بھاگا تو کسی پیر فقیر سے رجوع کرنا پڑے گا۔"

"پیر فقیر سے نہیں بلکہ کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔"

زہرہ بیگم چپ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے یہ سوچ کر بحث نہیں کی کہ مرد دوسروں کی کب سنتے ہیں۔ اور سنانے والی اگر عورت ہو تو اس کی بات کو اس کے خیال کو فرسودہ سمجھ کر رد کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔

زہرہ بیگم کے ساتھ، دادی اماں کی خوش فہمیاں بھی دسویں رات غائب ہو چکی تھیں۔ جب اچانک شازیہ نے "بچاؤ، بچاؤ" چلانا شروع کر دیا تھا۔ گھر کے تمام لوگ شازیہ کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ کمرے میں پہنچنے والوں نے دیکھا کہ شازیہ مسہری پر بیٹھی خوفزدہ انداز میں "بچاؤ، بچاؤ" چیخ رہی ہے اور دادی اماں مسہری کے نیچے فرش پر لمبی تمبی لیٹی چلا رہی ہیں۔ "اٹھاؤ اٹھاؤ..... ارے تم لوگ منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے اٹھاؤ۔"

سب شازیہ کو بھول کر دادی اماں کی طرف لپکے۔ انہیں فرش سے اٹھا کر مسہری پر بیٹھایا۔ اور ان سے پوچھنے لگے۔ "آپ فرش پر کیسے جا گریں؟"

"مجھے کیا پتہ؟ میری آنکھ تو ذرا دیر کے لئے جھپکی تھی۔ نیچے فرش پر دھپ سے گری تو آنکھ کھل گئی۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر سہلاتے ہوئے بولیں۔ موا بڑا منہ زور ہے۔ غصے میں آ کر مجھے بستر سے نیچے پھینک دیا۔"

"دادی اماں! آپ کس موئے کی بات کر رہی ہیں.....؟ کیا آپ نے پھینکنے والے کو دیکھا تھا.....؟" شاہد نے ان سے پوچھا۔

"ارے بیٹا! دیکھوں کی کیسے؟ میں نے کہا نا۔ میں تو سو رہی تھی۔ رہی بات اس موئے کی..... تو یہ وہی آسیب ہو سکتا ہے جو اس پر سوار ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ کوئی جن یا بھوت؟"

"ہاں اور کون ہو سکتا ہے؟"

"وہ کچھ کہنے والا تھا کہ اس کے باپ نے آنکھوں کے اشارے سے اسے بحث کرنے سے روکا۔ لہٰذا اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

اگلے روز باپ بیٹا شازیہ کو لے کر ایک ماہر نفسیات کے پاس پہنچے۔ ساری کیفیت سے آگاہ کیا اور کہا۔ "ذرا معلوم تو کیجئے کہ کہیں یہ کوئی نفسیاتی کیس تو نہیں۔"

ڈاکٹر نے خاصی دیر تک شازیہ سے باتیں کیں۔ بہت سوال کئے۔ باپ بیٹوں کے سامنے بھی اور تنہائی میں بھی۔ اور آخر کار شاہد سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے تو کوئی نفسیاتی مسئلہ نظر نہیں آتا۔ صاحبزادی بالکل نارمل حالت میں ہیں۔"

مگر ماہر نفسیات کی بات سے باپ بیٹے مطمئن نہیں ہوئے۔ لہٰذا تھوڑے تھوڑے وقفے سے دوسرے پھر تیسرے پھر چوتھے، غرض کہ کئی ماہرین کو دکھایا۔ سب نے ایک ہی بات کہی۔

"صاحبزادی کسی نفسیاتی یا ذہنی مسئلے کا شکار نہیں۔ ہر طرح نارمل ہیں۔"

"پھر آخر یہ کیا قصہ ہے کہ وہ سوتے میں اس طرح ڈر کر جاگ پڑتی ہے۔ اور خوفزدہ آواز میں چیخنے لگتی ہے۔ "بچاؤ، بچاؤ" اس ڈر، خوف اور چیخ وپکار کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟"

"وجہ تک پہنچنے کے لئے کوئی نکتہ..... کوئی سرا کسی طرف سے بھی نہیں تھا۔ بچی بیدار ہونے کے بعد خود حیران و پریشان ہوتی ہے کہ آخر وہ کس بات پر ڈری؟ کیوں چیخی چلائی؟ خواب کیسے بھی کیوں نہ ہوں، اس کی کوئی جھلک، کوئی عکس جاگنے کے بعد بھی یاد آجاتا ہے۔ مگر اس کو تو کچھ بھی یاد نہیں ہوتا۔ اگرچہ ڈراؤنا خواب تو خصوصی طور پر یاد رہ جاتا ہے۔"

"پھر ہم کیا کریں؟"

"ہمارے خیال میں تو اب اسے ہپناٹائز کر کے ہی اس کے ذہن کے تاریک گوشوں تک پہنچا جاسکتا ہے۔"

مرتا کیا نہ کرتا۔ باپ بیٹوں نے مسمریزم کرنے والے کو ڈھونڈ نکالا۔ اس نے شازیہ کو ہپناٹائز کر کے اس کے ماضی، بچپن و لڑکپن تک جھانکا۔ مگر جب کوئی اتہ پتہ نہ چلا تو اس جنم سے پہلے اور اس سے بھی پچھلے جنم میں جھانک کر دیکھا لیا۔ مگر کوئی بھی ایسی بات نظر نہیں آئی جس میں کسی ڈر کسی خوف یا دہشت کی بنیاد نظر نہ آئی۔ لہٰذا اس نے بھی متاثرہ لڑکی کے حال اور ماضی کو ڈر یا خوف کے حوالے سے بے داغ قرار دے دیا۔

اس تمام تگ ودو کے دوران دادی اماں کی جھاڑ پھونک جاری رہی اور شازیہ کے ڈر کر بیدار ہونے اور چیخ دھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسری طرف زہرہ بیگم بھی مناسب موقع محل دیکھ کر شوہر کے موڈ مزاج کو بدلنے کے لئے کچھ صلاح ومشورہ دیتی رہیں۔ جس کا بنیادیہ تھا کہ اب کچھ دعا تعویذ کروا کر بھی دیکھ لیا جائے۔ جب تک شاہد اپنے جدید رجحان پر قائم رہے اور اپنی سی کوشش کرتے رہے۔ ان کا جواب یہی ہوتا۔

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے مگر تم لوگوں کی سوچ اور فکر ابھی تک وہیں ہے جہاں تمہارے جاہل اور ناخواندہ بزرگوں کی تھی۔" "ارے بھئی! اس دور میں کوئی جن بھوت ہم انسانوں کے درمیان آنے کی جرات کیسے کرے گا کہ آج کا انسان جنوں بھوتوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔"

لیکن جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوگئے تو ایک دن ایسے ہی موقع پر بولے۔ "تمہاری اور امی جان کی ضد اگر یہی ہے تو دعا تعویذ کر کے بھی دیکھ لو۔"

زہرہ بیگم نے اس برف کے پگھلنے کی خوش خبری شازیہ کی دادی اماں کو بھی سنائی۔ انہوں نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر بولیں۔ "مجھے پتہ تھا، اس کی نفسیاتی الجھن منہ کے بل دھڑام سے گر پڑیں گی۔ ارے بھئی! لڑکی صحیح الدماغ ہے۔ کوئی ذہنی مریضہ ہے نہ ہی نفسیاتی بیماری۔ اس کی ہر بات، ہماری تمہاری جیسی ہے۔ خواہ مخواہ اتنا پیسہ اور وقت ڈاکٹروں اور ماہرین پر ضائع کیا۔"

"چھوڑیئے امی جان! اس بحث کو اور یہ بتایئے اب آپ کیا کریں گی؟ کس کے پاس جائیں گی؟"

"پہلے اپنے پیر صاحب سے مشورہ کروں گی اور پھر وہ جیسا کہیں گے اس پر عمل کروں گی۔"

"تو کیا وہ خود دعا تعویذ نہیں کرتے؟"

"نہیں، وہ صرف رشد وہدایت کی باتیں بتاتے ہیں۔ نماز روزوں کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کی برائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمیشہ نیک اور اچھا عمل کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔"

"پھر وہ کیسے پیر ہیں کہ مرشدوں کے دکھ درد کا کوئی مداوا نہیں کرتے؟"

"اصل اور سچے پیر ہیں جو پیری مریدی کا لبادہ اوڑھ کر کھانے کمانے کا دھندہ نہیں کرتے۔ جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے بندگان خدا کو نیکی کا راستہ بتاتے ہیں۔"

زہرہ بیگم نے زیادہ بحث نہیں کی یہ سوچ کر خاموش ہوگئیں کہ پھر وہ کیا مشورہ دیں گے؟ زیادہ سے زیادہ یہی ارشاد فرمائیں گے کہ بچی سے نماز، روزے کی پابندی کراؤ۔ دنیاوی لہو لعب سے اجتناب کراؤ۔ لغو قسم کی تفریحات سے دور رکھو۔"

بڑی بی پہلی فرصت میں اپنے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی پوتی کے سارے احوال سے باخبر کیا۔ اور پھر درخواست کی۔ "کوئی مناسب مشورہ دیجئے ہم اس کے اس پراسرار ڈر اور خوف کو کیسے دور کریں.....؟"

پیر صاحب نے ساری باتیں یکسوئی اور سنجیدگی سے سننے کے بعد کچھ دیر تک غور وفکر کیا پھر بولے۔

"ذہنی امراض کے ماہرین سے بچی کا معائنہ کروائیں کہ کہیں وہ کسی نفسیاتی بیماری کا شکار تو نہیں؟"

"یا حضرت! اس کے باپ بھائی نے کوئی ڈاکٹر، حکیم، ماہر نفسیات یہاں تک کہ عمل تنویم کرنے والے کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے باوجود کسی کو بھی اس کے عجیب وغریب اس خوف اور دہشت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ سب کا یہی کہنا ہے کہ بچی بالکل نارمل حالت میں ہے۔"

"اچھا.....!" کہہ کر پیر صاحب گہری سوچ اور فکر میں مبتلا ہوگئے۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔

"یہ صورت حال تو واقعی تشویشناک ہے۔ اب اس کے باپ بھائی کیا کہتے ہیں؟"

"کہیں گے کیا۔ مایوس ہو کر چپ بیٹھ گئے ہیں۔"

"پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟"

بڑی بی نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ "اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے کلام کی برکتیں لامحدود ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ..... اب کچھ دعا درود سے کام لیا جائے..... کوئی تعویذ وغیرہ....."

پیر صاحب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک گم صم سوچتے رہے پھر ارشاد فرمایا۔

"آپ کا کیا خیال ہے، اس صورت حال کے پیچھے کون کارفرما ہوسکتا ہے؟ کون اس خرابی کا سبب ہوسکتا ہے.....؟"

"صحیح علم تو عالم الغیب ہی کو ہوسکتا ہے یا پھر اللہ کے کوئی نیک بندے ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔ میرا تو بس گمان ہے کہ کہیں یہ کسی ہوا..... کسی آسیب کی کارستانی نہ ہو۔ اسی لئے میں اول دن سے یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ دعا تعویذ کر کے بھی دیکھ لیا جائے۔"

"ہوں" کہہ کر پیر و مرشد چپ ہوگئے۔ پھر ذرا دیر بعد بولے۔ "دعا درود کے فیوض وبرکات کا میں منکر نہیں، بشرطیکہ نیک نیتی سے کی جائے۔ آپ تو جانتی ہیں، اس کے باوجود میں تعویذ گنڈوں کا کام نہیں کرتا۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں میں ان میں سے کسی قابل اطمینان کام کرنے والے کے پاس جانے کا مشورہ دوں گا تاکہ اس جانب سے بھی آپ مطمئن ہوجائیں۔"

اور پھر انہوں نے ذرا غور وفکر کے بعد کسی کو ٹیلی فون کیا اور علیک سلیک کے بعد بولے۔

"میں ایک محترمہ کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، ان کا کچھ مسئلہ ہے۔ اگر آپ سے ہوسکے تو ان کا کام کردیں۔"

اس کے بعد انہوں نے بڑی بی کو ان کا پتہ دے کر کہا ان سے مل لیں۔ شازیہ کی دادی نے پوتی کی محبت میں وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ ان سے ملیں اور اپنے پیر صاحب کا حوالہ دیا تو وہ بولے۔

"آپ کا جو کچھ مسئلہ ہے، اس کے بارے میں مکمل تفصیل سے بتائیں۔ تاکہ مجھے معاملے کو سمجھنے اور اس پر موثر کارروائی کرنے میں مدد ملے۔"

بڑی بی کو ان کی یہ بات پسند آئی اور انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ محترم سنجیدگی اور دیانت داری کے ساتھ کام کریں گے۔ انہوں نے الف سے ی تک ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بات تفصیل کے ساتھ بتائی۔ ساری باتیں سن کر وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کر کے سوچتے رہے پھر آنکھیں کھولیں۔ بڑی بی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"مسئلہ گمبھیر ہے۔ جو ڈر اور خوف بچی کو چیخنے چلانے پر مجبور کرتا ہے اس کے بارے میں اسے بیداری کی حالت میں کچھ یاد نہیں رہتا۔ اس کے باوجود تمام ڈاکٹرز اور ماہرین نفسیات کا یہی خیال ہے کہ لڑکی بالکل نارمل ہے۔ جبکہ نارمل ہونے کی حالت میں بھی یقیناً کوئی بات ہے۔ نیند کی حالت میں ڈر کر جاگنے کی کیفیت اب تک برقرار ہے۔ بہت دنوں کے بعد ایسا الجھا ہوا کوئی کیس آیا ہے۔"

"کیا بچی کو آپ کے پاس لانا پڑے گا.....؟"

محترم جیسے ہی ذرا رکے، بڑی بی سوال کر بیٹھیں۔

"ابھی نہیں۔ اگر ضرورت پڑے گی تب بلواؤں گا۔ فی الحال آپ بچی کا موبائل فون کم از کم ایک دن کے لئے لادیں۔" پھر ذرا رک کر بولے۔ "بچی کے پاس موبائل فون تو ہوگا؟"

"جی ہاں! ہے۔"

"مگر یہ فون اس طرح لانا ہوگا کہ بچی کے علاوہ بھی کسی کو پتہ نہ چلے۔ یہ کام ذرا مشکل ہے کیونکہ سیل فون رکھنے والے لڑکے لڑکیاں تقریباً ہر وقت اسے اپنے پاس رکھتے ہیں۔"

"مگر میری شازیہ" بڑی بی نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ "اس بیماری میں مبتلا نہیں۔ گھر سے باہر جاتی ہے تو اپنے ہاتھ کے بجائے اپنے پرس میں ڈال لیتی ہے۔ گھر میں ہو تو اپنے کمرے میں کہیں رکھ دیتی ہے۔ جب ضرورت ہو تبھی استعمال کرتی ہے۔"

"چلئے۔ پھر تو آپ کو زیادہ دشواری نہیں ہوگی مگر کم از کم ایک دن کی بھی گمشدگی اس کے لئے پریشان کن ہو سکتی ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ یہ کام آپ کس خوش اسلوبی سے کرتی ہیں۔"

"اللہ مالک ہے۔ آپ دعا کیجئے۔ کہ کام آسانی سے ہو جائے، سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اور بڑی بی نے اس روز شام کو شازیہ کا موبائل فون اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچا دیا۔ اور اپنا موبائل جو بالکل اس جیسا تھا اس کی جگہ رکھ دیا۔ اب یہ اتفاق کی بات تھی کہ شازیہ کو اپنا فون استعمال کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی جب کہ اس رات ہونے والے وقوع نے اس سمیت گھر کے تمام لوگوں کو مزید کوئی اور بات سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں دی۔ ہوا یہ کہ آدھی رات کو بڑی بی نے ایک دم چیختے چلاتے ہوئے گھر کے سارے لوگوں کو حیران پریشان کر دیا۔ گھر کے لوگ شازیہ کے کمرے میں آئے تو دیکھا کہ دادی بستر پر بیٹھی ہیں آنکھیں ان کی بند ہیں اور وہ "بچاؤ بچاؤ"..... مجھے اس موئے سے بچاؤ۔" کی دہائی دے رہی ہیں اور شازیہ گھبرا گھبرا کر ان سے پوچھ رہی ہے۔

"دادی اماں! وہ موا کون ہے..... میرا مطلب ہے..... کس سے بچائیں آپ کو.....؟"

"پتہ نہیں کون ہے..... کوئی جن ہے..... بھوت ہے..... بلا ہے..... مگر جو بھی ہے بہت خوفناک ہے..... بہت بھیانک ہے..... اور مجھے پکڑنے کو بھاگا چلا آ رہا ہے۔ اسے روکو..... پکڑو..... ورنہ..... وہ....."

ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ خوفزدہ آواز میں بولے چلی جا رہی تھیں۔ ان کے بیٹے نے آگے بڑھ کر انہیں جھنجھوڑا..... "امی جان! آنکھیں کھولئے..... جاگئے..... ہم نے اس بھوت کو بھگا دیا ہے۔"

اچھا..... وہ بھاگ گیا.....!" یہ کہتے ہوئے انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ ذرا دیر تک سب کو حیران کن نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں.....

"کیا ہوا..... گھر کے تمام لوگ یہاں کیوں موجود ہیں..... کیا شازیہ بیٹی.....؟"

"نہیں امی جان! شازیہ نہیں، آپ چیخ رہی تھیں۔ بچاؤ بچاؤ..... مجھے اس موئے سے بچاؤ....."

"کس موئے سے؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیں..... ویسے آپ کہہ رہی

تھیں..... اسے روکو..... پکڑو..... ورنہ وہ مجھے.....؟"

"اے ہے! گھاس کھا گئے ہو.....؟ اس بڑھاپے میں کون میرا پیچھا کرے گا..... کون میرے پیچھے بھاگے گا.....؟"

"ہم کیا جانیں..... یہ تو آپ ہی کہہ رہی تھیں..... آپ نے خواب میں کیا دیکھ کر چیخنا چلانا شروع کیا۔؟"

"میں نے کسی کو دیکھا..... نہ چیخی چلائی..... تم لوگ خواہ مخواہ میرا مذاق بنا رہے ہو۔ جاؤ..... اپنے کمرے میں واپس جاؤ....." کہتے ہوئے بڑی بی بستر پر دراز ہو گئیں۔

واپس آنے والا گھر کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر یہی سوچ رہا تھا کہ شازیہ کو خواب میں نظر آنے والا بھوت اب بڑی بی کو تنگ کرنے لگا ہے۔ انہیں بھی جاگنے کے بعد کچھ یاد نہیں رہا۔ مگر نیند کی حالت میں انہوں نے اتنا تو بتا دیا کہ وہ کوئی بھوت بلا ہے۔ بہت خوفناک ہے اور بہت بھیانک۔

زہرہ بیگم نے درمیان سے کہا۔ "یک نہ شد، دو شد..... پہلے شازیہ ہی کے لئے ہم پریشان تھے اب امی جان کے لئے بھی فکرمند ہو گئے۔"

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ امی جان نے جہاں یہ بتا دیا ہے کہ وہ کوئی بھوت بلا ہے۔ وہاں وہ اس سے نجات حاصل کرنے کا بھی کوئی راستہ سمجھا دیں گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہو۔"

اگلی صبح اعلیٰ حضرت کی طرف سے ایک آدمی آیا تھا جس نے بڑی خاموشی کے ساتھ دادی اماں کو شازیہ کا موبائل فون دیتے ہوئے کہا تھا۔ "اس کا کام ہو گیا ہے۔ اور حضرت نے آپ کو یاد کیا ہے۔"

بڑی بی ناشتے سے فارغ ہو کر چپکے سے نکل کھڑی ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے کہا۔

"بچی کا سیل فون میں نے اس خیال سے جلدی فارغ کر دیا کہ آپ کہیں کسی پریشانی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اسے پتہ تو نہیں چلا اپنے فون کی گمشدگی کا.....؟"

"کیسے پتہ چلے گا؟ میں نے ایسا ڈرامہ رچایا کہ بچی سمیت گھر بھر سب کچھ بھول کر میری طرف ہی متوجہ ہو گئے۔" اس کے بعد انہوں نے رات کا وقوعہ ہنس ہنس کر سنا دیا۔ پھر بولیں۔ "آپ نے صبح سویرے فون بھجوا کر میری مشکل اور آسان کر دی۔ اب کیا حکم ہے میرے لئے.....؟"

"اب کسی وقت بچی کو لے کر آپ آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے، کل آ جاؤں گی۔"

اگلے روز دادی پوتی اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچیں تو شازیہ نے پوچھا۔ "دادی اماں! یہاں کیوں لائی ہیں مجھے؟"

"بیٹا! تمہارا اور اپنا علاج کروانے کے لئے۔ دیکھو نا تمہاری بیماری مجھے بھی لگ گئی ہے۔"

اعلیٰ حضرت نے کہا۔ "گھبرانے کی بات نہیں، میرے مولا نے چاہا تو آپ دونوں کی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔" پھر انہوں نے دادی اماں کو ایک تسبیح دے کر کہا۔ "آپ سبحان اللہ کا ورد کریں جبکہ شازیہ بیٹی سے میں ذرا تنہائی میں کچھ معلومات حاصل کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد شازیہ حجرے سے باہر نکلی۔ چہرے بشرے سے بہت مطمئن لگ رہی تھی۔ "جایئے، اب آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے دادی سے کہا۔

بڑی بی اندر گئیں تو اعلیٰ حضرت نے کہا۔ "میرے مولا نے چاہا تو دھند چھٹ جائے گی۔ پریشانیوں کا دور ختم ہو جائے گا۔ مگر یاد رکھئے۔ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔"

بڑی بی ایک دم گھبرا گئیں۔ "کیا کسی گڑبڑ..... کسی نقصان کا امکان ہے.....؟"

"کسی بڑے خطرے سے بچنے کے لئے رکاوٹوں کو ہٹانا پڑتا ہے۔ سامنے کی دیوار کو گرانا پڑتا ہے۔ اگر کوئی خاص بات سامنے آئے تو مجھے فوراً مطلع کیجئے گا۔"

اور یہ خاص بات دو دن بعد ہی سامنے آ گئی۔ جمیل کے گھر سے فون آ گیا تھا کہ جمیل اور شازیہ کی جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگنی ہوئی ہے،ہم اسے توڑ رہے ہیں۔اس فون کے بعد پورے گھر کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہر شخص یہ سوچ رہا تھا۔"یہ کیا ہوگیا......! کیسے ہوگیا؟ آخران لوگوں کو منگنی توڑنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟"

منگنی کا ٹوٹنا یوں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا جبکہ جمیل جیسے لڑکے سے رشتہ ٹوٹنا اس لئے بھی انتہائی صدمے کا سبب تھا کہ ایسا رشتہ روز روز نہیں ملتا۔ وہ لاکھوں میں ایک تھا۔ ماں باپ نے یہی سوچ کر منگنی کی تھی کہ شازیہ زندگی بھر عیش کرے گی۔ پھر یہ بات بھی ڈسکس کی گئی کہ آخر یہ رشتہ انہوں نے کیوں توڑا؟ وجہ تو انہوں نے بتائی نہیں تھی۔ اس لئے سب اپنی اپنی کہنے لگے۔ ان میں اس بات پر زیادہ لوگ متفق تھے کہ شازیہ کے بارے میں شاید ان لوگوں کو بھنک مل گئی ہے کہ وہ کسی آسیبی اثر کا شکار ہے۔ پھر یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ گھر کی یہ بات باہر کیسے گئی؟

بڑی بی اگلے روز منہ لٹکائے ہوئے اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچیں۔ انہیں دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔"خیریت تو ہے؟"

"خیریت کہاں بزرگوار!" کہہ کر انہوں نے شازیہ کی منگنی ٹوٹنے کی اطلاع دے دی۔

"خس کم جہاں پاک!" اعلیٰ حضرت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بڑی بی نے حیران نگاہوں سے انہیں دیکھا۔"منگنی ٹوٹنے کی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔اس کے بعد اور کوئی رشتہ آئے گا؟ میری بچی تو گھر میں ہی بیٹھی رہ جائے گی۔ اس پر آپ کہہ رہے ہیں"خس کم......"

"جی ہاں! منگنی ٹوٹنے کے بعد یہ صورت حال تو سامنے آتی ہے۔" اتنا کہہ کر اعلیٰ حضرت ذرا رکے۔ کچھ سوچا پھر بولے۔"اس رشتے سے پہلے، اگر کوئی رشتہ آیا ہو۔ جسے آپ لوگوں نے قابل قبول نہیں سمجھا ہو تو فوراً وہاں رشتہ طے کردیں۔ رہی بات اس رشتے کی جو ٹوٹ گیا، وہ دونوں کے حق میں بہتر نہیں تھا۔

"جی ہاں، ایک ایسا رشتہ تو آیا تھا۔لڑکا ایسا بڑا بھی نہیں تھا۔شازیہ کے ساتھ یونیورسٹی کا پڑھا ہوا تھا۔"

"تو بس دیر نہ کریں۔ اور کسی پس و پیش میں نہ پڑیں۔"

بڑی بی گھر گئیں اور بیٹے بہو کے ساتھ سر جوڑ کر کھسر پھسر کرنے لگیں۔ انہوں نے ان سے اعلیٰ حضرت کے بجائے اپنے پیر صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ"میرے پیر صاحب منگنی ٹوٹنے کی خبر سن کر کہا کہ فوراً اس کی شادی کردو۔ ورنہ یہ لڑکی گھر بیٹھی رہ جائے گی۔"

"مگر امی جان! فوراً اس کی شادی کہاں کریں۔ کس سے کریں؟"

"نظام الدین سے......وہ لڑکا ایسا برا تو نہیں۔"

"نہیں۔ بس جمیل جیسے اسٹیٹس کا نہیں۔"

"گولی مارو اسٹیٹس کو۔ لڑکی کی زندگی کا خیال کرو۔"

کوئی ایک ہفتہ کے بعد اعلیٰ حضرت کے پاس شازیہ کا فون آیا۔"آپ کے پاس مٹھائی لے کر کب آؤں؟"

"کس بات کی مٹھائی؟"

"اپنی عنقریب ہونے والی شادی کی مٹھائی۔"

"اچھا کب ہورہی ہے، کس سے ہورہی ہے؟"

"آپ نے پہلی منگنی تڑوا کر جس سے فوری شادی کا مشورہ دیا تھا۔"

"ارے، یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوگیا؟"

"پہلے آپ یہ بتایئے، آپ کو میرے دل کی بات کیسے معلوم ہوگئی کہ میں کس سے شادی کرنا چاہتی ہوں، کس سے نہیں......؟"

"تمہارے موبائل فون سے۔اس نے نہ صرف تمہارے دل کی بات بتادی بلکہ تم نے ڈراؤنے خوابوں کا جو ڈرامہ رچایا تھا، اس کی چغلی بھی کھالی۔"

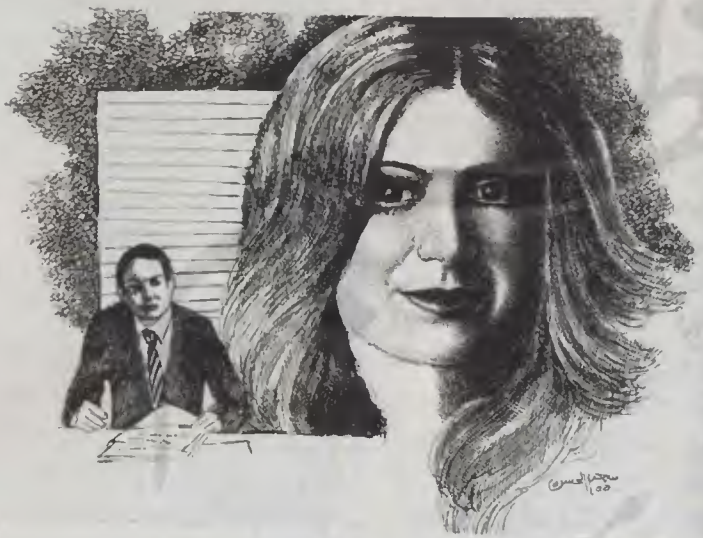

ناکامی

خلیل جبار-حیدرآباد

ڈھانچے کو ٹھوکر لگتے ہی بے شمار خونی چوہے دندناتے ہوئے نوجوان کی طرف بڑھے ان چوہوں کو دیکھ کر نوجوان پر کپکپی طاری ہوگئی، وہ گر پڑا اور چوہے اس پر دوڑ پڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے......

خودغرضی اور مطلب پرستی کی مہیب...... پرہیبت اور خوفناک داستان حیرت

عاصم جب دفتر سے لوٹا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔نفیسہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ اتنا اداس چہرہ لئے وہ کبھی گھر نہیں آیا تھا۔ عاصم ہمیشہ ہنستا مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے عاصم اتنے پریشان کیوں ہو؟" نفیسہ نے پوچھا۔

"میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے۔" عاصم نے کہا۔

"کہاں؟" نفیسہ چونکی۔"سکھر۔" عاصم نے بتایا۔

"کیا واقعی!" نفیسہ نے ایسے کہا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آرہا ہو۔

"ہاں یہ دیکھو!" عاصم نے ٹرانسفر لیٹر جیب سے نکال کر اس کے سامنے کردیا۔

ٹرانسفر لیٹر دیکھ کر نفیسہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارے تم اس بات پر پریشان ہو یہ تو خوشی کی بات ہے۔ ہم واپس اپنے شہر چلے جائیں گے جہاں ہمارے اپنے لوگ ہیں۔''

''لیکن میرا دل یہ شہر چھوڑنے کو نہیں کرتا۔'' عاصم نے کہا۔

''کمال ہے ٹرانسفر ہونے سے پہلے اس شہر سے بے زار تھے اور اس کوشش میں تھے کہ کسی دوسرے شہر میں ٹرانسفر ہو جائے اور اب اپنے شہر میں ٹرانسفر ہونے پر تم خوش ہونے کے بجائے پریشان ہو رہے ہو۔ ٹرانسفر تو نوکری کا حصہ ہوتا ہے آج یہاں کل وہاں۔'' نفیسہ نے عاصم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاں میں یہ بات مانتا ہوں کہ ٹرانسفر نوکری کا حصہ ہوتا ہے لیکن نہ جانے کیوں جس شہر میں پیدا ہوا پلا بڑھا اب اس شہر میں رہتے ہوئے خوف آتا ہے۔ تمہیں یاد ہے ٹرانسفر ہونے سے پہلے میری کیا حالت ہوگئی تھی۔ ایک انجانا سا خوف میرے ذہن پر سوار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میرا یہاں ٹرانسفر ہوا میں نے بالکل بھی دیر نہیں کی تھی اور یہاں چلا آیا تھا۔'' عاصم نے کہا۔

''ہاں مجھے سب یاد ہے تمہیں اپنے والدین سے بہت محبت تھی ان کے انتقال پر تمہارا افسردہ رہنا فطری بات تھی۔ تم والدین کی جدائی پر بہت غمگین تھے ان ہی دنوں ہماری ملاقات اتفاق سے ایک شاپنگ سینٹر میں ہوگئی تھی تم اپنے دوست ظفر سے ملاقات کرنے آئے تھے اور میں تمہارے دوست کی دکان پر اپنے بھائی کے ساتھ کپڑا خریدنے آئی تھی۔ ہماری نظریں ملیں اور ہم ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے تھے۔ پھر ہماری ملاقاتوں کا جو سلسلہ چلا وہ شادی پر ختم ہوا۔'' نفیسہ نے کہا۔

''ہاں مجھے یاد ہے سب یاد ہے۔ میں تم سے ملاقاتیں کرنے کے بہانے تمہارے بھائی اکرم کے پاس آتا تھا۔ اکرم بھی حیران تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے دفتر میں روز ملاقات ہوتی ہے پھر بھی شام کو گھر ملنے چلا آتا ہوں۔ وہ جب کسی کام سے کمرے سے جاتا تم آجاتی تھیں۔ ہماری چوری پکڑی گئی مگر تمہارے گھر والوں نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری شادی کر دی تھی۔'' عاصم نے کہا۔

''اور ہاں وہ مظفر بھی، بیچ میں کود پڑا تھا کہ میری شادی ہوگی تو نفیسہ سے ہوگی ورنہ میں شادی نہیں کروں گا بڑا جذباتی کزن تھا میرا پھر پتا نہیں وہ کہاں غائب ہو گیا۔''

''تم اس منحوس کا میرے سامنے نام مت لو، وہ مجھ سے جلتا تھا جب اسے یہ خبر ملی کہ تم سے میری شادی ہو رہی ہے تو بیچ میں کود پڑا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ وہ غائب ہو گیا ورنہ تمہارے والدین کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جاتا۔'' عاصم نے کہا۔

''یہ بات تم کس طرح کہہ رہے ہو کہ میرے والدین اس کے حق میں فیصلہ کرتے۔'' نفیسہ نے چونک کر پوچھا۔ ''مظفر کا ذاتی کاروبار تھا۔ بہترین بنگلہ، کار تھی۔ لاکھوں کی آمدنی تھی میرے پاس کیا تھا۔ سوائے اس نوکری کے ذاتی گھر تک تو تھا نہیں۔ سرکاری کوارٹر میں رہتا تھا۔ عاصم نے کہا۔

''ہاں تم درست کہہ رہے ہو مجھے بھی شک ہوا تھا کہ میرے والدین تم سے شادی کا فیصلہ کر کے پچھتا رہے ہیں اور اس کا اظہار بھی انہوں نے کئی بار کیا کہ کاش مظفر کے گھر والے رشتے کی بات پہلے کر دیتے۔''

''مجھے بھی تمہارے بھائی کے رویئے سے اس کا اندازہ ہو گیا تھا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ مظفر کہاں غائب ہو گیا۔ حالانکہ اس کی کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔'' نفیسہ نے کہا۔

''نفیسہ تمہیں نہیں پتا کہ یہ جو پیسے والے لوگ ہوتے ہیں یہ کس قماش کے ہوتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں کئی کئی لڑکیوں کو شادی کا لالچ دے کر خوب عیش کرتے ہیں اور جب دل بھر جاتا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دشمنیاں نہیں ہوں گی تو کیا ہم کنگلوں کی ہوں گی۔'' عاصم نے ناگواری سے کہا۔

''اچھا ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ ہمیں کب تک سکھر جانا ہے، مجھے سامان کی پیکنگ بھی کرنا ہے۔''

نفیسہ نے کہا۔

''کل شام تک نکل جائیں گے لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ ہم اس بوسیدہ کھنڈر نما سرکاری کوارٹر میں نہیں رہیں گے۔'' عاصم نے کہا۔

''ہاں ہم کوئی اچھا کرایہ کا مکان لے لیں گے۔ ویسے بھی تمہاری آمدنی اتنی اچھی ہوگئی ہے کہ ہم اچھے مکان میں رہنے کی عیاشی کر سکتے ہیں۔'' نفیسہ نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

نفیسہ کو ہنستا دیکھ کر عاصم کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عاصم نے سکھر جاتے ہوئے آفس میں جوائنگ دے دی لیکن اتفاق سے سرکاری کوارٹر وہی ملا تھا جس میں وہ ٹرانسفر ہونے سے پہلے رہتا تھا۔ عاصم وقتی طور پر اس کوارٹر میں شفٹ ہو گیا تھا لیکن اس نے کرایہ کے مکان کی تلاش شروع کر دی تھی۔ وہ جس طرح کا مکان چاہتا تھا۔ ان کا کرایہ بہت زیادہ تھا۔ اور اس کی پہنچ سے دور تھا۔ جبکہ وہ عاصم کے مکان میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس طرح مکان کی تلاش میں کئی دن گزر گئے لیکن وہ کرایہ کا مکان حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اسی وجہ سے عاصم کچھ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ نفیسہ بھی حیران تھی کہ عاصم کو کیا ہو گیا ہے۔ یہی مکان تھا اور ایسی نوکری تھی لیکن عاصم بہت خوش رہتا تھا۔ دوبارہ اس مکان میں آنے پر اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ جلد سے جلد اس کوارٹر سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے خود سے باتیں کرنے لگتا، کبھی سوتے سے بیدار ہوتا تو وہ گھبرایا ہوا ہوتا تھا۔ جسم سے پسینے پھوٹ رہے ہوتے تھے۔ نفیسہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عاصم کو یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ جو شخص ہر دم خوش رہنے والا ہو دوسروں کو اپنی باتوں سے ہنسا دے اس کی ایسی کیفیت سے نفیسہ کا حیران ہونا فطری بات تھی۔

ایک رات نفیسہ کی آنکھ کھلنے پر اس نے بیڈ سے عاصم کو غائب پایا وہ گھبرا کر اٹھی اور کمرے سے باہر گئی۔ لان میں اسے کوئی بیٹھا دکھائی دیا۔ نفیسہ نے لان کی روشنی آن کر دی۔ لان میں عاصم ہی تھا جو کرسی پر بیٹھا خود سے باتیں کر رہا تھا۔ کبھی اس کا چہرہ غصے سے سرخ

کامیاب بک ڈپو اردو بازار کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جاتا تھا۔ کبھی سفید پڑ جاتا تھا۔

''عاصم کیا بات ہے۔ تم یہاں کیوں آ کر بیٹھ گئے ہو۔'' نفیسہ نے عاصم کا شانہ جھنجھوڑا۔

''کک..... کک..... کون..... ہے۔'' عاصم گھبرا گیا۔ ''عاصم میں ہوں نفیسہ تمہاری بیوی۔'' نفیسہ نے کہا۔

''آ..... ہاں..... تم یہاں کیوں آئی ہو۔'' عاصم نے پوچھا۔

''تم بیڈ پر نہیں تھے اس لئے تمہیں دیکھنے آئی تھی۔''

''میں..... میں بیڈ پر کیوں نہیں تھا۔'' عاصم نے الٹا نفیسہ سے سوال کیا۔

''یہی بات میں تم سے پوچھنے آئی تھی، آؤ اندر چلیں۔'' نفیسہ نے عاصم کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

''میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔'' یہ کہتے ہوئے عاصم اٹھ گیا۔

بیڈ پر جا کر وہ لیٹ گیا۔ نفیسہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن عاصم نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مجبوراً نفیسہ نے بھی اپنی آنکھیں بند کر لی۔

صبح بیدار ہونے پر ناشتے کی ٹیبل پر جب نفیسہ نے عاصم سے رات کے واقعہ کے موضوع پر بات کرنا چاہی تو اس نے حیرت سے نفیسہ کی طرف دیکھا۔

''میں لان میں بیٹھا تھا ارے نہیں بھئی میں کیوں لان میں بیٹھوں گا تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔'' عاصم نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

''کیا تمہیں کچھ بھی یاد نہیں۔'' نفیسہ نے حیرت سے عاصم کو دیکھا۔

''کمال ہے بھئی میں کیوں سوتے میں اٹھ کر لان میں جا کر بیٹھوں گا۔''

نفیسہ حیرت سے عاصم کو دیکھنے لگی کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا ہے حالانکہ اسے رات کو وہ خود لان سے بیڈ پر لائی تھی۔

''عاصم تمہیں کوئی کرائے کا مکان پسند آیا۔''

''پسند تو بہت آئے ہیں لیکن ان کا کرایہ بہت ہے ہماری پہنچ سے دور لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری ہے کوشش کر رہا ہوں ضرور کامیابی ہوگی۔'' عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عاصم کو مسکراتا دیکھ کر نفیسہ کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔

شام گئے عاصم آفس سے لوٹا تو وہ بہت خوش تھا۔

''بیگم ہماری کوشش رنگ لے آئی ہے اور بہت ہی شاندار بنگلہ نما مکان انتہائی کم کرائے پر مل گیا ہے چند روز میں ہم اس مکان میں شفٹ ہو جائیں گے۔'' عاصم نے کہا۔

''اچھا چلو یہ بہت اچھا ہوا۔ یہ مکان تمہیں راس نہیں آ رہا ہے۔ یہاں آ کر تمہاری طبیعت اچھی نہیں رہتی۔'' نفیسہ نے کہا۔

''ہاں بیگم ہم اب یہ آثار قدیمہ زدہ کوارٹر کو چھوڑ دیں گے مجھے یہ مکان بالکل پسند نہیں مجبوری میں اتنے دن یہاں رہنا پڑا ہے۔''

عاصم نے ناگواری کے انداز میں کمرے کو دیکھا۔

نفیسہ عاصم کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے وہ بھی خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

''کیوں نہ ہم کل ہی اس مکان میں شفٹ ہو جائیں۔'' نفیسہ نے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے ابھی اور اس وقت اس مکان میں شفٹ ہو جائیں لیکن مجبوری ہے کہ اس مکان میں جو فیملی رہتی ہے وہ ایک ہفتہ اور رہے گی پھر وہ اپنے ذاتی مکان میں شفٹ ہو جائے گی۔

رات کو جب نفیسہ سو گئی عاصم بیڈ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا اس کا رخ اسٹور روم کی طرف تھا۔ دراصل ان سرکاری کوارٹرز میں فالتو سامان رکھنے کے لیے زیر زمین تہہ خانے کی طرح اسٹور روم بنایا ہوا تھا۔ اس اسٹور روم کا صرف کوارٹرز میں رہنے والوں کو علم تھا۔ عام آدمی کو پتا نہیں چل سکتا تھا کہ ان کوارٹرز میں تہہ خانے کی طرز پر اسٹور بھی ہے۔

اسٹور کا دروازہ کھول کر وہ سیڑھیاں اترتا ہوا

تہہ خانے میں پہنچ گیا بلب آن کرنے پر کمرہ روشنی سے منور ہو گیا تھا۔ مٹی کی گرد تہہ کی صورت میں زمین پر موجود تھی۔ دیواروں میں جا بجا سوراخ ہو رہے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے چوہوں کی آمد و رفت ہو۔ چوہوں کی مینگنیاں بھی کثرت سے نظر آ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ چوہوں کا پورا خاندان یہاں آباد ہو۔ مٹی کی تہہ پر چوہوں کے کمرے میں گھومنے پھرنے سے پنجوں کے نشان بن گئے تھے۔ ایک طرف انسانی مردے کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ ڈھانچے پر گوشت برائے نام بھی نہیں تھا۔ عاصم نے ڈھانچے کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو کیسے یہاں پڑا ہے۔ کمبخت تجھے کفن بھی نہیں مل سکا۔ بڑا غرور تھا تجھے اپنی دولت پر کہاں گئی تیری وہ دولت جس پر تو اکڑتا پھرتا تھا نفیسہ سے شادی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ نفیسہ میری ہے اور میری رہے گی کان کھول کر سن لے۔'' عاصم غصے سے جزباتی ہوا جا رہا تھا۔

''لیکن تو کیا سنے گا تیرے تو کان ہی نہیں تو..... تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے..... آ..... ہا..... ہا.....'' عاصم دیوانگی کے عالم میں قہقہے لگا رہا تھا۔

''تجھے یاد ہے نا میں نے کس قدر چالاکی سے کام لے کر تجھے یہاں بلایا تھا۔ ہاں تجھے یاد نہیں ہوگا تو پھر کیسے یاد ہوگا۔'' عاصم نے غور سے ڈھانچے کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں خود بھی حیران ہوں کہ اتنا اچھا اور منفرد خیال میرے ذہن میں کیسے آ گیا تھا۔ ہاں..... ہاں..... وہ خیال اچانک میرے ذہن میں آیا تھا۔ اس رات میں غصے سے بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا کہ ایسے میں مجھے خیال آیا کیوں نہ تجھے راستے سے ہٹا دیا جائے نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔ پھر میں اٹھا اور پی سی او چلا گیا تا کہ تم سے فون پر بات کر سکوں۔ راستے بھر میں نفیسہ کی آواز نکالنے کی پریکٹس کرتا رہا اور جب ٹیلی فون پر تم سے رابطہ ہوا۔ اس وقت تک میں نفیسہ کی ہو بہو آواز نکالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں نے تمہیں جیسے ہی اپنے گھر بلایا تو نفیسہ سے ملاقات کرنے کو ایسے اندھے ہو گئے کہ یہ بھی نہیں سوچا کہ میری نفیسہ سے شادی کی بات پکی ہو چکی ہے اور وہ میرے گھر پر رات میں کس طرح مل سکتی ہے۔ دیوانے کے پاس عقل کہاں ہوتی ہے عقل ہو تو وہ دیوانہ ہی کیوں بنے میرے کوارٹر پر پہنچ کر تم دیوانوں کی طرح نفیسہ کو دیکھنے لگے تھے۔ تمہاری اس حرکت پر مجھے بہت ہنسی آ رہی تھی لیکن میں ہنسی کو ضبط کیے ہوئے تھا۔ ورنہ میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ تم نے بڑی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''نن..... نن..... نفیسہ کہاں ہے۔''

''نفیسہ آ رہی ہے تم سانس تو لو، اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں۔'' یہ کہتے ہوئے تم صوفے پر دھنس گئے تھے۔''

''میرا شیطانی ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آئی شیطانی چمک کو محسوس کر رہا تھا لیکن تم بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ میں تم پر کیا شیطانی وار کرنے والا ہوں۔ مجھے پتا تھا کہ تمہیں کولڈ ڈرنک بہت پسند ہے اس لئے میں نے پہلے کولڈ ڈرنک میں زہر ملا دیا تھا۔ زہریلی بوتل میں نے تمہارے سامنے رکھ دی تھی تم پر اس وقت نا جانے نفیسہ سے ملنے کا نشہ طاری تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم میرے رقیب ہو میرے ایک اشارے پر تم کولڈ ڈرنک غٹا غٹ پی گئے۔ کولڈ ڈرنک جوں، جوں تمہارے جسم کے اندر اتر رہی تھی۔ میرے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی کولڈ ڈرنک پیتے ہی تم کچھ تڑپے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ یقیناً میرے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ دیکھ کر تم سمجھ گئے ہو گے۔ میں نے تمہارے ساتھ کیسا کھیل کھیلا ہے۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ تمہارے دم توڑنے پر میں تمہیں ٹھکانے ہوا۔ اس تہہ خانے میں لے آیا اور صحیح معنوں میں اس تہہ خانے کا استعمال میں نے کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تمہیں بعد میں زمین کھود کر دفن کر دوں گا لیکن مجھے تمہاری لاش سے خوف آ رہا تھا اس لئے پھر دوبارہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا اور تمہاری لاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یونہی سڑسڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ میں تبدیل ہوگئی۔"

"تمہارے غائب ہوجانے پر نفیسہ میری جھولی میں آ گری تھی۔ اب شادی کے بندھن میں بند ہوکر نفیسہ ہمیشہ کے لئے میری ہوگئی ہے اسے کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ سنا تم نے کوئی محل مجھ سے نفیسہ کو چھین نہیں سکتا۔ عاصم غصے سے ڈھانچے کو گھورا۔

"یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میرا ٹرانسفر حیدرآباد ہونے پر بھی یہ کوارٹر کسی اور کو نہیں مل سکا اور یہ راز راز ہی رہا۔ مرنے کے بعد تمہاری روح کو سکون نہیں تھا اس لئے تم مجھے خوابوں میں آ کر ڈرانے لگے تھے۔ اس دوران میں میرا ٹرانسفر حیدرآباد ہوگیا اور میں نفیسہ کو تمہاری منحوست سے دور لے گیا۔ اب ٹرانسفر ہونے پر یہ کوارٹر خالی ہونے پر مجھے دوبارہ مل گیا ہے۔ لیکن میں یہاں زیادہ عرصے نہیں رہوں گا دو چار دن میں چلا جاؤں گا۔ ایک شاندار سے گھر میں اور جاتے ہوئے تمہارے ڈھانچے کو اسی تہ خانے کی مٹی کھود کر دفن کر کے جاؤں۔ اب مجھ میں اتنی ہمت آ گئی ہے کہ اس کمرے میں آ جاؤں۔ تمہاری زمین میں دفن ہوجانے سے یہ راز جو میرے سینے میں دفن ہے وہ کسی اور کو پتا نہیں چل سکے گا۔ ہاں۔ عاصم پاگلوں کی طرح ڈھانچے سے ایسے بات کر رہا تھا کہ وہ زندہ ہو اور اس کی بات توجہ سے سن رہا ہو۔

"خبیث انسان تو نے مجھے بہت ذہنی اذیت سے دوچار کر رکھا تھا۔ اپنی دولت کی چمک سے نفیسہ کو مجھ سے چھیننا چاہتا تھا۔ نہیں..... نہیں نفیسہ میری ہے اور میری رہے گی۔ سن لے کان کھول کر ہاں تو خواب میں آ کر مجھے ڈراتا ہے تو زندگی میں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا پھر مر کر میرا کیا کرے گا تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہاں کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب میں اس کوارٹر میں ہی نہیں رہوں گا پھر تو کیسے مجھے ڈرائے گا تیری حد یہ کوارٹر ہے تو اسی حد میں رہ سکتا ہے ورنہ تو حیدرآباد میں آ کر میرا جینا حرام کر دیتا۔ یہ کہتے ہوئے عاصم ڈھانچے کے بالکل نزدیک چلا گیا اور غصے سے اس پر تھوک دیا۔

"نفرت ہے..... مجھے تجھ سے سخت نفرت ہے۔"

یہ کہتے ہوئے عاصم نے زور سے ڈھانچے کو لات ماری جیسے ہی ڈھانچے پر لات پڑی۔ ڈھانچے کے اندر سے بے شمار کالے کالے چھوٹی بلی کی جسامت کے چوہے سے نکل پڑے اور چشم زدن میں حملہ آور ہوگئے۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں، حلق خشک ہوگیا۔ آواز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے اتنے موٹے چوہے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر عاصم کے جسم پر خوف سے تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چوہے اس کے کپڑوں میں گھس گئے ہوں اس نے خوف سے تھرتھراتے ہوئے کپڑوں کو جھاڑنا شروع کر دیا۔ ایک دو چوہے قمیض سے نکل کر زمین پر گرے ان کے پنجے تازہ سرخ خون سے تر تھے۔

رات کا نا جانے وہ کون سا پہر تھا۔ نفیسہ کی آنکھ کھل گئی عاصم بیڈ پر نہیں تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھی اور لان میں گئی لیکن لان میں عاصم نہیں تھا۔ کوارٹر کا مین گیٹ بھی اندر سے بند تھا۔ وہ بیٹی اور دوسرے کمرے میں دیکھا۔ وہاں بھی عاصم نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت عاصم کہاں چلا گیا۔ ہر جگہ دیکھ لی تھی لیکن وہ ہوتا تو نظر آتا۔ وہ واپس اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی کہ اس کی نظر تہ خانے کے کھلے دروازے پر پڑی۔ تہ خانے کی لائٹ جل رہی تھی۔ نفیسہ خاموشی سے تہ خانے کی طرف بڑھی تہ خانے میں انسانی ڈھانچے کے پاس عاصم لیٹا ہوا تھا۔ ذرا اور آگے بڑھنے پر اس نے دیکھا کہ کئی موٹے موٹے چوہے عاصم کے جسم کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ اور عاصم کا چہرہ خوف سے فق تھا جیسے وہ کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر ڈر گیا ہو۔ دو چوہے نفیسہ کو دیکھ کر گھبرائے، بل کی طرف دوڑے وہ دونوں عاصم کا دل دبوچے ہوئے کھانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے بھاگنے سے دل وہیں رہ گیا۔

نفیسہ وہ منظر دیکھ کر چیخ مارتے ہوئے بدحواسی کے عالم میں تہ خانے کی سیڑھیاں پھلانگتی باہر آ گئی اور اپنے کمرے میں آتے ہی بستر پر گر کر حواس سے بیگانہ ہوگئی۔

برا انجام

صائمہ حمید-راولپنڈی

قبرستان میں ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا مسلط تھا، خواتین کی گود میں پڑے ہوئے کپڑے کے پتلے میں حرکت پیدا ہوئی اور پھر وہ پتلا خوبخود اچھلنے لگا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں پھر اچانک.....

ایک عبرتناک کہانی جسے پڑھنے والے پڑھ کر اپنے جسم و جاں میں کپکپی محسوس کریں گے

آج پھر اس کے ساتھ اچانک دوبارہ وہی واقعہ پیش آیا تھا، صحن میں بیٹھے بیٹھے اس کے دوپٹے کو چند لمحوں میں آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت یا اس سے پہلے بھی جب یہ واقعہ پیش آیا تھا تو اس کے پاس کوئی ماچس، لائٹر یا آگ جلانے والی کوئی بھی چیز نہیں تھی اور وہ یقیناً جل کر بھسم ہو جاتی اگر جلدی سے زبیدہ خالہ اور ریحانہ باجی نے آگے بڑھ کر اس کا دوپٹہ اتار کر دور نہ پھینک دیا ہوتا۔

دونوں نے فوراً دوپٹے پر پانی گرایا اور آگ بجھائی۔ حالات درست جگہ پر آتے ہی گھر کے افراد ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور ماحول کا جائزہ لینے لگے کہ آخر یہ سب کیا ماجرا ہے؟ ایسا کیوں ہوا.....؟ لیکن کوئی سراغ یا ارد گرد کوئی ایسا نشان نہ ملا جس سے پتہ چلتا کہ یہ آگ آئی تو کہاں سے آئی اور دوپٹے کو اپنی لپیٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے لیا۔ دوپٹہ سوائے تھوڑے سے حصے کے سارا جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ نغمانہ ان دنوں میکے آئی ہوئی تھی۔

خالہ زبیدہ کی نغمانہ سب سے چھوٹی بیٹی تھی جو کہ اپنے چچازاد سے بیاہی تھی۔ اس کے تین بچے تھے جن میں دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بڑا بیٹا نامصروں سال کا، بیٹی ماریہ پانچ سال کی اور سب سے چھوٹا یاسر تھا جو دو سال کا تھا۔ نغمانہ کی شادی کو تقریباً بارہ سال ہو چکے تھے۔ اس کی شادی سے چند عرصے بعد اس کے ساتھ یہ مسئلے ہونے شروع ہوگئے تھے۔ گھر والوں نے ڈاکٹروں سے بہت چیک اپ کروایا لیکن کوئی بھی بیماری ظاہر نہ ہوئی۔ نغمانہ جو گندمی رنگت کی مالک تھی۔ دن بدن اس کی رنگت پیلی ہوئی پھر وہ کالی ہوتی جارہی تھی۔ آخر تھک ہار کر اس کے میکے والے اسے ایک بزرگ جنہیں شاہ صاحب کہتے تھے جو کہ بہت بڑے عامل تھے، ان کے پاس لے کر جانے لگے، بزرگ تعویذ دیتے تو نغمانہ ٹھیک ہو جاتی۔ لیکن جیسے ہی تعویذ کا استعمال بند ہو جاتا پھر وہی مسئلہ شروع ہو جاتا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اچانک ٹھیک ٹھاک بیٹھی باتیں کررہی ہوتی کہ اچانک اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے سروں سے خون بہنا شروع ہو جاتا۔ خون کافی مقدار میں بہنے لگتا جبکہ نغمانہ بالکل نارمل ہوتی۔

سارا میکہ اور سسرال والے بھی نغمانہ کے اس مسئلے سے سخت پریشان تھے۔

شاہ صاحب نے اپنے علم کے ذریعہ بتایا تھا کہ نغمانہ کو کوئی ڈاکٹری مرض نہیں ہے۔ جادوٹونے کا مسئلہ ہے۔ اور اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر متواتر علاج کرایا گیا تو لیکن متواتر روحانی علاج نہ کرانے سے اس کا مسئلہ ٹھیک ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتا گیا۔

اب نغمانہ تین بچوں کی ماں بن چکی تھی۔

ایک دن اچانک نغمانہ کو اپنا دایاں بازو بے جان محسوس ہوا اور جب اس نے تھوڑی ہمت کر کے اسے ہلانا چاہا تو وہ اپنا بازو نہ ہلا سکی۔ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا، وہ اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کررہی تھی۔ جب اس کا معائنہ وغیرہ ہوا تو ڈاکٹر نے بتایا کہ اس پر بہت شدید فالج کا اثر ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کا دایاں بازو بالکل مفلوج ہو چکا ہے۔ ڈاکٹرز نے کچھ دن علاج کر کے دوایاں وغیرہ دے کر فارغ کردیا۔ ڈاکٹروں کو بظاہر فالج کی کوئی خاص وجہ نظر نہ آئی۔ جسمانی کمزوری کو فالج کی وجہ بتا کر انہوں نے نغمانہ کو فارغ کردیا۔

وقت گزرتا گیا۔ نغمانہ کو فالج کا اٹیک اس وقت ہوا جب وہ تیسرے بچے کی ماں بنی۔ سب نے یہی خیال کیا کہ بچے کی پیدائش پر کمزور ہونے کی وجہ سے اسے یہ مسئلہ ہوا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مسئلہ بڑھتا گیا۔ ہاتھوں کے ناخنوں کے سروں سے خون رسنا شروع ہو جاتا اور پھر کافی دیر تک ایسا ہی ہوتا رہتا اور پھر کبھی اچانک ہی اس کے دوپٹے کو آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور اسے پتہ بھی نہ چلتا۔ گھر والے بڑی مشکل سے اس کے بدن پر سے دوپٹہ کھینچتے اور پانی سے اس آگ کو بجھاتے۔ یہ سلسلہ ابھی تک برقرار تھا اور معاملہ دن بدن بگڑتا جارہا تھا۔

اب نغمانہ کا چھوٹا بیٹا یاسر قریب قریب دو سال کا ہونے والا تھا اس کی بیماری کی وجہ سے معصوم یاسر پیدائش کے دن سے ہی نڈھال میں پل رہا تھا۔ بالآخر نغمانہ کے میکے والے اسے دوبارہ شاہ صاحب کے پاس لے گئے تاکہ وہ بتائیں کہ نغمانہ کے ساتھ حقیقت میں کیا مسئلہ ہے .....؟ وہ کون ہے جو ہاتھ دھو کر نغمانہ کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کا مستقل حل کیا ہے؟ شاہ صاحب ویسے کھل کھلا کر کسی مسئلے پر کسی کا نام نہیں لیتے تھے صرف تعویذ اور دم کیا ہوا پانی دے دیا کرتے تھے۔ لیکن نغمانہ کا گمبھیر مسئلہ اور زیادہ التجا کرنے پر وہ ناراض ہوگئے اور اس کے لئے انہوں نے رات میں خاص پڑھائی شروع کردی تاکہ اصل حقیقت اور ایسا کرانے والا کھل کر سامنے آجائے۔ نغمانہ کی زندگی و موت کا سوال تھا۔ ویسے تو شاہ صاحب پر حقیقت کھل گئی تھی۔

شاہ صاحب اپنی پڑھائی میں مشغول تھے کہ سامنے موجود ایک بہت بڑے آئینے میں قہقہہ لگاتے، کچھ

چہرے نمودار ہوئے۔ اس وقت نغمانہ کے ساتھ خالہ زبیدہ اور ریحانہ جو نغمانہ کی بہن تھی، موجود تھیں۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ چہرے کسی غیر کے نہ تھے بلکہ ان کے اپنوں کے تھے آئینہ میں نغمانہ کی بھابھی اور چچی کی بیٹی جو اس کی دیورانی بھی تھی وہ دونوں آپس میں خالہ بھانجی بھی تھیں، کے چہرے نمودار ہوئے۔ وہ تینوں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ شاہ صاحب بولے۔

''بہن! میں ویسے تو اپنے علم کی مدد سے اللہ کی ذات پر یقین رکھتے ہوئے پڑھائی کر کے دعا کرتا ہوں۔ یہ چیز جو میں نے تمہیں بتائی ہے درحقیقت ہمیں بتانے کی اجازت نہیں ہے لیکن تم اتنی مجبور و بے کس ہو کر میرے پاس آئی ہو تو اللہ کی ذات کی طرف سے مجھے یہ اشارہ ہوا کہ تم لوگوں کو حقیقت سے آگاہی ہو۔ یہی وہ دونوں ہیں جنھوں نے تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ یہ دونوں بہت متعصب ہیں، یہ آپ کی بیٹی سے جلتی ہیں اور اس بنا پر انہوں نے سفلی عمل کا سہارا لیا۔ اگر ہو سکے تو آپ انہیں سمجھائیں کہ برے اعمال دنیا میں کسی نہ کسی روپ میں آگے آجاتے ہیں۔ ان سے لڑائی جھگڑا مت کرنا۔ طریقے سے سمجھانا، کیونکہ ہمارا علم ہمیں لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن حقیقت یہی ہے جو تم لوگوں نے آئینے میں دیکھا ہے۔''

''شاہ صاحب! اس کی وجہ کیا ہے؟'' خالہ زبیدہ نے شاہ صاحب سے پوچھا۔

''بہن! بات کیا ہونی ہے۔ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کے لئے غلط کاموں پر اتر آتے ہیں۔ نغمانہ کی دیورانی یہ چاہتی ہے کہ نغمانہ مر جائے اور اس کی کنواری بہن اس گھر میں اس کی جیٹھانی بن کر آجائے اس وجہ سے وہ سفلی عمل کروا رہی ہیں۔ آپ لوگ انہیں طریقے سے سمجھا کر اس بات کا احساس دلائیں کہ یہ حرکتیں درست نہیں ہیں۔ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارا مذہب ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا، آپ پابندی سے تعویذ لیتی رہیں، غفلت سے بہت زیادہ نقصان بھی ہو سکتا ہے۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

خالہ زبیدہ سسک پڑیں اور آنسو بہاتی شاہ صاحب کے پاس سے اٹھ کر واپس اپنے گھر آگئیں۔

اور وہ گھر میں صلاح مشورہ کر کے اپنی بہو مائرہ اور اس کی بھانجی شکیلہ سے بات کی۔ لیکن بات کو سمجھنا تو دور کی بات، دونوں بھڑک اٹھیں۔

''تقدیر کی طرف سے مصیبت آگئی تو میرے پلے ڈال رہی ہیں۔'' مائرہ تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔

''اللہ کی طرف سے بیماری آئی ہے، یہ تو تقدیر کا فیصلہ ہے، ہم بھانجی خالہ کو کوستی ہیں۔ نغمانہ کی دیورانی اور بھابھی کا رشتہ جو ہوا۔'' شکیلہ تلملا کر بولی۔

خالہ زبیدہ شریف النفس، سیدھی سادھی تھیں۔ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں اور دوبارہ گھر میں اس بات کا کسی سے تذکرہ بھی نہ کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب نے بھی جھگڑے سے منع کیا تھا۔ اس کے بعد خالہ زبیدہ نے شاہ صاحب کے پاس بھی جانا چھوڑ دیا۔ اس واقعہ کو تقریباً تین ماہ گزر گئے۔

☆.....☆.....☆

ننھا یاسر آج پورے دو سال کا ہو چکا تھا۔ وہ چند دن کا تھا جب ماں پر فالج کا اٹیک ہوا تھا، اور وہ ماں کے دودھ سے تو کیا ماں کے پیار سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ دو سال وہ نانی کے گھر یعنی خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی یعنی خالہ کے ہاتھوں میں ہی پلا تھا، آج اس کی سالگرہ تھی۔ نغمانہ نے صبح ہی خالہ زبیدہ کے گھر فون کیا۔ یاسر کی سالگرہ کی مبارکباد دی۔ ریحانہ باجی کو بتایا کہ وہ گھر میں یاسر کی سالگرہ منائے گی اور چھوٹا سا فنکشن کرے گی۔ بیماری کی وجہ سے وہ پہلے سال بھی یاسر کی سالگرہ نہیں منا پائی تھی۔ اس کے لئے نغمانہ نے ناصر کو بازار بھیج کر کیک اور نمکو وغیرہ منگوائے۔ ریحانہ باجی بھی بہت خوش ہوئیں۔

نغمانہ نے یاسر کو ذہن میں رکھتے ہوئے خود ہی کیک کاٹا اور سارے سسرال والوں کو کیک اور دیگر چیزیں کھلائیں۔ نغمانہ نے تھوڑا سا سموسہ ہی کھایا تھا کہ اچانک اس کا دل خراب ہونا شروع ہو گیا۔ پھر اس نے منہ بھر کے الٹی کی۔ الٹی کے ساتھ ہی ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ نغمانہ کے حلق سے الٹی کے ساتھ ایک تعویذ بھی نکلا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسے سنبھال کر رکھ لیا اور بعد میں خشک ہونے پر کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی کیونکہ اس کاغذ پر عجیب وغریب نقش بنے تھے۔ الٹی کے بعد نغمانہ کا دل ذرا سا ہلکا ہوگیا۔ اس نے ریحانہ باجی کو بھی فون کر کے بتایا تو انہوں نے اسے تعویذ سنبھال کر رکھنے کو کہا۔ نغمانہ نے اس تعویذ کو ایک لفافے میں رکھا اور الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا۔

شام کے وقت نغمانہ کی طبیعت خراب ہوئی اور اسی دوران اسے بائیں جانب بھی فالج کا اٹیک ہوا۔ جس نے اسے بالکل بے سدھ کر دیا۔ ایک دو دن ایسے ہی رہنے کے بعد بالآخر شیطانی سفلی عملیات کی وجہ سے نغمانہ نے جان دے دی اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔

میکے اور سسرال کے سارے لوگ رو رہے تھے۔ نغمانہ کا بڑا بیٹا بھی ماں کے لئے زار وقطار رو رہا تھا۔ معصوم ماریہ تو صورتحال کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی بس وہ یہی کہہ رہی تھی کہ "اس کی ماما سوئی ہوئی ہیں اور کچھ دیر بعد جاگ جائیں گی۔" ہر آنکھ اشک بار تھی، بچوں کا بلکنا اور سسکنا دیکھ کر لوگوں کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ سوائے مائرہ اور شکیلہ کے۔

"ظالموں نے نغمانہ کو ہم سے چھین لیا۔" خالہ زبیدہ نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہم ظالم ہیں۔ انسان اپنی موت آپ مرتا ہے۔ تقدیر کے ہاتھ میں اس کی لکھی ہی اتنی تھی تو اس میں ہمارا کیا قصور۔" مائرہ اور شکیلہ آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

خیر نغمانہ کے جنازے سے فارغ ہو کر کھانے وغیرہ کے کام سے فرصت پا کر ریحانہ باجی نے اس کی بتائی ہوئی جگہ سے تعویذ نکال لیا تھا۔ نغمانہ کو شاید اپنی موت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے ایک دن پہلے ہی ریحانہ باجی کو تعویذ والی بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اپنے بیٹے ناصر جو اسکول کے بعد ٹیوشن پڑھتا تھا۔ مرنے سے قبل اسے اپنے پاس بلا کر کہا تھا۔

"ناصر میری جان! میرے بچے! ماما کے جانے کے بعد بھی ٹیوشن جاتے رہنا، ٹیوشن بالکل بھی مت چھوڑنا اور چھوٹے بہن بھائی کا اب تم نے ہی خیال رکھنا ہے۔" پھر اس نے اپنے بیٹے کو پانی لانے کے لئے کہا اور بڑی مشکل سے ایک سے دو گھونٹ پانی پیا تھا کیونکہ اس کی سانس مسلسل اکھڑ رہی تھی۔ اسی دوران اسے فالج کا دوسرا اٹیک ہوا تھا۔ اسے ہاسپٹل لے جایا گیا اور رات دن کے وقفے کے بعد نغمانہ نے دم توڑ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

نغمانہ کی والدہ نے وہ تعویذ جو الٹی کے ساتھ نغمانہ کے منہ سے نکلا تھا، اسے لے کر شاہ صاحب کے پاس گئیں۔ انہوں نے نغمانہ کی موت کے متعلق شاہ صاحب کو کچھ بھی نہ بتایا صرف الٹی اور تعویذ کے متعلق بات کی۔ شاہ صاحب نے تعویذ کو ہاتھ میں لیا اور آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگے۔ پھر وہ گویا ہوئے۔ "میں نے آپ لوگوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ بچی کی جان کو خطرہ ہے اور اس کے دشمن اس کو مارنے کے درپے ہیں۔ بالآخر وہی ہوا۔ یہ تعویذ جادو کے ذریعے اس کے دل پر رکھا گیا۔ تین مہینے کی مدت تھی۔ اس تعویذ کی اور جس دن اس کو الٹی ہوئی اس دن تین ماہ کی مدت پوری ہو چکی تھی لہٰذا وہ موت کا شکار ہوگئی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا علم یہی کہتا ہے۔" شاہ صاحب افسوس کرنے لگے۔ "شاید تقدیر کو یہی منظور تھا۔ خدا مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ہاں شاید تقدیر کبھی اپنا فیصلہ بدل دے۔"

خالہ زبیدہ زور زور سے سسکیاں لے کر رونے لگیں۔ لیکن ریحانہ باجی شاہ صاحب کی آخری بات سن کر کچھ حیران ہوئیں۔

"ہاں شاید تقدیر کو یہی منظور تھا۔ اور اب تقدیر کبھی اپنا فیصلہ بدل دے۔" ریحانہ باجی نے دل ہی دل میں کہا۔

گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے سب نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ خالہ زبیدہ نے بالکل چپ سادھ لی تھی۔ رشتوں کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بات کو چھیڑنا زیادہ ہنگامہ پیدا کرنے کے مترادف تھا۔ نغمانہ کے بھائی وغیرہ بھی تعویذ گنڈا جیسی باتوں پر یقین نہ رکھتے تھے۔ ویسے بھی مرنے والا تو چلا گیا تھا اور کسی نے خوب ہی کہا ہے۔ "آج مرے تو کل دوسرا دن۔" اب آہستہ آہستہ زندگی معمول کی ڈگر پر آنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

دن گزرتے گئے۔ سب اپنی اپنی مصروفیات میں کسی نہ کسی حد تک مصروف ہو گئے تھے۔ لیکن دس سالہ ناصر نے ماں کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کے لئے دل وجان سے محنت شروع کر دی تھی وہ ٹیوشن جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ چھوٹی بہن ماریہ کا بھی خیال رکھتا تھا۔ یا سر تو ننھیال میں خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی کے پاس ہی تھا۔

زندگی کے بارے میں آئندہ کے فیصلے ہو رہے تھے۔ معصوم ماریہ ان سب چیزوں سے بے نیاز تھی۔ وہ بچی جس نے ابھی ٹھیک طریقے سے یہ نہیں جانا تھا کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ موت جیسے لفظ سے پالا پڑ گیا تھا۔ معصوم ماریہ کو اس کی بے انتہا ضد پر آج خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی، نغمانہ کی قبر پر لے جا رہی تھیں۔ اس سے پہلے ماریہ کو ماں کی قبر پر نہیں لایا گیا تھا۔

اچانک جب قبرستان والی سڑک پر ان کی ٹیکسی آئی تو دوسری گاڑی سے اوورٹیکنگ کے دوران ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔ دونوں ڈرائیور گاڑیاں روک کر باہر نکل آئے اور ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔ دونوں خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی بھی گاڑی سے باہر نکل آئیں اور ان کا دھیان بھی ڈرائیوروں کی طرف ہو گیا، اور جب معاملے سے سب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ماریہ گاڑی میں موجود نہیں تھی۔

وہ دونوں گھبرا کر ماریہ کو ڈھونڈنے لگیں۔

"اللہ جی! ماریہ کدھر چلی گئی.....؟" ریحانہ باجی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ مگر ماریہ کہیں بھی نظر نہ آئی۔

"ہائے میرے مولا! میری نغمانہ کی امانت کدھر کھو گئی، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں روز محشر اسے کیا منہ دکھاؤں گی۔" یہ بول کر خالہ زبیدہ چکرا سی گئیں۔ ڈرائیور بھی ان کے ہمراہ ماریہ کو ڈھونڈنے لگا۔ ریحانہ باجی قبرستان میں بھاگتی دوڑتی قبروں کے دائیں بائیں چلتی ہوئی جا رہی تھیں اور "ماریہ..... ماریہ....." پکار رہی تھیں۔ ریحانہ باجی خالہ زبیدہ کے ساتھ ایک دفعہ پہلے بھی نغمانہ کی قبر پر آ چکی تھیں۔ قبرستان میں ادھر ادھر دیکھنے پر اچانک ان کی نظر ماریہ پر پڑی تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ غور سے دیکھنے لگیں کہ یہ ماریہ ہی ہے یا پھر کوئی اور بچی۔

اتنے میں خالہ زبیدہ بھی وہاں آ پہنچیں۔ وہ بھی ماریہ کو دیکھ کر اس کی طرف لپکیں۔ ماریہ نغمانہ کی قبر پر بیٹھی زار وقطار رو رہی تھی۔

"ماما..... گھر آ جاؤ نا، یہاں مت رہو نا، مجھے آپ کا یہ گھر بالکل بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔"

ماریہ کو آگے بڑھ کر گلے لگانے کے بجائے دونوں خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی اسے حیرت سے دیکھنے لگیں کہ اسے نغمانہ کی قبر پر کون لے کر آیا۔ ارد گرد کوئی ذی روح اپنا تو کیا پرایا بھی موجود نہ تھا۔ قبرستان بالکل خالی پڑا تھا۔ خالہ زبیدہ نے اپنا ذہن جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ کر ماریہ کو سینے سے لگا لیا۔ ڈرائیور کو بھی تسلی ہوئی کہ بچی خیریت سے مل گئی۔ خالہ زبیدہ نے اسے کرایہ دے کر فارغ کر دیا۔

"بیٹا! آپ یہاں کیسے آئیں.....؟" ریحانہ باجی نے سوال کیا۔

"ماما! مجھے یہاں لے کر آئیں، میں رو رہی تھی گاڑی کے پاس تو ماما نے مجھے دیکھا اور اپنے گھر لے آئیں۔" ماریہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں وہ حیران تھیں کہ معصوم بچی نے اتنے بڑے قبرستان میں بغیر کسی کے بتائے ماں کی قبر کیسے ڈھونڈ لی؟ وہ اس سے طرح طرح کے سوال کرنے لگیں لیکن کچھ نہ بن پڑا تو یہ سوچا کہ شاید دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دونوں نے اپنے دل کو سمجھا لیا۔

وقت ہوا کے پروں پر سوار گزرتا جا رہا تھا۔ لیکن معصوم ماریہ کا دل تو جیسے اپنی ماں میں ہی اٹک کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں تن تنہا رہ گئی تھی۔ اس نے ہوش سنبھالتے تک ماں کا وجود ہی اپنے سامنے دیکھا تھا۔ اسی کو اپنا سب کچھ مانا تھا اور وہی اس سے چھن گئی تھی۔ اسے کچھ بھی اچھا نہ لگتا تھا وہ ہر وقت چڑچڑی سی رہتی۔ اس نے اسکول جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

اپنی موت سے دو ماہ قبل ہی نغمانہ نے ماریہ کو اسکول میں داخل کروایا تھا۔ جب بھی گھر والے ماریہ کو اسکول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کا کہتے تو وہ ایک ہی بات کہتی۔

''ماما روزانہ اسکول چھوڑ کے آتی تھیں وہ آئیں گی تو میں اسکول جاؤں گی ورنہ نہیں جاؤں گی۔''

گھر والے یہ سن کر پریشان ہو جاتے اب کیسے اسے بتاتے۔ یہ بات سمجھاتے کہ اس کی ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا چھوڑ کر چلی گئی ہے اور دوبارہ کبھی بھی نہیں آئے گی۔

''بیٹا! آپ کی ماما کسی کام سے باہر گئی ہیں۔ کچھ دن تک لوٹ آئیں گی۔'' ریحانہ باجی نے بات بنا کر ٹالنا چاہا۔ ''اس لئے کچھ دن تو آپ کو ماما کے بغیر ہی اسکول جانا پڑے گا۔''

''جھوٹ بولتی ہیں آپ، میری ماما کہیں نہیں گئیں۔ وہ ہر روز رات میں میرے پاس ہوتی ہیں۔ وہی مجھے سلاتی ہیں۔ صبح ہوتے ہی کہیں چلی جاتی ہیں، جب میں اٹھتی ہوں تو وہ میرے پاس نہیں ہوتیں۔ پتہ نہیں کدھر چلی جاتی ہیں۔'' اور یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ ''خالہ آپ جائیں نا۔ میری ماما کو یہاں لے آئیں۔ ان سے کہیں ہر وقت میرے پاس ہی رہا کریں، وہ صرف رات کو ہی میرے پاس کیوں آتی ہیں۔'' اور وہ پھر سے رونے لگی اس کے معصوم اور بھولی بھالی باتیں سن کر سب کا دل بھر آتا۔

''جان! میں تمہیں کیا بتاؤں کہ تمہارے ساتھ کیا بیت چکا ہے۔'' ریحانہ باجی نے سوچتے ہوئے ماریہ کو سینے سے لگالیا۔ ان کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے۔

ماریہ نے کھانا پینا بھی بہت کم کر دیا تھا۔ کبھی جب بھوک بہت ستاتی تو دودھ وغیرہ پی لیتی یا کچھ کھالیتی ورنہ بھوکی ہی رہتی۔ ددھیال اور ننھیال والے سب معصوم ماریہ کے لئے پریشان تھے۔

ماریہ سارا دن اپنی ماں کی تصویر اٹھا کر اس سے باتیں کرتی اور رات کو وہ تصویر سرہانے تکیہ کے نیچے رکھ کر سو جاتی۔

خالہ زبیدہ اور ریحانہ باجی، ماریہ کو گھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ واپس جا کر ننھے یاسر کو بھی تو دیکھنا تھا۔

وقت گزرتا رہا، اور پھر نغمانہ کا چالیسواں کا دن آن پہنچا۔ گھر بھر میں سوگ کا عالم تھا۔ میکے کے سارے لوگ اس کے سسرال میں جمع تھے۔ سوائے ریحانہ باجی، یاسر اور بھابھیوں کے کیونکہ ریحانہ باجی کے نکاح کا بھی کوئی پروگرام بنانا تھا۔ ظاہر ہے یہ بھی نہ صرف وقت کی ضرورت تھی بلکہ سب سے بڑھ کر نغمانہ کے بچوں کو بھی ایک ماں کی ضرورت تھی۔ دن بھر سارے معروف رہے اور شام کو فارغ ہو کر جب سب اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو خالہ زبیدہ ماریہ کے پاس جا بیٹھیں تاکہ اس سے مل لیں انہوں نے ماریہ کو گلے لگا کر پیار کیا، اس سے باتیں کیں اور پھر جب ان کا دل بھرنے لگا تو وہ فوراً اٹھ گئیں، کیونکہ ماریہ انہیں روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتی۔ زبیدہ خالہ اپنے گھر آ گئیں۔

اکثر موقع دیکھ کر شکیلہ ماریہ کو مارتی پیٹتی بھی تھی۔ خوف کی وجہ سے ماریہ کو بخار ہو جاتا کیونکہ وہ بچی تھی اور ماں کی موت نے اسے تنہا کر کے رکھ دیا تھا۔ آج بھی شاید شکیلہ نے ایسا ہی کیا تھا، آج بھی ماریہ کو سخت بخار تھا۔ زبیدہ خالہ آئیں اور ماریہ کے پاس جا بیٹھیں، انہوں نے ماریہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ارے! اس کو تو بہت تیز بخار ہے۔'' ماریہ..... ماریہ..... بیٹا اٹھو..... اٹھو بیٹا..... اٹھو.....'' خالہ زبیدہ اس کے گالوں پر تھپکیاں دینے لگیں۔ باقی بھی ددھیال والے اردگرد ہو کر ماریہ کو دیکھنے لگے۔ ماریہ تھی بھی بہت معصوم اور بھولی بھالی، وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔

''ماما..... میری ماما کو لا دو..... ماما..... ماما.....'' وہ بخار میں بھی نغمانہ کو یاد کر رہی تھی۔ ''یہاں مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے مار بھی پڑتی ہے۔'' وہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہی تھی۔ ڈاکٹر کو فوراً بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے ماریہ کا ٹمپریچر چیک کیا تو معلوم ہوا کہ ماریہ کو ایک سو تین بخار تھا، اس کے دل کی دھڑکن بھی بہت تیز ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے ساری صورتحال اور نغمانہ کی موت سے متعلق ساری بات جان کر گھر والوں کو مشورہ دیا کہ بچی کو کچھ دیر کے لئے قبرستان لے جایا جائے، تو شاید ماں کی قبر پر بیٹھ کر اس کا دل بہل جائے اور ساتھ ہی ساتھ ہلکا بھی ہو جائے۔ اور سکون مل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے کیونکہ بخار کی وجہ شدید صدمہ اور خوف ہے۔ ماریہ کے ساتھ سختی کا رویہ رکھنے سے بھی منع کیا۔ تو سارے گھر والے شکیلہ کو گھور کے رہ گئے۔

ننھی ماریہ کسی طور اپنی ماں کو بھلا نہیں پارہی تھی۔ خالہ زبیدہ اور حمزہ بھائی اسے اٹھا کر قبرستان لے گئے اور نغمانہ کی قبر کے پاس جا بیٹھایا۔ تھوڑی دیر تو ماریہ غنودگی میں رہی پھر اچانک وہ عجیب سی باتیں کرنے لگی۔

''ماما...... یہاں مت رہو۔ یہ گھر بہت برا ہے۔ گھر چلو جہاں ہم سب مل کے رہتے تھے۔ اللہ میاں! میری ماما مجھے لوٹا دے۔'' وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کرنے لگی۔ ''ماما آپ کے بنا میرا اس گھر میں بالکل جی نہیں لگتا اور اگر آپ نے اب میری بات نہ مانی تو میں بھی آپ کے پاس ادھر آ کر سو جاؤں گی۔'' معصوم ماریہ ابھی باتیں کررہی تھی کہ اس پر غنودگی طاری ہوگئی اور وہ وہیں ماں کی قبر پر سر رکھ کر بے ہوش گئی۔

خالہ زبیدہ گھبرا گئیں کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ رات ہورہی تھی اور اس وقت مجبوری کے تحت وہ لوگ اسے یہاں لے کر آئے تھے۔ اچانک قبر کے اردگرد عجیب سا دھواں پھیل گیا۔ آسمان پر بن موسم بادل چھا گئے۔ بادل گرجنے چمکنے لگے۔ تیز بارش شروع ہوگئی۔ نغمانہ کی قبر میں ایک دم زوردار جھٹکے سے دراڑ پڑ گئی اور ایسا لگا جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہے یا پھر ہوچکی ہے۔ کچھ سمجھ نہ آیا دونوں کو۔ ننھی ماریہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سارا ماحول چند لمحے بعد پہلے جیسا ہوگیا۔ خالہ زبیدہ اور حمزہ بھائی اچنبھے میں پڑ کر حیران ہوگئے۔

ننھی ماریہ کا بخار بھی کافی حد تک اتر گیا تھا۔ وہ قبر کے سرہانے والی سائیڈ پر دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اور پھر وہاں جا کر یوں سر رکھ دیا جیسے ماں کی گود میں سر رکھ دیا ہو۔

تقدیر شاید اپنا فیصلہ بدلنا چاہتی تھی یا پھر بدلنے پر مجبور ہوگئی تھی کیونکہ ننھی ماریہ کا پیار جو آڑے آ گیا تھا۔

''چلیں پاپا، اب گھر چلتے ہیں، مجھے گھر جانا ہے۔ میں تھک گئی ہوں۔'' وہ بہت معصومانہ لہجے میں بولی۔ بارش کے دوران انہوں نے ماریہ کو ایک شیڈ کی اوٹ میں لے لیا تھا اس لئے بھیگنے سے محفوظ رہے تھے۔ حمزہ بھائی اور خالہ زبیدہ بے ہوش ماریہ کو بھی جلدی سے اٹھا کر شیڈ کے نیچے لے گئی تھیں۔ جب وہ دوبارہ قبر پر آئے تو ماریہ کو ہوش آ گیا تھا تو ماریہ نے خوش ہوتے ہوئے گھر چلنے کے لئے کہا۔

حمزہ بھائی اور خالہ زبیدہ ماریہ کو لے کر گھر روانہ ہوئے۔ وہ عجیب سی کشمکش کا شکار تھے کہ ماریہ میں ایک دم اچانک کتنی تبدیلی آ گئی تھی ماریہ بہت خوش تھی۔ اس کے چلنے کا انداز عام سا نہ تھا۔ وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے اس کے ساتھ کوئی ہے۔ کوئی ایسا وجود جو اسے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔ لیکن باقی سب کی نظروں سے اوجھل ہے۔ وہ گھر کے دروازے سے اندر یوں داخل ہوئی جیسے اس کا کسی نے ہاتھ تھام رکھا ہو۔ سب حیران و پریشان تھے کہ یہ سب کیا ہورہا ہے، لیکن سب حقیقت جاننے سے قاصر تھے۔

دوسری طرف چند دن بعد ریحانہ باجی کی حمزہ بھائی سے نکاح کی بات چل پڑی اور ساتھ ہی شکیلہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے کیونکہ یہاں تو اس کی بہن نے آنا تھا۔ ''یہ کیا ہوا اتنی محنت کا یہ صلہ؟ اس کے دل پر سانپ لوٹنے لگے وہ کسی صورت برداشت نہیں کرسکتی، اس گھر میں نغمانہ کی بہن ریحانہ آ کر موج کرے۔ وہ یہ سوچ کر آگ بگولہ ہوگئی۔ وہ طرح طرح کی نئی سازشوں کے متعلق سوچنے لگی۔ اس حوالے سے اس نے گھر میں ٹھیک ٹھاک ہنگامہ بھی کیا۔ موقع ملنے پر وہ نغمانہ کے بچوں کو مارتی پیٹتی بھی تھی۔ لیکن وہ چپ چاپ اس کا ظلم سہہ رہے تھے۔ ننھی معصوم ماریہ کو تو اب جیسے جینے کا بہانہ مل گیا تھا۔ حالات اپنے معمول پر آ گئے تھے۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ لیکن تقدیر کو ابھی بھی ایک فیصلہ کرنا تھا۔ جو باقی تھا۔

شکیلہ تین چار دن سے اپنی طبیعت میں عجیب سی بے چینی محسوس کررہی تھی اور نغمانہ جو ماریہ کے لئے لوٹ کر آئی تھی۔ وہ کسی اور کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ اس کو ماریہ کی آہ وزاری نے اللہ کے عرش کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ماریہ کی آہ و بکا سے مجبور ہو کر اللہ کی رحمت جوش میں

آ گئی تھی اور اس کے تحت نغمانہ کی روح اپنے بچوں اور خاص کر ماریہ کی حفاظت کے لئے آ گئی تھی۔

اتنا ظلم و زیادتی کرنے کے باوجود بھی شکیلہ کو خوف خدا نہیں تھا۔ شام سے ہی فضا سوگوار تھی۔ رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو مسلط تھا۔

رات کا ایک یا ڈیڑھ کا ٹائم ہورہا تھا۔ گھر میں سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ شکیلہ کو اپنی طبیعت میں عجیب طرح کی بے چینی محسوس ہوئی تو وہ کمرے سے باہر واش روم میں چلی گئی پھر وہ واش روم سے باہر آ گئی کہ اچانک باہر دروازے کی گھنٹی بجی تو اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھ کر حیران ہوئی ''اس وقت کون ہوسکتا ہے......؟'' اس نے بغیر سوچے سمجھے دروازہ کھول دیا۔ باہر سامنے سڑک پر عجیب سا دھواں پھیلا نظر آیا، اس دھوئیں میں اسے کچھ واضح نظر نہیں آرہا تھا بلکہ سفید لباس میں ملبوس کسی عورت کا ہلکا سا وجود کھڑا محسوس ہوا۔ وہ وجود چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

''ک...... ک...... کون ہے...... کون ہے ادھر......؟'' اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی، ''میں کہہ رہی ہوں کون ہو تم......؟'' وہ ابھی بھی دھوئیں میں صرف دھڑ کو دیکھ رہی تھی۔

''رب کریم نے ہر ظالم یا فرعون، چاہے وہ عورت کے روپ میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی بیخ کنی کے لئے کوئی نہ کوئی موسیٰ پیدا کردیتا ہے۔'' دھوئیں میں سے آواز آئی۔ کوئی نسوانی آواز تھی اور جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ اب دھواں چھٹ چکا تھا اور سفید لباس میں ملبوس وہ وجود واضح ہو کر سامنے آ چکا تھا۔

ن...... نغ...... نغمانہ تم...... ت...... تو...... تم'' اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

''ہاں میں نغمانہ تمہاری جیٹھانی۔''

''لیکن تم تو مرگئی تھیں......'' شکیلہ نے ہمت پیدا کرکے بات کی۔

''ہاں میں مرگئی تھی۔ کیونکہ تم نے مجھے سفلی عمل سے مروادیا تھا۔ میں نے اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر سر جھکا لیا تھا۔ میری روح میرے بچوں کے لئے تڑپتی رہی لیکن میں خدا کی رضا میں راضی رہی اور میری روح رات میں خدا کے حکم سے اپنے بچوں کو سلانے کے لئے ضرور آتی تھی، تم نے میری موت سے پہلے فساد برپا کئے رکھا اور اب میری موت کے بعد بھی تمہیں چین نہیں آیا۔ میری بچی کی تڑپ دیکھ کر، تمہارا اس کو مارنا پیٹنا دیکھ کر تقدیر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہوگئی۔ تقدیر خدا نے تمہیں لگام دینے لئے مجھے بھیج دیا ہے۔'' نغمانہ کی روح نے جواب دیا۔

''دیکھو! تمہاری زندگی ختم ہوچکی تھی، تو تم مرگئی۔ وہ تمہاری تقدیر تھی۔ اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔'' شکیلہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہاں تم نے بالکل درست کہا ہے۔ بس اپنی بات پر قائم رہنا۔'' نغمانہ کی روح مسکرانے لگی۔ اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ اتنے میں اپنے کمرے سے فائق بھائی بھی باہر نکل آئے۔

''ارے یہ تم آدھی رات کے وقت یہاں کھڑی کیا کررہی ہو؟'' وہ شکیلہ کو جھنجھوڑتے ہوئے بولے۔ ''اور یہ کیا ہوا......؟ ہوا سے باتیں کررہی ہو۔ پاگل ہوگئی ہو کیا؟'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولے۔

''و...... و...... وہ...... وہ دیکھو! سامنے کون کھڑا ہے؟'' شکیلہ نغمانہ کی روح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''کدھر...... کہاں...... کون کھڑا ہے؟ آدھی رات کو یہاں کس نے آنا ہے۔'' فائق بھائی دروازہ بند کرتے ہوئے بولے۔

''ارے اسے تو باہر نکالو۔'' وہ نغمانہ کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کسے باہر نکالوں؟ کون ہے ادھر؟ چلو اندر اور کمرے میں چل کر لیٹ جاؤ۔ نیند میں اٹھ کر پہلے تو باہر کا دروازہ کھول دیا اور اب اوٹ پٹانگ بک رہی ہو۔'' فائق بھائی منہ بناتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔

نغمانہ کی روح سامنے کھڑی بدستور مسکرا رہی تھی۔

''میری پیاری دیورانی میں تمہارے علاوہ کسی اور کو نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آؤں گی تو دکھائی دوں گی نا، میں ایک روح ہوں اور صرف اسی کو نظر آؤں گی جس کو میں خدا کی رضا سے نظر آنا چاہوں گی۔ تمہارے سوا اس وقت میں سب کی نظروں سے اوجھل ہوں۔'' ''خدا کے لئے تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' شکیلہ اس کی منت سماجت کرنے لگی۔ ''میں یہاں جانے کے لئے نہیں، یہاں اپنے بچوں کی حفاظت اور تمہیں سبق سکھانے کے لئے آئی ہوں۔ نغمانہ کی روح نے جواب دیا۔ ''مر کے بھی تمہیں چین نہیں آیا۔ میری خوشیاں چھیننا چاہتی ہو۔'' شکیلہ تلملاتے ہوئے بولی۔

''مجھے چین نہیں آیا، یا تمہیں، مجھے مار کر بھی چین نہیں آرہا۔ میری زندگی ختم کر کے، اب میرے بچوں کی زندگی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو اور کن خوشیوں کی بات کرتی ہو تم، کسی کا گھر اجاڑ کر وہاں کسی اپنے کا گھر بسانے کو تم خوشی کا نام دے رہی ہو۔ یہ خوشی تمہیں کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ تمہاری بہن کی شادی اس گھر میں کبھی نہیں ہوگی۔ ریحانہ اور حمزہ کی شادی میں رکاوٹ مت ڈالو، نغمانہ کی روح اسے سمجھانے لگی۔

''شادی تو ضرور ہوگی کیونکہ دیورانی ہونے کے ناتے سے اب اس گھر پر میری بہن کا حق ہے کہ وہ میری جیٹھانی بن کر آئے۔ شکیلہ پریشانی کے عالم میں بھی اپنی ضد پر قائم تھی۔

''حق..... حق! تو پھر میرا بچہ پیدائش کے دن سے لے کر اب تک پالنے کے حساب سے اس گھر پر۔ میرے شوہر پر اور میرے بچوں پر میری اپنی بہن ریحانہ کا بنتا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس رشتے کے ساتھ مخلص ہے۔ تمہاری طرح مفاد پرست نہیں۔ خیر چھوڑو حق کس کا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا لیکن اب کسی چکر میں مت رہنا کہ مجھے راستے سے ہٹا کر اپنا کھیل، کھیل لوگی، کیونکہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں راستے سے ہٹنے والی نہیں ہوں۔'' نغمانہ کی روح اپنی بات میں رعب کا انداز لئے ہوئے تھی۔ ''جب تک یہ روح جسم میں تھی تم اس کو کافی تکلیف دے چکی۔ لیکن اب یہ روح جسم سے آزاد ہو چکی ہے۔ اس لئے تمہاری کسی بھی سفلی عمل کا اس پر اثر نہیں ہونے والا۔ پھر بھی اگر تم نے کوئی گھٹیا حرکت کرنے کی کوشش کی تو غور سے سن لو!! اب اس کا منہ توڑ جواب ملے گا۔ نغمانہ کی روح نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر وہ سیڑھیوں والی جانب بڑھی۔ ''اب میں چلتی ہوں۔ بچے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

شکیلہ چکر کھا کر وہیں گر گئی اور صبح تک بے ہوش پڑی رہی۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی گھر والے اٹھ گئے اور جب انہوں نے اور خاص کر فائق بھائی نے شکیلہ کو بے ہوش پڑا دیکھا تو اچنبھے میں پڑ گئے۔ بڑی کوشش اور تگ و دو کے بعد شکیلہ کو ہوش آیا۔

شکیلہ کو کسی طور پر چین نہیں آرہا تھا۔ بالآخر موقع ملتے ہی وہ سفلی والے کے پاس جا پہنچی اور بدحواسی کے عالم میں بولی۔ ''ارے بابا! یہ کیسا عمل کیا آپ نے، بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، میری ساری محنت پر پانی پڑ گیا۔''

''کیوں کیا ہوا تیرے ساتھ.....؟'' بابا جلال میں آ کر بولا۔

''وہ کمبخت واپس آ گئی ہے۔'' وہ سر تھام کر بولی۔

''کون.....؟''

''نغمانہ..... اور کون.....!'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''وہ تو مر گئی تھی۔'' بابا بولا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہے تو؟ گڑبڑ والی کوئی بات نہیں ہے، ہماری طرف سے۔ یہ کالا علم ہے۔ فوراً اثر دکھاتا ہے۔ تو نے ہی کوئی غلطی کی ہوگی۔ ٹھہر مجھے پتہ لگانے دے۔'' بابا آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

''جلدی کرو بابا، کہیں وقت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔'' شکیلہ دائیں بائیں دیکھ کر کہنے لگی۔

''ارے کمبخت! یہ کیا ظلم کر دیا تو نے۔ آدھا کام کر کے مجھ کو الزام دے رہی ہے۔ جا اور جا کے کام پورا کر۔ نہیں تو تیری جان کو خطرہ ہو گیا ہے۔''

''کیا!! بابا میں سمجھی نہیں.....؟'' شکیلہ نے

لرزتے ہوئے کہا۔

''ارے! وہ چیز جو میں نے تجھے دی تھی عمل کے لئے، عمل مکمل ہونے کے بعد تو نے اسے مردے کے ساتھ دفن نہیں کیا۔ جواب اتنی مصیبت بنی ہوئی ہے یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' بابا غصے میں بولا۔

''کہیں وہ پتلا.....؟'' شکیلہ ذہن پر زور دینے لگی تو اسے یاد آیا۔ ''بابا..... اب میں کیا کروں.....؟''

''میں نے پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا، میری طرف سے عمل پکا ہے کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ تجھ سے غلطی ہوئی تو تجھے بھرنی ہوگی۔ جا چلی جا یہاں سے اور اب بھگت.....'' بابا کو اپنی فکر پڑ گئی تھی۔

شکیلہ فوراً اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ شکیلہ کی رنگت نیلی پیلی ہونے لگی تھی۔ وہ فوراً گھر میں آئی اور پتلا ڈھونڈنے لگی۔ جو کوئی بھی بات کرتا، اسے الٹا سیدھا جواب دے دیتی۔ شام کے سائے ڈیرا ڈال رہے تھے۔ بالآخر وہ پتلا اسے بچوں کے ہاتھ میں مل گیا۔ بچے اسے دراز میں سے، جہاں اس نے اسے چھپایا تھا نکال کر کھیل رہے تھے۔ اس نے پتلے کو چادر میں چھپایا اور بغیر کسی کو بتائے قبرستان چلی گئی۔ اس کے اس عمل کا فائق بھائی کو بھی پتہ چل گیا تھا۔

قبرستان میں ہو کا عالم تھا۔ ہر سو ویرانی اپنا مسلط جمائے بیٹھی تھی۔ عجیب خوف و ہراس نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ اب شام کا دھندلکا چھانے لگا تھا۔ سناٹے میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ قبرستان میں موجود قبریں، جھاڑیاں اور چھوٹے بڑے درخت بہت خوفناک منظر پیش کر رہے تھے اگر شکیلہ کی نظر ان پر پڑ جاتی تو اسے اس وحشت زدہ ماحول میں اس پر کپکپی طاری ہو جاتی مگر اس پر تو خوفناک دھن سوار تھی۔ وہ بغیر کسی چیز کی پروا کئے نغمانہ کی قبر کھودنے لگی۔ اسے اتنا بھی یاد نہ رہا کہ گورکن بھی وہاں موجود ہے اور اس کی حرکت کا جائزہ لینے کے لئے وہ درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہے اس کا سارا تماشا دیکھنے لگا، وہ پتلے کو قبر میں دفن کرنے کے لیے تیزی سے قبر کی مٹی ہاتھوں سے ہٹا کر پتلے کو قبر میں ڈالنا چاہتی تھی۔ پتلا اس کی گود میں پڑا تھا۔ کہ اچانک اس کی گود میں حرکت ہوئی، ''ارے یہ کیا ہل رہا ہے میری گود میں؟'' شکیلہ حیران ہو کر اپنی گود میں دیکھنے لگی۔ جب اس نے غور کیا تو اس نے دیکھا کہ بے جان پتلا خود بخود حرکت کر رہا ہے۔ وہ ڈر گئی۔ اس نے جلدی سے کھودے ہوئے حصے میں اس پتلے کو رکھ کر اوپر مٹی ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن سب بے کار گیا۔ پتلا ہاتھ پاؤں سے مٹی اچھالتا ہوا ایک دم اچھل کر باہر آ گیا قبر سے۔ اب تو شکیلہ کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔ وہ پتلے کی یہ حرکتیں دیکھ کر ڈر کے پیچھے ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پتلا پھیلنے لگا اور انسانی جسامت کا ہو گیا۔ اب شکیلہ کے سامنے ایک چھوٹا سا پتلا نہیں بلکہ تین فٹ وجود جتنا بڑا پتلا کھڑا تھا۔ جو جاندار حالت میں تھا اور حرکت کر رہا تھا۔ اس کے اندر سے نسوانی آواز سنائی دی تو شکیلہ حواس باختہ ہو کر لرزنے لگی کیونکہ وہ آواز اس کی نہیں بلکہ وہ آواز نغمانہ کی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا، کہ تم باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے لیکن تم نے میری باتوں پر کان نہیں دھرا، لہٰذا مجبور ہو کر مجھے تمہارا قصہ ہی تمام کرنا پڑے گا۔ تمہیں تمہارے اوچھے کرتوتوں کے لئے سبق سکھانا پڑے گا۔'' نغمانہ کا پتلا غصے میں آ کر بولا۔

''دیکھو! میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم اپنی تقدیر کے ہاتھوں مری ہو۔'' شکیلہ نے لرزتے ہوئے کہا اس کی سانس مارے خوف کے پھولی ہوئی تھی۔

''اپنے غلط عمل کو تم تقدیر کا نام دے رہی ہو۔ چلو یہی حقیقت سہی کہ یہ میری تقدیر تھی۔ کیونکہ اگر میرے نصیب میں جینا لکھا ہوتا تو تم میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتی۔ اور اب تقدیر نے تمہارا فیصلہ سنانے کے لئے مجھے بھیجا ہے۔ تمہیں بھی اس دنیا میں آنا ہوگا جہاں میں ہوں۔'' اب پتلا شکیلہ کی طرف بڑھنے لگا۔

''ی..... ی..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں تو بالکل ٹھیک اور جوان ہوں۔ تو پھر میں کیسے مر سکتی ہوں۔ تقدیر ایسا فیصلہ نہیں کر سکتی۔''

''کیوں نہیں کر سکتی، تقدیر، بوڑھا یا جوان نہیں دیکھتی، میں تو تقدیر کے ہاتھوں لکھی موت مری لیکن تم نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھٹیا عمل کر کے اور ان سے باز نہ آ کر اپنی تقدیر کا فیصلہ اپنے ہاتھوں سے بدلہ ہے۔ میں جب مرنے کے بعد پہلی بار تم سے ملی تھی تو تم نے یہی کہا تھا کہ سب تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے اور میں نے کہا تھا کہ اپنے فیصلے پر قائم رہنا، تم ٹھیک کہہ رہی تھی اور اب تمہارے ساتھ جو ہوگا وہ بھی تقدیر کا فیصلہ ہی ہوگا اور بہت جلد یہ فیصلہ تم پر لاگو ہونے والا ہے۔ سو تمہارے اعمال نے اس قسم کا نتیجہ پیدا کیا کہ تمہاری تقدیر میں بھیانک موت لکھ دی گئی ہے اور اب اس کے برخلاف نہیں ہوسکتا۔'' نغمانہ کا پتلا یہ کہتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

''خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔'' وہ قبرستان سے باہر جانے کا راستہ دیکھنے لگی اور بڑی کوشش سے وہ بھاگ کر قبرستان کے دروازے تک پہنچی تھی۔ کہ قبرستان میں ہر طرف نغمانہ کے بے شمار پتلے قہقہہ لگاتے نظر آرہے تھے۔ رات کے اندھیرے میں حشرات الارض کی آوازیں ماحول کو اور بھی خوفناک بنا رہی تھیں۔ لیکن اچنبھے میں ڈالنے والی ایک بات یہ بھی تھی کہ اس پورے اطراف میں واضح روشنی پھیل گئی تھی۔ درخت کے اوٹ میں کھڑا گورکن نے جب ناقابل یقین رگوں میں خون کو منجمد کرتا منظر دیکھا تو کپکپاتے قدموں سے بھاگتا ہوا اپنی جھونپڑی میں آ کر دھپ سے چارپائی پر پڑ گیا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور لرزنے لگا۔

''کسی نے کیا خوب کہا ہے گیدڑ کی جب شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ لیکن افسوس اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہر بار تقدیر نے تمہیں موقع دیا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ تم باز نہیں آئیں۔ ویسے بھی انسان کو اس کے برے اعمال واصل جہنم کردیتے ہیں اور یہی کچھ تمہارے ساتھ.....'' اور بات ادھوری رہ گئی۔ نغمانہ کا پتلا طنزاً مسکرایا اور پھر وہ تھوڑا آگے بڑھا۔ شکیلہ کے قدم شل ہوگئے تھے۔ اس کا جسم برف کی سل بن گیا تھا۔

اقبال کی شاعری نغمانہ کو بہت پسند تھی لیکن زندگی نے اس کو زیادہ پڑھنے کا موقع نہ دیا۔ اس نے ایک شعر کہا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

پتلے کے دونوں ہاتھ از خود لمبے ہونے لگے اور پھر شکیلہ کی گردن پر ان کی گرفت سخت سے سخت ہوتی گئی۔

نغمانہ کی روح جس نے پتلے میں گھس کر شکیلہ کا قصہ تمام کیا تھا۔ پتلے سے نکل گئی اور پتلا واپس اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

☆.....☆.....☆

فائق بھائی شکیلہ کا پیچھا کرتے ہوئے قبرستان تک پہنچ گئے تھے وہ جلدی سے دوڑ کر قبرستان کے دروازے تک پہنچے تو دروازے پر شکیلہ کی لاش پڑی ہوئی تھی چہرہ بھیانک اور آنکھیں پتھرا کر اور پھیل گئی تھیں۔ اس کو دیکھ کر فائق بھائی پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ فائق بھائی گورکن کی طرف دوڑے۔ اندھیرے میں کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔ گورکن اپنی جھونپڑی میں خوف و ہراس کی حالت میں پڑا تھا۔ وہ بے سدھ تھا۔ فائق بھائی نے اسے جھنجھوڑ دیا تو وہ جیسے ہوش میں آ گیا اور فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن اس کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ اس نے فائق بھائی کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ تو وہ سن کر حیران رہ گئے۔ پھر دونوں جلدی سے شکیلہ کی طرف بڑھے تو غور کیا کہ اس کا دوپٹہ ایک طرف سے جلا ہوا ہے لیکن اس کے آس پاس آگ لگانے والی کوئی چیز نہ تھی اور اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے سروں سے خون نکل رہا تھا۔

فائق بھائی حیران ہوئے کہ یہی مسئلہ تو نغمانہ کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔ شکیلہ کے پاس ایک بے جان پتلا بھی پڑا ہوا تھا۔

وہ ایمبولینس کا انتظام کر کے شکیلہ کی لاش کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ پتلا بھی فائق بھائی نے سنبھال لیا تھا۔ سارے گھر والے اس المناک سانحے سے سخت پریشان ہوگئے تھے۔

نغمانہ کی موت ہوئے ابھی ایک سال بھی پورا نہ گزرا تھا۔ شکیلہ کی بھی موت واقع ہوگئی تھی۔ اس کے

جنازے سے فارغ ہو کر چند دن بعد فائق بھائی کو بیٹھے بٹھائے اچانک پتلا یاد آیا تو وہ اسے باہر لا کر دیکھنے لگے۔ انہیں کچھ سمجھ نہ آیا۔

خالہ زبیدہ بھی فوتگی کی وجہ سے یہاں رکی ہوئی تھیں۔ ان کی نظر بھی ایک دم پتلے پر پڑی۔

''فائق بیٹا یہ کیا ہے؟'' خالہ زبیدہ نے پوچھا۔

''تائی یہ پتلا مجھے شکیلہ کی لاش کے پاس ملا تھا۔''

فائق بھائی شکیلہ کی موت سے ٹھیک ٹھاک ڈسٹرب تھے۔ خالہ زبیدہ نے پتلا اپنے ہاتھوں میں لیا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''بیٹا! ایک بزرگ ہیں جو اپنے علم کے ذریعہ سے کافی کچھ بتا دیتے ہیں میری بات مانو تو ان کے پاس چلتے ہیں اور یہ پتلا انہیں دکھاتے ہیں۔''

فائق بھائی، خالہ زبیدہ کی بات مان گئے اور خالہ زبیدہ کے ساتھ چل پڑے۔ باقی گھر والوں نے بھی اس بات پر اتفاق کیا، دونوں شاہ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ خالہ زبیدہ کو دیکھ کر شاہ صاحب بولے۔ ''بہن کیسے آنا ہوا۔ آپ ویسے کافی وقت سے آئیں نہیں۔''

خالہ زبیدہ بولیں۔ ''شاہ صاحب کیا بتاؤں۔ وقت کے نشیب و فراز میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اب ایک کام سے آپ کے پاس آئی ہوں۔'' اور خالہ زبیدہ نے پتلا شاہ صاحب کے سامنے رکھ دیا اور پتلے کے متعلق چند باتیں کیں۔ تو شاہ صاحب نے پتلے کو اپنے ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر پتلے کو سامنے رکھ کر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگے۔

''یا الٰہی! تیرا شکر ہے۔ تیرا بڑا کرم ہے کہ ظالم کا برا ہوا اور اپنے انجام کو پہنچا۔'' شاہ صاحب نے کچھ پڑھائی کرنے کے بعد کہا۔

''کیا مطلب شاہ صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں سمجھی نہیں۔'' خالہ زبیدہ بولیں۔

''بتاتا ہوں.....'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے ان کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں، پھر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ''اس پتلے کو غور سے دیکھو یہ تمہاری بیٹی نغمانہ کا پتلا ہے۔ اس کے ہاتھوں کو دیکھو۔ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے سروں کو دیکھو۔ ان میں چھوٹی چھوٹی سوئیاں پیوست ہیں اور انگلیوں کے سروں پر خون لگا ہوا ہے اور اس کا جلا ہوا دوپٹہ یہ بتا رہا ہے کہ اسے یعنی نغمانہ کو جلانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے سینے پر تعویز کا نقش ہے۔ یہ وہی تعویز ہے جو سفلی عمل کے ذریعہ نغمانہ کے دل پر رکھا گیا تھا جس نے اس کا قصہ تمام کردیا۔ یہ وہ پتلا ہے جس کو ہتھیار بنا کر ظالم انسان نے نغمانہ کو موت کے گھاٹ اتارا، اور پھر بعد میں بدبخت خود بھی موت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس پتلے میں نغمانہ کی جان کو قید کر کے اذیت دے کر ختم کیا گیا۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

خوب..... بہت خوب، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ نغمانہ کا اس پتلے سے واسطہ مرنے کے بعد بھی۔'' خالہ زبیدہ نے پوچھا۔

''نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ نغمانہ کا واسطہ اس سے نہیں۔ یہ رب العزت کا فیصلہ ہے۔ بس شکیلہ نے نغمانہ کے لئے اس پتلے کو ہتھیار بنایا تھا اور اللہ نے شکیلہ کو سزا دینے کے لئے اس پتلے میں نغمانہ کی روح اس پتلے میں ڈال دی اور اس پتلے کے ذریعہ شکیلہ کی موت واقع ہوگئی۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

فائق بھائی بالکل خاموش تھے اور ساری باتیں سن رہے تھے۔ وہ شکیلہ کی گھٹیا اور گھناؤنی حرکت پر دل برداشتہ ہی نہیں بلکہ شرمندہ بھی تھے۔ خالہ زبیدہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی، وہ روندھی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''شاہ صاحب اب پھر اس پتلے کا کیا کریں.....؟''

''آپ لوگ اس پتلے کو آس پاس کے کسی بھی دریا یا نہر میں بہا دیں اس پر دم کئے دیتا ہوں تاکہ یہ بالکل بے ضرر ہوجائے۔'' شاہ صاحب نے کہا۔ فائق بھائی، شاہ صاحب کی ساری بات سن چکے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ شکیلہ جادو ٹونا والے عملیات کرواتی رہتی تھی اور اب شاہ صاحب کی بات سے انہیں پکا یقین بھی ہوگیا تھا کہ نغمانہ کا سارا مسئلہ، اس کی موت، اور پھر شکیلہ کی ویسی ہی موت اور اس کے پاس سے نغمانہ کا پتلا ملنا اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ شکیلہ ہی نغمانہ کی موت کی ذمہ دار تھی۔ فائق بھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دل میں شکیلہ کے لئے نفرت بھر گئی۔

قبرستان میں خوفناک منظر کو دیکھنے کے بعد شکیلہ کے بچوں نے قبرستان جانا بھی چھوڑ دیا۔ نغمانہ کے بچے اس دن ننھیال گئے ہوئے تھے وہ اس سارے واقعے سے لاعلم تھے اور شکیلہ کی موت کا سن کر آئے تھے۔

☆.....☆.....☆

آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا اور پھر شکیلہ کے چالیسواں کے بعد، ریحانہ باجی اور حمزہ بھائی کے نکاح کا منصوبہ بننے لگا۔ لیکن ریحانہ باجی بے چین تھیں۔ وہ اپنے بہنوئی سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ جبکہ نغمانہ کی روح بھی واپس آ گئی تھی۔ ریحانہ باجی دو تین دن سے سخت بے چین تھیں کہ ایک دن رات کو خواب میں ان کی نغمانہ سے ملاقات ہوگئی۔

"ریحانہ میرے بچوں کے پاس جلدی آ جاؤ۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ میں تو بس ایک روح ہوں۔ جسم سے جدا۔ میرا اب اس دنیا سے صرف روح کی حد تک واسطہ ہے۔ بچوں کو ماں کی گود کی گرمی چاہیے جو انہیں صرف تم دے سکتی ہو، اور سب سے بڑھ کر حمزہ کو تمہاری ضرورت ہے۔ اگر حمزہ سے تمہارا نکاح نہ ہوا تو وہ کہیں نہ کہیں تو شادی کرے گا نا۔ میرے بچوں کو پھر کون سنبھالے گا۔ حمزہ اور بچوں کو صرف تم سنبھال سکتی ہو۔" نغمانہ کی روح نے کہا۔

"نغمانہ میں....."

"خدا کے لئے منع مت کرنا، تمہیں اپنے پہلو میں لیٹے ہوئے میرے یاسر کی قسم، جیسے تم ماں سے بھی بڑھ کر پال رہی ہو۔ تمہیں اس کا واسطہ۔" نغمانہ کی روح گمبھیر لہجے میں بولی۔ ریحانہ باجی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھامنے لگیں کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کوئی بھی نہ تھا۔ بلکہ اس کے پہلو میں ننھا یاسر ضرور سویا ہوا تھا۔ اس خواب کے بعد ریحانہ باجی کا ذہن بھی شادی پر آمادہ ہوگیا۔ پھر چند دن بعد ریحانہ باجی، حمزہ بھائی کی دلہن، ماریہ، اور یاسر کی ماں بن کر ان کے گھر میں آ گئیں۔

وقت کا پہیہ گھوم رہا ہے۔ اس واقعے کو کئی سال بیت چکے ہیں اور میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اچھا انسان سب کچھ کھو کر بھی بہت کچھ پالیتا ہے اور برا انسان سب کچھ پا کر بھی اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے۔ نغمانہ کی موت کا موجب شکیلہ بنی۔ مرنے کے بعد اللہ کی پاک ذات نے اسے، اس کے بچوں کے لئے اور شکیلہ سے انتقام کے لئے بھیج دیا۔ شکیلہ جیسی گھٹیا عورت نے محض اپنی بہن کا گھر بسانے کے لئے سفلی عملیات کے ذریعے نغمانہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس کے گھناؤنے اقدام سے اس کی اپنی موت کا سبب بنے، وہ اپنے بسے بسائے گھر سے اور زندگی سے بھی جاتی رہی، نغمانہ کے بچوں کو دوسری ہمدرد ماں مل گئی، بچے بہت خوش تھے۔

دوسری طرف شکیلہ نے اپنی غلط حرکتوں کی وجہ سے موت کے منہ میں جا کر اپنے بچوں سے ان کی ماں بھی چھین لی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا ہی کاٹو گے۔

شکیلہ کے بچوں نے قبرستان کے دروازے پر شکیلہ کو بھیانک چہرے میں مرے ہوئے دیکھا تھا۔ آج کتنے سال گزرنے کے بعد بھی وہ سب، قبرستان کی طرف نہیں گئے، ان کے اندر اس وقت کا خوف سرایت کر چکا ہے۔ نغمانہ کے بچے ماں کی قبر پر ہر جمعرات کو باپ اور اپنی دوسری ماں کے ساتھ جاتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ فائق بھائی نے دوسری شادی کرلی ہے ان کی بیوی سوتیلے بچوں کے ساتھ موقع دیکھ کر برا سلوک کرتی ہے۔ انہیں مارتی پیٹتی ہے۔ ریحانہ باجی اسے سمجھاتی ہیں لیکن وہ پروا نہیں کرتی۔ ریحانہ باجی، نغمانہ کے بچوں کے ساتھ ساتھ شکیلہ کے بچوں کا بھی خیال رکھتی ہیں۔

سفلی عمل والے بابا کے ٹھکانے پر پولیس نے چھاپہ مارا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ کافی عرصے سے غلط عملیات کر کے لوگوں سے پیسہ لوٹ کر ان کے گھر خراب کر رہا تھا۔

آج بھی نغمانہ کو اس کے اپنے یاد کرتے ہیں اور اس کے لئے روتے ہیں۔ لیکن شکیلہ کو یاد کرنے والا اور رونے والا یہاں کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اپنے بچے بھی اسے یاد نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہوا شکیلہ کے ساتھ کیونکہ ہر برے کا برا انجام ہوتا ہے۔

راز

عامر ملک-راولپنڈی

پورے علاقے پر جیسے موت نے اپنا آہنی پنجہ گاڑ دیا تھا، حالات اتنے گھمبیر ہوچکے تھے کہ کسی بھی ذی روح کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ اچانک ایک خوفناک دیوہیکل وجود.....

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ایک خوفناک اور دہشت ناک روداد

اس نے اپنے شوہر ناصر کو سرپرائز دینے کا پروگرام بنایا۔ اور روانگی کی تیاری شروع کردی.....

"وہ اپنے پروگرام سے پانچ دن قبل جب گھر پہنچی، تو ناصر اچانک اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہوجائے گا۔ اور پھر اس کا گول چہرہ مسرت سے دمک اٹھے گا۔ کھڑکی کے شیشوں کے پیچھے اس کی آنکھیں جھمکنے لگیں گی۔ پھر وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کے چہرے پر اس طرح نگاہیں گاڑ دے گا۔ گویا دیکھ رہا ہو کہ ایک ماہ کی جدائی نے اس پر کیا اثرات چھوڑے ہیں۔ پھر وہ چائے تیار کرے گی اور وہ دونوں آگ کے قریب بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے۔"

مگر اس روز موسم، رات ہی سے ابر آلود اور خراب تھا۔ پھر زوردار بارش اور تیز ہوا شروع ہوگئی۔ مگر اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر بھی پروگرام ملتوی نہ کیا، اور روانہ ہوگئی۔ موسم نے طوفانی شکل اختیار کرلی تھی۔ وہ اسی حالت میں گھر پہنچی۔ اس نے تالے میں چابی گھمائی اور کنڈی کھول ہی رہی تھی کہ ہوا کے تیز جھونکے سے دونوں پٹ کھل کر دیوار سے جا ٹکرائے۔ دروازے کو دوبارہ بند کرنے کے لئے اسے خاصی قوت صرف کرنی پڑی۔ کیونکہ ہوا بری طرح دروازے کو دھکیل رہی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھائی ہی تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بارش کی تیز بوچھاڑ اس زور کے ساتھ کھڑکی پر پڑ رہی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کھڑکی توڑ کر اندر گھس آئے گی۔ بارش اور ہوا کے شور میں اسے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ ٹیکسی کب اسٹارٹ ہوئی اور کب واپس سڑک پر گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔ اگر مزید دیر ہوجاتی تو ٹیکسی اس چڑھتے ہوئے پانی میں سے نہ گزر سکتی۔ کوئی دوسرا متبادل راستہ بھی نہ تھا کہ اس سے ہو کر وہ گھر پہنچتی۔ اس طرح کی بارش میں چوراہے اور سڑکیں زیر آب ہوجاتی ہیں۔ گھر میں کہیں روشنی نظر نہ آرہی تھی..... ناصر گھر پر موجود نہ تھا۔ جب اس نے صوفے کے قریب کا بلب روشن کیا تو اسے کسی قدر سکون محسوس ہوا..... وہ اپنی بہن سے مل کر آرہی تھی اور تمام راستے یہ سوچتی رہی تھی کہ گھر میں روشنی ہوگی اور ناصر کاغذات پھیلائے آگ کے قریب بیٹھا ہوگا..... مگر وہ گھر پر موجود ہی نہ تھا۔ اس لئے اس کے سپنے ادھورے رہ گئے۔ اس نے مینٹل پیس پر رکھے ہوئے ٹائم پیس پر نظر ڈالی۔ رات کے دس بجنے والے تھے..... شاید آج رات اس کا گھر آنے کا ارادہ نہ ہو..... پہلے بھی جب کبھی وہ کہیں گئی ہوتی تھی۔ تو وہ بسا اوقات رات کو شہر ہی میں ٹھہر جاتا تھا۔ کیونکہ کاروباری مصروفیات میں اسے اتنی تاخیر ہوجاتی تھی کہ واپسی کی سواری نہیں ملتی تھی۔ اگر وہ تھوڑی دیر تک نہ آیا تو پھر اس طوفان میں اس کے لئے آنا ناممکن ہوگا۔

طوفان شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔ درختوں کی ٹہنیاں آپس میں زور سے ٹکرا رہی تھیں۔ ہوا سیٹیاں بجا رہی تھی۔ پہلی بار اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے آبادی سے اتنی دور مکان کیوں لیا۔ پہلے دو فرلانگ کے فاصلے پر کچھ ہمسائے ہوا کرتے تھے۔ مگر اب وہ بھی چلے گئے تھے اور مکان خالی پڑا تھا۔ اس نے تنہائی کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ویسے یہ مکان ہر طرح سے مکمل تھا اور اسے یہ مکان حاصل کر کے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ اس کا اپنا مکان تھا اور وہ اس کی نگہداشت اور آرائش میں اتنی مگن تھی کہ اسے کبھی دوسروں کا خیال تک نہ آیا تھا۔ چوراہے کے اس طرف کوئی آبادی نہ تھی۔ سڑک اس مکان کے قریب سے گزرتی تھی اور آگے ایک میل تک جا کر جنگل میں ختم ہوجاتی تھی۔

اس نے اپنا اوور کوٹ اتار کر کمرے میں لٹکا دیا اور ہال میں جا کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی اور بال سنوارنے لگی جو تیز ہوا سے بکھر گئے تھے۔ اس نے آئینے میں اپنے زرد چہرے پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ آئینے میں اس کا دبلا پتلا بچوں کا سا جسم سیاہ لباس میں لپٹا نظر آرہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں اسے تک رہی تھیں۔ اس نے اپنے بالوں کی آخری لٹ درست کی اور آئینے سے ہٹ گئی۔ اس کے کندھے کچھ جھکے ہوئے تھے سا کے مزاج میں بچپنا پایا جاتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چھوٹی لڑکی پناہ کی تلاش میں آئی ہو۔ وہ بادی النظر میں ایک نابالغ مگر پرکشش لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی عمر اکیس سال تھی اور اس کی شادی کو سوا سال ہوا تھا۔ شادی اسے معجزہ معلوم ہوتی تھی۔ اب اس نے مکان میں گھومنا شروع کردیا۔

روشنی کردی۔ ناصر مکان کو بڑی اچھی حالت میں چھوڑ کر گیا تھا۔ یہاں کسی بے پرواہ مرد کے آثار موجود نہیں تھے۔ وہ بڑا ہی صفائی پسند تھا۔ اب اسے سردی کا احساس ہونے لگا۔ غالباً ناصر نے ہیٹر کا درجہ حرارت کم کردیا تھا۔ وہ ایسی باتوں میں بہت محتاط تھا اور نقصان برداشت نہیں کرتا تھا۔ سردی کی شدت کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ ہیٹر اٹھاون درجہ پر لگا ہوا تھا۔ اس نے بٹن دبا کر اس کی سوئی ستر درجہ پر کردی۔ تہ خانے میں موٹر اس زور سے چلنے لگی۔ کہ وہ ڈر گئی، پھر وہ باورچی خانے میں گئی اور چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھ دیا۔ پانی کو جوش آنے تک کی مدت وہ لمبی منزل میں گھوم پھر کر گزارنے لگی۔ وہ کچھ بے چین سی تھی۔ کسی طرح بھی سکون محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ شدید طوفان سے پہلے گھر پہنچ گئی تھی۔ اس نے نشست گاہ پر طائرانہ نظر ڈالی یہ ایک خوشگوار اور چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کرسیوں اور صوفوں پر پھول دار چمکیلی کاٹن چڑھی ہوئی تھی۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے جو پودے کھڑکی کے پاس لگائے تھے۔ وہ مرجھا گئے تھے شاید ناصر ان کو پانی دینا بھول گیا تھا۔ ان کے پتے زرد ہوگئے تھے اور ٹہنیاں جھک گئی تھیں۔ اس منظر نے اس کی افسردگی میں اضافہ کردیا اور اسے گھر پہنچنے پر جو مسرت ہوئی تھی وہ ختم ہوگئی۔

وہ واپس باورچی خانہ میں آئی۔ پانی ابل رہا تھا۔ اس نے جلدی سے چائے تیار کی اور پیالی میں انڈیلی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ ناصر آجائے اور وہ اس کے ساتھ چائے پیے۔ وہ اپنی چائے کی پیالی لے کر نشست گاہ میں آئی۔ ناصر کی مخصوص بڑی کرسی کے قریب رکھی ہوئی چھوٹی گول میز پر اس نے پیالی رکھ دی۔ آتشدان میں آگ روشن تھی اور حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ پہلے سے بھی زیادہ سردی محسوس کر رہی تھی۔ اس پر کپکپی طاری ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس نے ناصر کا پرانا کوٹ اٹھایا اور اس میں لپٹ کر بیٹھ گئی۔

ہوا دروازوں اور کھڑکیوں کو دھڑ دھڑا رہی تھی اور بارش کی پرشور آواز ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس شور سنتے ہوئے وہ ناصر کو بری طرح یاد کر رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو کبھی اتنا تنہا محسوس نہیں کیا تھا۔ ناصر کی موجودگی میں اسے بہت سکون محسوس ہوتا تھا۔ اور یوں بھی وہ اس سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ جب اس نے اپنی بیمار بہن کو ملنے کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے خود سے گاڑی میں سوار کرایا تھا۔ اور ڈھیر ساری سبزیاں اور پھل اس کے ساتھ رکھ دیئے تھے۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ تحائف بہت معنی خیز ہیں ورنہ وہ اس طرح اپنی دولت خرچ کرنے کا عادی نہ تھا بلکہ صحیح پوچھئے کہ اس کے مزاج میں کسی قدر خست پائی جاتی تھی۔

بہرحال وہ ایک اچھا شوہر تھا۔ وہ چائے کی چسکیاں لیتی ہوئی اس طرح کی باتیں سوچ رہی تھی اگر بلفرض محال وہ اس سے دس سال بڑا ہوتا تو اس کے اطوار میں زیادہ باقاعدگی ہوتی۔ بعض اوقات وہ آمرانہ انداز اختیار کرلیتا تھا۔ لیکن اس نے اس کو وہ سب کچھ بتا دیا تھا۔ جس کی اسے ضرورت تھی..... مثلاً پناہ..... اپنا گھر..... اگر یہ پناہ اس کے لئے کافی نہ تھی تو بھی وہ اس کے لئے اس کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔

اس کی نگاہ اچانک میز پر رکھے ہوئے سفید لفافے پر جا پڑی۔ اس نے اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہ اسے پکڑتے وقت کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ تاہم اس نے اسے اٹھا ہی لیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سفید لفافہ خالی ہے۔ لفافے پر بڑے خوبصورت انداز میں پتہ پرنٹ کیا گیا تھا۔

"ناصر محمود۔ 33 نئی آبادی۔ احمد نگر"

ڈاکخانے کی مہر حیدر آباد کی لگی ہوئی تھی۔ جب اس نے اسے ہاتھ میں لیا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے کبھی یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ ان لفافوں میں کیا ہوتا ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ ناصر پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ ایسا ایک لفافہ ہر ماہ آتا تھا۔ اور وہ اسے وصول کر کے مشتعل ہوجاتا تھا۔ بعض اوقات وہ اس حالت میں بہت مکروہ نظر آتا۔ اس کی پرسکون زندگی میں گویا زلزلہ آجاتا۔ شروع شروع میں تو اس نے ناصر سے دریافت کیا اور اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن جلد ہی اسے معلوم ہوگیا کہ اس کی یہ حرکت اسے ناگوار گزرتی ہے۔ اس لئے اس نے اس سلسلہ میں اس سے بات کرنی چھوڑ دی۔ لفافہ آنے کے ایک ہفتہ بعد تک وہ ایک گھر میں رہے لیکن ایک ساتھ بیٹھنے کے باوجود، ایک دوسرے کو اجنبی سے معلوم ہوتے۔

ان میں سے ایک لفافے پر تین روز پہلے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاک خانے کی مہر تھی۔ اس لئے اگر ناصر آج رات واپس آجائے تو ترش روئی سے پیش آنے کا اندیشہ تھا۔ یہ طوفان بھی اس کے مزاج کو دھیما نہ کر سکے گا۔ پھر بھی اس کی آرزو تھی کہ وہ آجائے۔ اس نے لفافہ پھاڑ کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور پھر ان کو آتش دان میں پھینک دیا..... آندھی نے مکان کو ہلا کر رکھ دیا۔ کوئی ٹہنی ٹوٹ کر چھت پر گری تھی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے کھڑکی پر نظر ڈالی تو کھڑکی کے باہر شیشے میں سے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی نگاہیں وہیں جم کر رہ گئیں اور اس کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ سرد آتشدان کی طرف جھکی ہوئی تھی اور اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ کھڑکی کے دھندلے شیشے کے پیچھے اسے کوئی سفید سی چیز نظر آرہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ کوئی انسانی چہرہ ہے اس کی آنکھیں بھی نظر آرہی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی اسے گھور رہا ہے۔

آندھی کا شور اسے دھمکیاں دیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بڑی دیر تک وہ کھڑکی پر نگاہیں جمائے اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ گویا وہ منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ لیکن اب کھڑکی کے شیشوں پر بارش کے قطروں کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی اور اس سے پرے تاریکی ہی تاریکی تھی۔ درختوں کے گرنے کے دھماکوں۔ پانی کے شور اور ہوا کی سیٹیوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پایا اور جرات کر کے روشنی کی تاکہ کھڑکی کے پاس جا کے دیکھا جا سکے۔ تاریکی کی دیوار بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ اندھیرے کی سیاہی نے طوفان کی ہیبت ناکی میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بھیڑیوں کے غول کے غول مکان کو گھیرے ہوئے ہوں۔

وہ گھورتی ہوئی آنکھیں لازماً اس کے تصور کا کرشمہ ہوں گی۔ کیونکہ ایسی طوفانی رات میں کوئی شخص بھی باہر نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ کاش..... ناصر آجاتا۔ کاش..... وہ تنہا نہ ہوتی۔ اس نے کوٹ کو اور کھینچ کر لپیٹ لیا۔ اور اپنے آپ سے کہنے لگی۔ کہ وہ بھی کتنی احمق ہے۔ خواہ مخواہ ڈر رہی ہے۔ تاہم تنہائی اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تھی اس کے کان باہر پاؤں کی چاپ پر لگے ہوئے تھے، اسے یقین تھا کہ اس نے کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنی ہے۔

شاید ناصر اس ہوٹل میں ہو، جہاں وہ اکثر ٹھہرا کرتا ہے۔ اب اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ اچانک اسے مکان میں دیکھ کر حیران ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ اس کی آواز سننا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس گئی اور ریسیور اٹھایا۔ مگر لائن خراب تھی شاید تار ٹوٹ گئے تھے۔

اس نے خوف کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ کھڑکی سے نظر آنے والا چہرہ محض وہم تھا۔ کھڑکی کے شیشے پر روشنی نے ایک ہیولا پیدا کر دیا تھا۔ پاؤں کی چاپ بھی وہم ہی تھی۔ کیونکہ حقیقی آواز تو اس تیز و مند آندھی میں سنائی نہیں دے سکتی تھی اور کوئی شخص اس وقت باہر نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی۔ طوفانی دیواروں کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ صبح سورج پھر اسی طرح چمکے گا۔ سب سے ضروری بات یہ تھی کہ وہ خود کو کس طرح سکون پہنچائے۔ اس نے سوچا کہ مطالعہ بہتر رہے گا۔ بستر پر جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ نیند تو آنے سے رہی۔ ایسی صورت میں وہ بستر پر جا کر بھی کروٹیں بدلتی رہتی۔ اور کھڑکی سے نظر آنے والے چہرے اور قدموں کی آواز کے متعلق سوچتی رہتی۔

اس نے سوچا۔ آتش دان میں آگ جلائی جائے۔ لیکن ایندھن تہ خانے میں تھا۔ تہ خانے کے زینے پر پہنچ کر وہ ہچکچانے لگی۔ اس نے روشنی کی۔ مگر روشنی ناکافی معلوم ہوتی تھی۔ زینے کی دیوار نم آلود تھی۔ اور کسی قدر خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے اس کے ٹخنے ٹھٹھرنے لگے۔ تہ خانے کے بیرونی دروازے سے بوچھاڑ اندر آرہی تھی۔ کیونکہ دروازہ کھلا

تھا۔ اندر کی چٹخنی بعض اوقات کام نہیں کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر چٹخنی اچھی طرح نہ لگائی جائے تو ہوا کے جھٹکوں سے کھل سکتی ہے۔ کھلے دروازے نے اس کے خوف میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس طوفان میں اسے کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی کوشش کے بعد اتنی جرات کی کہ سیڑھیاں اتر کر نیچے دروازے تک جائے۔ اسی لمحہ بوچھاڑ نے اسے شرابور کر دیا۔ اس کو تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ ہوا نے اس کی مدد کی اور دروازہ ایک شور کے ساتھ خود بخود بند ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری طاقت صرف کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ اور یہ یقین کر لیا کہ باہر سے کوئی اندر نہیں آسکتا۔ وہ وہاں گیلے کپڑوں میں کھڑی رہی۔ اچانک اسے ایک خیال آیا، جس سے اس کی رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگی۔ اگر کھڑکی میں سے نظر آنے والا چہرہ حقیقی ہوا تو؟ ممکن ہے اس چہرے کے مالک نے یہاں پناہ لے لی ہو اس تہ خانے میں..... یہ خیال آتے ہی وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ یہاں اس سے پہلے بھی بہت سے طوفان آئے تھے۔ اس کے خوف کی وجہ محض اس کی تنہائی تھی۔ اس لئے اس کو ایسے اوہام کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ کوشش کے باوجود اس غیر معمولی خوف سے نجات حاصل نہ کر سکی۔ اگرچہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

اسے مکان کے باہر کسی کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ یہ محض وہم ہے۔ لیکن بھاری قدموں کی آواز اس طرح سنائی دیتی تھی۔ جیسے کوئی پہرہ دار گشت کر رہا ہو۔

اسے صرف تھوڑی سی لکڑیوں کی ضرورت تھی تاکہ وہ آگ جلا کر ان کی حرارت اور روشنی سے خود کو سکون پہنچا سکے۔ تہ خانے سے مٹی اور گرد و غبار کی بو آرہی تھی۔ شہتیروں کو مکڑی کے جالوں نے ڈھانپ کر رکھا تھا۔ تہ خانے میں صرف ایک چھوٹا سا بلب تھا اور وہ بھی ایک گوشے میں۔ جس کی روشنی بہت مدھم تھی۔ دیوار کے ساتھ پانی کی ایک چھوٹی سی نہر جاری تھی اور تقریباً ایک مربع فٹ پانی کا جوہڑ سا بن گیا تھا۔ لکڑیوں کا ڈھیر روشنی سے دور دوسرے کونے میں تھا۔ وہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہاں کسی کے چھپنے کی گنجائش نہ تھی۔ تہ خانہ خاصا وسیع تھا اور اس کے ستون اتنے موٹے نہ تھے کہ ان کی آڑ میں کوئی چھپ سکے۔ روشنی اچانک گل ہو گئی۔ اسے یہ کسی انسان کی کاروائی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا صرف طوفان کا شور تھا۔ وہ دوڑ کر لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف گئی۔ لیکن کسی احساس کے تحت وہ رکنے اور مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ ''یہ کیا ہے؟'' جب وہ تہ خانے میں سے گزر رہی تھی تو اسے کوئی چیز نظر آئی۔ کوئی عجیب چیز۔ اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ہاں۔ روشنی کی ایک پتلی سی لکیر تھی۔ مگر یہاں روشنی کہاں سے آئی۔ ایک ناقابل بیان خوف نے اس کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ خوفزدہ ہرنی کی طرح اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کا پرانا صندوق جو دیوار کے پاس پڑا تھا۔ اس کا ڈھکنا کسی قدر اوپر اٹھا ہوا تھا اور یہ روشنی کی ننھی سی کرن اس کے اندر سے آرہی تھی۔ اس روشنی کی کرن نے تہ خانے کی اداسی میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔

وہ سحر زدہ سی ہو کر اس کی طرف بڑھی۔ حالانکہ کھڑکی سے نظر آنے والا چہرہ اور کھلے دروازے کی طرح اس کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے صندوق کو بند کر دیا تھا۔ بلکہ کنڈی بھی لگا دی تھی۔ اسے اس بات کا پورا یقین تھا۔ کیونکہ اس نے دو تین پرانے کوٹ اخبار کے کاغذ میں لپیٹ کر صندوق میں رکھے تھے۔ اب صندوق کا ڈھکنا تقریباً ایک انچ اوپر اٹھا ہوا تھا اور روشنی کی کرن اسی دراڑ میں سے آرہی تھی۔ اس نے حوصلہ کر کے صندوق کا ڈھکنا اوپر اٹھایا اور بڑی دیر تک صندوق میں دیکھتی رہی۔ حتیٰ کہ صندوق میں موجود تمام اشیاء کی تمام تفصیلات اس کے ذہن میں تازہ ہو گئیں چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی واقع تھی۔ اس لمحہ وہ اپنے اعضاء کو حرکت دینے کے قابل بھی نہ تھی۔ خوف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کا سانس رک سا گیا تھا اور اعضاء مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کا چہرہ خوف میں تحلیل ہو گیا تھا۔ زینہ چڑھنے کے بعد اس کی سانس کی آمد بحال ہوئی مگر وہ اتنے گہرے سانس لے رہی تھی کہ پھیپھڑے پھٹے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ اس نے زینے کے اوپر کا دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ تمام مکان لرز اٹھا۔ پھر اس نے اسے تالا لگایا اور وہ باورچی خانے کی میز کے پاس سے کرسی اٹھا کر دروازہ کے ساتھ لگا لی تاکہ کسی طرح دروازہ نہ کھل سکے۔

آندھی نے مکان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی پہلی خواہش تو یہ تھی کہ وہ مکان سے باہر چلی جائے لیکن باہر جانے کے لئے اسے سامنے کے دروازے سے گزرنا پڑتا تھا۔ جہاں سے کھڑکی میں سے جھانکنے والا چہرہ یاد آ جاتا۔ ممکن ہے چہرہ محض اس کا وہم نہ ہو۔ ممکن ہے یہ چہرہ کسی قاتل کا چہرہ ہو۔ جو باہر طوفان میں اسی کا منتظر ہو۔ اور اس کے بعد باہر نکلنے پر ہی اس پر جھپٹ پڑے۔ وہ بڑی کرسی میں گر گئی۔ خوف کے مارے اس پر لرزہ طاری تھا۔ یہ یہاں نہ ٹھہر سکتی۔ جبکہ صندوق میں وہ چیز موجود ہے۔ لیکن وہ مکان چھوڑنے کی جرات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا انگ انگ ناصر کو پکار رہا تھا۔ شاید وہ کچھ کر سکے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ پھر کھولیں اور زور سے ملیں۔ اس کے ذہن میں ایک تصویر جم گئی تھی۔ اس کے بال ڈھیلے ہو گئے اور لٹیں پیشانی پر بکھر گئیں۔ اس کا منہ شدت خوف سے کھل گیا تھا۔

اس کے پرانے صندوق میں ایک عورت کا مڑا تڑا جسم موجود تھا۔ اس نے اس کا چہرہ تو نہیں دیکھا کیونکہ اس کا سر شانوں میں چھپا ہوا تھا اور چہرے کو بالوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ عورت سرخ لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کا ایک ہاتھ صندوق کے کنارے پاس پڑا تھا۔ اس کی تیسری انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ اس پر ایک ابھری ہوئی تصویر کندہ تھی جس میں شیر بنا ہوا تھا۔ جس نے ہیرے کو پنجوں میں دبایا ہوا تھا۔ یہی ہیرا روشنی میں چمک رہا تھا۔ تہ خانے کا چھوٹا بلب اس کی روشنی کو منعکس کر رہا تھا۔ وہ اسے کبھی بھی بھلا نہیں سکے گی۔ اس عورت کی ایک ایک چیز اسے یاد تھی اس کے بازوؤں کا زرد گوشت۔ صندوق کی ایک طرف کو مڑے ہوئے گھٹنے۔ اس کا چمکتا ہوا ریشمی لباس، اس کے بالوں کی لٹیں۔ جنہوں نے اس کا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ غرض تمام جزئیات اس کے ذہن میں نقش تھیں۔

اس پر کپکپی طاری تھی۔ اس نے دانتوں سے اپنی زبان کاٹ لی۔ جبڑے کو مضبوطی سے بند کیا۔ تاکہ دانت بجنے بند ہوں۔ زبان سے نکلنے والے خون کے نمکین ذائقہ نے اسے ہوش دلایا۔ اس نے عقل سے کام لیتے ہوئے سوچنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اسے خیال آتا کہ وہ ایک مقتول عورت کے ساتھ مقید کر دی گئی ہے تو اس کے اعصاب جھنجھنا اٹھتے۔ اس نے کوٹ کو اور زیادہ کھینچ کر اپنے گرد لپیٹ لیا تاکہ اس مہلک سردی کا مداوا ہو سکے۔ آہستہ آہستہ اس موت اور قتل کے علاوہ کچھ اور خیالات بھی اس کے ذہن میں آنے لگے اور وہ ان کے نتائج کے متعلق سوچنے لگی۔ تہ خانے میں پڑی ہوئی لاش کی دریافت واقعات کے ایک نئے سلسلے کو جنم دے گی..... پولیس آئے گی..... پہلے تو پولیس کا خیال اس کو کچھ تسکین بخش محسوس ہوا۔ کیونکہ وہ اس لاش کو تہ خانے سے اٹھا کر لے جائے گی۔ پھر اسے یہ خیال آیا کہ لاش اس کے تہ خانے سے برآمد ہوگی۔ اس لئے پولیس انہی پر شبہ کرے گی۔ کیا وہ یہ خیال کریں گے کہ قتل اس نے کیا ہے؟ کیا وہ اس کی اس بات پر یقین کریں گے کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اس عورت کو نہیں دیکھا۔ کیا وہ پھر ناصر پر شبہ کریں گے؟ شاید وہ ان خطوط کو حاصل کریں جو سفید لفافوں میں آتے ہیں۔ ناصر کی کاروباری سلسلہ میں غیر حاضری۔ اس کا اپنی بہن سے ملنے جانا جس میں ناصر کی مرضی بھی شامل تھی۔ شاید ان باتوں سے وہ یہ نتیجہ نکالیں کہ ناصر دوہری زندگی بسر کر رہا ہے اور یہ عورت ناصر کی چھوڑی ہوئی بیوی ہے۔ جو خطوط کے ذریعے اس کا تعاقب کرتی رہی

ہے اور تنگ آ کر ناصر نے اسے مار ڈالا ہو..... اگرچہ یہ سب خیالی باتیں تھیں۔ مگر پولیس کا ذہن ان خطوط پر بھی سوچ سکتا تھا۔

اب ایک نیا، خوف اس پر مسلط ہو گیا تھا اس نے سوچا کہ لاش کو تہ خانے سے نکال کر کہیں چھپا دینا چاہیے۔ تاکہ پولیس اس قتل کا تعلق اس کے مکان سے قائم نہ کر سکے لیکن وہ عورت اس سے بڑے تن و توش کی تھی۔ وہ تو اس کو ہلا بھی نہ سکتی تھی۔ وہ دیوانہ وار ناصر کو یاد کر رہی تھی اور دعا مانگ رہی تھی کہ کاش ناصر گھر آ جائے اور اس لاش کو تہ خانے سے نکال کر کہیں چھپا دے تاکہ پولیس اس کا تعلق ان کے گھر سے قائم نہ کر سکے۔ وہ کافی مضبوط ہے اور یہ کام کر سکتا ہے۔ مگر وہ خود یہ کام نہیں کر سکتی۔ اگر اس میں اس لاش کو اٹھانے کی طاقت بھی ہوتی تو بھی وہ اس کی جرات نہ کر سکتی تھی کیونکہ مکان کے باہر کوئی آوارہ گرد منڈلا رہا تھا۔ ممکن ہے تہ خانے کا دروازہ اتفاقاً نہ کھلا ہو۔ اگر اتفاقاً کھلا ہو تو قاتل نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے قتل کی ذمہ داری بے گناہ ناصر پر ڈالنے کی کوشش کی ہو۔ وہ یہی باتیں سوچ کر لرز رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک جال میں پھنس گئی ہے۔ ایک طرف طوفان تھا۔ دوسری طرف ٹیلی فون ناکارہ ہو چکا تھا۔ ادھر پار ایک آوارہ گرد منڈلا رہا تھا۔ اور صندوق میں ایک لاش پڑی تھی۔ وہ ان خطرات میں گھر کے بے بس ہو گئی تھی۔ اس کی بے بسی میں اضافہ کرنے کے لئے آندھی کا شور اور بڑھ گیا تھا۔

سڑک پر کسی درخت کے گرنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ اور شیشے ٹوٹنے کی آواز بھی آئی۔ اس کا لرزتا ہوا جسم اکڑ کر رہ گیا۔ کہیں یہ بدمعاش اندر آنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہے؟ وہ بڑی کوشش کے بعد کھڑی ہوئی اور پہلی اور دوسری منزل کا چکر لگا کر کھڑکیوں کو دیکھا۔ تمام شیشے صحیح و سالم تھے اور بارش کا مقابلہ کر رہے تھے۔ تہ خانے میں جانے پر وہ کسی صورت میں بھی تیار نہ تھی۔ طوفان کے شور نے باقی تمام آوازوں کو دبا لیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے آپ کو اس احساس سے نجات نہ دلا سکی تھی کہ باہر اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ آنکھیں کسی شگاف کو تلاش کر رہی تھیں اور اس کی جاسوسی کر رہی تھیں۔ اس نے سیاہ چمکیلی کھڑکیوں پر شیڈ چڑھا دیئے۔ اس طرح اس کو کسی قدر محفوظ ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ شیشہ ٹوٹنے کی آواز کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ درخت کی کوئی شاخ ٹوٹ کر تہ خانے کی کھڑکی سے ٹکرائی ہو، اس خیال سے اسے تسکین نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے اس دوسری عورت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اب اسے ناصر کے سوا کوئی چیز تسکین نہیں دے سکتی تھی۔ اس کا چالاک ذہن ہی اس مردہ عورت کو یہاں سے دور ہٹانے کی تجویز سوچ سکتا تھا۔ اس پر اب بے حسی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ گویا اس کے ڈرنے کی صلاحیت بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ دوبارہ کرسی کے پاس گئی اور سمٹ کر بیٹھ گئی اور خاموشی کے ساتھ ناصر کی واپسی اور صبح ہونے کی دعا مانگنے لگی۔

☆.....☆.....☆

گھڑی نے ساڑھے بارہ بجائے۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ نہ حرکت کر رہی تھی نہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اب اسے خوف کا بھی احساس نہ تھا۔ یوں ہی ایک گھنٹہ گزر گیا، پھر کچھ دیر کے لئے طوفان تھم گیا۔ خاموشی کی اس مختصر سی مدت میں اس نے پاؤں کی چاپ سنی، اب کی یہ چاپ حقیقی تھی کسی کے تیز چلنے کی آواز تھی پھر تالے میں کنجی پڑنے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور ناصر اندر داخل ہوا۔

وہ پانی میں شرابور اور کیچڑ میں لت پت تھا۔ تھکن کی وجہ سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ یہ ناصر ہی تو تھا، جب اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آنے والا ناصر ہی ہے تو وہ ایک دم اچھل کر اس کے قریب جا پہنچی۔

ناصر نے اس کا بوسہ لیتے ہوئے نرمی کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی باتیں اپنی گردن سے جدا کرتے ہوئے کہا۔

"جان من.....! ادھر ہی رہو میں تو شرابور ہوں۔ تمہارے کپڑے بھی گیلے ہو جائیں گے۔" اس نے چشمہ اتار کر اسے دیا اور وہ اسے خشک کرنے لگی۔ روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"مجھے چوراہے سے یہاں تک پیدل آنا پڑا ہے۔ یہ بھی کیسی رات ہے؟" یہ کہتا ہوا وہ کپڑے اتارنے لگا..... "تم کبھی نہ سمجھ سکو گی کہ مکان کو روشن دیکھ کر کیا محسوس ہوتا تھا بہرحال خدا کا شکر ہے میں گھر پہنچ گیا ہوں۔"

وہ اسے اپنی آپ بیتی سنانے لگی۔ لیکن اس نے اسے روک کر کہا۔ "جان من.....! ذرا صبر کرو..... میں دیکھ رہا ہوں تم کسی وجہ سے پریشان ہو، میرے کپڑے پہننے تک انتظار کرو۔ پھر ہم بیٹھ کر باتیں کریں گے اور تم ذرا چائے تو تیار کرو خشک دودھ پڑا ہوگا، میں بری طرح تھک گیا ہوں۔ آج کا سفر بڑا پر ہول تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میں یہ فاصلہ طے کر سکوں گا چوراہے سے یہاں تک پہنچنے میں مجھے کئی گھنٹے لگ گئے۔"

اب وہ صندوق کی لاش بھی اسے مشکوک نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ اب بھی وہ منظر اس کے ذہن میں تازہ تھا تاہم وہ سوچ رہی تھی کہ شاید طوفان ہی حقیقت تھی اور باقی سب چیزیں موہوم تھیں وہ باورچی خانے میں گئی اور چائے بنانے لگی۔ کرسی ابھی تک دروازہ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ جو اس کی خوفزدگی کی یاددہانی کر رہی تھی۔ اب جب کہ ناصر گھر پر موجود تھا تو ڈرنا حماقت تھی۔ چنانچہ اس نے کرسی واپس اس کی جگہ میز کے قریب رکھ دی۔ جلد ہی ناصر بھی وہاں پہنچ گیا۔ ابھی چائے تیار ہو رہی تھی۔ غسل کے پرانے لباس میں ناصر بہت بھلا لگ رہا تھا اس نے ہاتھ جیبوں میں ڈال رکھے تھے اور اپنے گول گلابی چہرے اور گھنگھرالے بالوں کے ساتھ بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کو کھڑکی میں سے جھانکنے والے، کھلے دروازے اور صندوق کی لاش کے متعلق بتاتے ہوئے جھینپ رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ان میں سے کسی بات کا بھی تعلق حقیقت سے نہ تھا۔ ناصر نے اسے اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے قطعاً حیرت نہیں کہ اس شدید طوفان نے تمہیں اتنا خوفزدہ کر دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ "اب جب تم گھر آ گئے ہو تو میں خود کو محفوظ خیال کر رہی ہوں۔ لیکن ناصر.....! کیا تم صندوق کو دیکھو گے؟ میں نے واضح طور پر اسے دیکھا تھا۔ میں ایک ایسی چیز کا بھلا کیسے تصور کر سکتی ہوں؟ اس نے جواب دیا۔ "میں ضرور دیکھوں گا۔ اگر اس سے تمہاری تسلی ہوتی ہے تو میں بھی دیکھتا ہوں۔ بعد میں اطمینان کے ساتھ چائے پیوں گا۔"

وہ تہ خانے کے دروازے پر گیا اور اسے کھولا۔ پھر روشنی کی۔ اسی اثناء میں اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور وہ کان بہرے کر دینے والا شور سن رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی مختصر مدت میں اس نے خوف کے زیر اثر..... لاش..... پولیس..... ناصر پر عائد ہونے والا شبہ اور کسی شخص کے اس جرم کو چھپانے کی ضرورت پر بہت کچھ سوچ ڈالا۔ وہ کبھی اس کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ کہ اس کا ذہن اسے اس طرح فریب بھی دے سکتا ہے۔ بہرحال ایک لمحہ میں حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

اس نے صندوق کا ڈھکنا پیچھے کو گرنے کی آواز سنی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کرسی تھام لی۔ اگلے ہی لمحے ناصر کی آواز آئی۔ آواز بڑی خوشگوار اور پریقین تھی..... وہ کہہ رہا تھا۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ دو بنڈل پڑے ہیں۔ آؤ اور دیکھ لو۔"

"کچھ بھی نہیں.....؟"

جب وہ تہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں تہ خانے مرطوب تھا۔ اور ابھی تک دیوار کے ساتھ پانی بہہ رہا تھا اور وہ جوہڑ پہلے سے بڑا ہو گیا تھا۔ روشنی ابھی تک مدھم تھی تمام ماحول اسی

طرح تھا۔ جیسا اس نے پہلے دیکھا تھا۔ اب اتنی تبدیلی ضرور ہوئی تھی کہ ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں سے ہوا کے ساتھ بارش کی بوچھاڑ اندر آ رہی تھی۔ کھڑکی کے نکڑ کے پاس پڑی ہوئی لکڑی نے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا تھا۔ ناصر کھلے صندوق کے پاس کھڑا اس کا منتظر تھا۔

"دیکھ لو۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تمہارے پرانے کپڑے پڑے ہیں۔" وہ وہاں گئی اور اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا اور سوچ رہی تھی کیا وہ وہاں لاش دیکھے گی۔ جو ناصر کو نظر آ رہی ہے اور وہ انگشتری جس کا ہیرا شیر کے پنجوں میں دبا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ تذبذب کے عالم میں نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ مگر صندوق خالی تھا۔ اخبار کے کاغذ میں ملفوف دو پیکٹ تھے۔ جو اسی طرح صندوق کی تہہ میں پڑے تھے۔ جس طرح اس نے رکھے تھے۔ ان کے سوا کوئی اور چیز صندوق میں نہ تھی۔

لامحالہ طور پر لاش اس کا وہم تھا۔ اب وہ حقیقت معلوم کر کے خود کو ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ لیکن ابھی تک وہ پریشان اور الجھی الجھی سی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا اس کا ذہن ایسی موہوم تصویریں بنا سکتا ہے۔ اور کیا وہ ایسی خوفناک چیز کا تصور پوری جزئیات کے ساتھ کر سکتی ہے اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مستقبل بھیانک ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح بدحواسی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اب کوئی حقیقی خطرہ موجود نہ تھا۔ جو پہلے بھی تھا۔ ناصر پر جو خطرہ منڈلا رہا تھا۔ وہ محض خواب تھا۔

"میں نے یہ ایک خواب ہی دیکھا تھا اس نے اعتراف کیا۔" لیکن کتنا خوفناک اور غیر مبہم خواب تھا۔ اور میں سوئی ہوئی بھی نہ تھی۔" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی..... ناصر.....! میں نے سوچا..... میں نے سوچا تھا....."

"جان من.....! تم نے کیا سوچا تھا.....؟" ناصر نے پوچھا۔ لیکن یہ آواز اسے اجنبی سی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ناصر کی آواز معلوم نہ ہوتی تھی۔ اس میں بڑی گرمجوشی اور کاٹ پائی جاتی تھی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس کے اس انداز نے اسے ٹھٹھرا کر رکھ دیا۔ ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے آنے والی سرد ہوا بھی اسے ٹھٹھرا نہ سکتی تھی۔ اس نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔ مگر چھوٹے بلب کی روشنی بہت مدھم تھی۔ وہ اسے اجنبی اور مجرم سا نظر آ رہا تھا۔

"میں..... میں....." اور پھر اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

اس نے ابھی تک حرکت نہ کی تھی۔ لیکن اس کے لہجہ میں درشتی پیدا ہو گئی تھی۔

"تم نے کیا سوچا تھا؟" اس نے پوچھا۔

وہ اس کے پاس سے بھاگی۔ اب ناصر نے حرکت کی اور اسے پکڑنے کے لئے جیب سے ہاتھ باہر نکالا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ مبہوت ہو کر اس چیز کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے اسے لرزا دیا۔ اور اس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ناصر کی بانہیں اس کو پناہ دینے کے لئے پھیلی ہوئی ہیں یا اس کا گلا دبانے کے لئے..... وہ مڑ کر بھاگی..... اس نے ٹھوکر کھائی..... مگر پھر سنبھل کر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔

ناصر چلایا..... "فرزانہ..... فرزانہ.....!" وہ بھاری قدموں سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے زینہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھوکر لگنے سے ایک گھٹنے کے بل گر پڑا..... وہ اس کو برا بھلا کہتا ہوا اٹھا۔

خوف نے فرزانہ کی قوت اور رفتار میں بے حد اضافہ کر دیا تھا۔ اسے دھوکہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اس نے ایک بار دیکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ناصر کے بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں وہی انگوٹھی موجود تھی..... جو اس نے مردہ عورت کی انگلی میں دیکھی تھی..... طوفانی ہوا نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اور وہ بھاگ کر باہر نکل گئی..... تھی..... طوفان کی تاریک پناہ میں آ کر وہ خود کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلیک ٹائیگر

ایم الیاس

قسط نمبر 3

دھشت اور خوف کے افق پر جھلمل کرتی زیر زمین کے عجیب و غریب قانون کے لبادے میں لپٹی ہوئی، ناقابل یقین اور ناقابل فراموش، رگ و پے میں خون کو منجمد کرتی، لرزیدہ لرزیدہ تھرا دینے والی، خوف کا دریا بھاتی، دل میں کسک پیدا کرتی، اپنی نوعیت کی انوکھی اور شاھکار کھانی۔

تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں گے

ٹائیگر نے لمحے بھر کی بھی دیر نہیں کی تھی۔ وہ ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔ سرو جا ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ وہ فریش لیمن جوس پینے کے بعد وقت گزاری کے لئے کلب میں گھومنے لگا۔ اس نے دو ایک بدمعاشوں کے چہرے دیکھے اور چونک پڑا۔ کیوں کہ ان کی موجودگی اسے بری طرح کھٹک گئی تھی۔ لیکن اس نے بشرے سے کچھ ثابت ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ ایک قد آور پوسٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس میں آج کی رات کے شو کی تفصیلات درج تھیں..... رقاصہ کا نام دینا رامانی، پوسٹر میں اس کی بہت بڑی تصویر چھپی تھی، جس میں وہ قدرے نامناسب لباس میں تھی۔ اس کی اس حالت کی تصویر اس لئے تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ آئیں۔ ایسی تصویر سے لوگوں کو اس لئے متوجہ کیا جاتا تھا کہ ٹکٹ دھڑا دھڑ فروخت ہوں۔ یوں بھی لوگ رقص سے زیادہ جسم دیکھنے ہی آتے تھے۔

وہ پچیس چھبیس برس کی بے حد پرکشش، خوب صورت اور گداز بدن کی تھی جو دلوں کو برماتا تھا۔ وہ اس کے استقبال کے لئے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ اس قیامت خیز حسن کے استقبال کے لئے بہت سارے مرد چشم براہ تھے۔

پانچ تنومند نوجوان جو اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے غنڈے دکھائی دیتے تھے کلب میں بڑے اکڑے ہوئے داخل ہوئے۔ ٹائیگر کو وہ چہرے شناسا سے لگے۔ ان کی تصویر پوسٹر میں ایک کونے میں چھپی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک لمبی سیاہ رنگ کی گاڑی رکی۔ اس میں سے دینا رامانی اپنا جلوہ لئے باہر آئی۔ وہ یہ تاثر دے رہی تھی کہ دنیا کی بہترین رقاصہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا۔ ٹائیگر کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ دنیا کے ہر قسم کے رقص میں بڑی مہارت رکھتی ہے۔ وہ ایک عام سی عورت سے زیادہ خوبرو نہ تھی۔ لیکن اس کا جسم بے حد مرمریں اور چمک دار تھا۔ اس کے جسم کے میں بڑی جاذبیت اور دل موہ لینے والی دل کشی تھی۔

جب وہ ٹائیگر کے قریب سے مہکتی ہوئی گزرنے لگی تو اس نے بڑی اپنائیت کے لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہیلو دینا رامانی.....! کیسی ہو؟''

وہ ٹائیگر کے اس انداز تخاطب پر حیران ہو کر رک گئی۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری تعریف..... میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟''

''خاکسار کو ٹائیگر کہتے ہیں.....'' اس نے خم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے رسمی احترام سے جواب دیا۔

''اچھا تو..... آپ ٹائیگر ہیں۔ سوری ٹائیگر! میں آپ کو فوری پہچان نہ سکی۔'' وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے لہجے میں بولی۔ ''کیا یہاں آپ میرا انتظار کر رہے تھے.....؟''

''نہیں..... میں کسی اور کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ کو گاڑی سے اترتا دیکھا تو سوچا کہ آپ کے نیاز حاصل کرلوں۔''

ٹائیگر کا جواب سنتے ہی اس کی ساری خوشی جیسے کافور ہوگئی۔ تاہم وہ سنبھل کر بولی۔

''جب آپ یہاں آئے ہی ہیں تو میرا رقص ضرور دیکھنا..... میں آج بڑا سنسنی خیز آئٹم پیش کر رہی ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد اس نے سروجا کو دیکھا۔ وہ مستانہ خرامی سے چلی آرہی تھی۔ دینا رامانی کے جسم کا جو فسوں اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا وہ یک لخت اتر گیا۔ سروجا نے جو لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ ایک ہی بات تھی۔ جگ دیپ نے اسے بے حجابی کے عالم میں بھیجنا کیسے گوارا کرلیا ٹائیگر کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ ٹائیگر کو دیکھ کر دل کش انداز سے مسکرائی۔ اس نے ٹائیگر کے قریب جا کر شوخی سے کہا۔

''حیرت کی بات ہے..... شیر بنگال ابھی تک سلامت ہے..... مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔''

''تم اس لباس میں کچھ دیر میرے سامنے کھڑی رہیں تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔ میرا مرڈر ہو جائے گا۔'' ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم نے بڑی دیر لگا دی..... تمہارے فراق میں، میں شاعری کر رہا تھا۔''

''میں یہاں کتنی مشکل سے آئی ہوں کیا بتاؤں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جگ دیپ نے عین وقت پر اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ اسے میرے لباس اور بالوں کی بے ترتیبی سے شک ہوگیا تھا۔ تاہم میں نے بہ وقت تمام اس کا شک دور کیا۔ اس کمینے کو کیا معلوم مجھے چھونا تو درکنار میرے قریب تک نہ آئے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو تصادم یقینی تھا۔''

''تمہاری وجہ سے میں جگ دیپ کی نظروں میں آنے سے بچ گیا۔ میں تمہارا ممنون ہوں..... اس احسان کے بدلے میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''کیا حکم ہے؟''

''ذرا صبر کرو۔ میں اس کا صلہ ضرور لوں گی۔ اس لئے کہ میں معاف کرنے والوں میں سے..... تم جادوگر ہو..... تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔'' وہ سوچ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

ڈانس فلور خالی پڑا تھا۔ ٹائیگر نے جائزہ لینا شروع کیا۔ ہال کے اندر کچھ زیادہ لوگ موجود نہ تھے۔ پھر وہ دونوں ڈانس فلور کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ ہوٹل دینار سکو کا ڈانس فلور منفرد قسم کا تھا۔ اس کے ایک طرف پہاڑی تھی اور دوسری طرف عریض و بسیط خلاء جس کے نیچے سمندر کا نیلگوں پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ٹائیگر کو ایسا لگا کہ کسی ماہر کاریگر نے ایک کھلا پلیٹ فارم تیار کرنے کے بعد اسے پہاڑی کے اندر افقی طور پر گاڑ دیا ہے۔

ٹائیگر نے بیٹھتے ہی مشروب کا آرڈر دیا تھا۔ ویٹر جب مشروب رکھ کر چلا گیا۔ تب ٹائیگر نے کہا۔

''یہاں بات چیت کرنے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے..... کیوں کہ یہاں نہ تو مائیکروفون نصب ہے نہ ہی کوئی مشتبہ شخص ہماری گفتگو سننے کے لئے قریبی میز پر موجود ہے۔ اب تم کھل کر یہ بتاؤ کہ مجھے موت کی نیند سلانے کے لئے ان کا منصوبہ کیا ہے.....؟ اور کیا کسی شخص کی خدمات مستعار لی گئی ہیں.....؟ کوئی نام سننے میں تو آیا ہوگا؟''

''تمہیں قتل کرنے کا کام اب تک کسی کو سونپا نہیں گیا ہے..... اس لئے کہ کوئی ایسا بدمعاش نہیں جو تم سے مقابلہ کر سکے..... جو تمہارا نام سنتا ہے وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے..... اس کی ہمت اور حوصلہ جواب دے جاتا ہے..... بڑی رقم اور انعام پر بھی تیار نہیں ہو پا رہا ہے..... اور اس لئے بھی تورالائی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تمہارا مشن کیا ہے.....؟ تم سے قریب

ہونے اور اپنے آپ کو پیش کرنے کی پوری اجازت دی گئی ہے..... میرے پتی نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہیں کسی طرح بھی اسے خوش کرنا پڑے تو پیچھے نہ ہٹنا..... اگر میرے پتی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ میں تمہارے لئے کام کر رہی ہوں تو شاید وہ مجھے قتل کر کے میرا گوشت کتوں اور مچھلیوں کو کھلا دے۔ اس کا رویہ مجھ سے اس لئے بدل گیا ہے کہ اب میں تمہاری خاطر اس کے ساتھ محبت اور گرم جوشی سے پیش آنے لگی ہوں..... اب وہ میرے زرخرید غلام کی طرح ہو کر رہ گیا ہے۔ میں کبھی بھی اس کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آئی ہوں۔''

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ حسینوں کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے..... گویا رنگین تتلی اپنے پتی پر مہربان ہوگئی تھی اور اس نے بڑی فراخ دلی اور فیاضی کا ثبوت بہت جلد دے دیا تھا..... پھر بھی ٹائیگر اس پر کلی اعتماد کرنا نہیں چاہتا تھا..... اس کارزار میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ صورت تھی کہ اس سے زیادہ سے زیادہ انگلوالوں..... اور اسے اپنے بارے میں ہوا بھی نہ لگنے دوں۔ اس پر یہی ظاہر کروں کہ میں محض یہاں تفریح کے لئے آیا ہوں..... پھر ٹائیگر نے اسے سری ناتھ اور تورالائی کانفرنس میں پہنچنے کا واقعہ سنایا۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ سری ناتھ کے بارے میں کیا جانتی ہے؟

سری ناتھ کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ علم نہیں ہے..... لیکن صرف یہ جانتی ہوں کہ اس کی پراسرار گمشدگی سے ایک افراتفری سی مچی ہوئی ہے..... لیکن تمہیں سری ناتھ کی ذات سے اتنی دلچسپی کیوں ہے.....؟ کس لئے ہے؟''

''صرف اس لئے کہ مجھے تورالائی کے پاس سری ناتھ کی حیثیت سے لے جایا گیا تھا..... میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کس لئے تورالائی سے ملنا چاہتا تھا۔''

ٹائیگر نے اسے گہری سوچ میں غرق پا کر سوال کیا۔ ''یہ تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''میرا ذہن منشیات کے بارے میں سوچ رہا ہے۔'' اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

ٹائیگر کے لئے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ دستاویزات تورالائی کے ہاتھ نہیں لگی ہیں۔ اس نے سروجا کا خوب صورت اور مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ''سروجا.....! سنو..... ہم دونوں نہ صرف دوست ہیں بلکہ ہمارے درمیان کبھی کسی بات کا راز..... راز رہا ہے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لئے مخلص بھی ہیں۔ اس کے باوجود تم سے ایک درخواست ہے کہ مجھ سے سوالات کرنے سے احتراز کرنا۔''

سروجا کا چہرہ ایک دم سے فق ہوگیا جیسے اس نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا ہو۔ وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔

''میں تو اپنا تن من سونپنے کے لئے تیار ہوں پھر بھی تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ عورت اس سے بڑھ کر اور کیا کر سکتی ہے اور کسی حد تک جا سکتی ہے۔ پھر بھی تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ اگر میں تمہاری خاطر جان بھی دے دوں تو تمہارے اعتماد سے محروم رہوں گی..... اس کے باوجود میں تمہارے لئے دل و جان سے کام کرتی رہوں گی۔ یقین نہ ہو تو مجھے آزما لینا۔''

اتنا کہہ کر وہ جام پر جام چڑھانے لگی۔ وہ بے حد جذباتی ہوگئی تھی۔

''سروجا.....! تم مجھے غلط نہ سمجھو..... کیا میں کھڑکی پر چڑھ کر تم سے ملنے نہیں آیا؟ اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالی؟''

''تم صرف اپنی غرض کے لئے آئے تھے..... تم دوست نہیں خود غرض ہو..... تم نے مجھ سے معلومات حاصل کر کے اپنا الو سیدھا کرلیا..... مجھے اندازہ تھا کہ تم خود غرض اور فریبی ہو۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

''میں تمہاری خاطر اس کھڑکی کے راستے آیا کروں گا..... صرف محبت بھری باتیں کرنے کے لئے..... میں نے پہلے بھی تمہارے بدن کو ہاتھ نہیں لگایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ اب ایسی کوئی خواہش ہے۔ میں دوستی اور جذبے کو میلا کرنا پسند نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"نہیں..... اس کی کوئی ضرورت نہیں..... میں نہ تم سے محبت بھری باتیں کروں گی اور نہ ہی مہربان ہوں گی..... تم نے میرے دل کو گہرا صدمہ جو پہنچایا ہے۔ وہ قابل معافی نہیں ہے۔" اس نے پورا پیگ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

سروجا پر شراب نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس پر نیم مدہوشی طاری تھی۔ فضا میں موسیقی کی بدھر دھنیں گونج رہی تھیں۔ ڈانس فلور خالی پڑا تھا۔ دینا رامانی اور اس کے ساتھی اب تک جلوہ افروز نہیں ہوئے تھے۔ تماشائیوں سے تمام کرسیاں بھر چکی تھیں۔ قریب کی میزوں پر جو لوگ پہلے سے براجمان تھے وہ شریف النفس قسم کے تھے۔ ان سے میزیں خالی کروا کر وہاں غنڈوں نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت کیا ہوا تھا۔ اس کی حالت اس چوہے کی سی تھی جو پنجرے میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ بدمعاشوں کا خیال تھا..... ٹائیگر نے لمحے کے لئے سوچا کہ کسی کھلی جگہ پر ہوتے تو اس ایڈونچر میں زیادہ لطف آتا۔ اس نے ہال کی داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں غنڈے مستعد کھڑے تھے جیسے اسے باہر نکلنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کی راہ مسدود کر دی تھی۔ دوسری طرف سمندر تھا۔ اسے ایک عجیب سی الجھن ہونے لگی۔

ٹائیگر نے سروجا کو آگاہ کرنے کے لئے ٹھوکا دیا..... پھر اس نے ایک ذات شریف کو دیکھا جو اس کی کرسی کی پشت پر اپنا پاؤں ٹکائے ہوئے تھا..... پھر ٹائیگر نے اپنے آپ کو نصف درجن غنڈوں کی نظروں کی گرفت میں پایا۔ چوں کہ اس وقت دینا رامانی نے ڈانس شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ اسے دیکھنے لگا۔ ان غنڈوں کی حرکت اسے مشتعل کرنے والی تھی۔ لیکن وہ اس وقت ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ بلاشبہ ایک بہترین رقاصہ تھی۔ وہ اپنے جسم اور فن کا شاندار مظاہرہ کر رہی تھی..... ٹائیگر نے محسوس کیا کہ رقص کے دوران وہ اس کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ وہ جیسے اس میں دلچسپی لے رہی ہو۔ اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہ آسکی۔ مختصر سی ملاقات تھی۔ یا پھر کوئی اور جذبہ کارفرما تھا۔ وہ اندازہ نہ کر سکا۔ اب تک وہ اکیلی ہی ناچ رہی تھی۔ اس کے ساتھی، جیسے ہی اسٹیج پر آئے ایک طوفان سا آ گیا۔ وہ اسے ہاتھوں پر اچھال رہے تھے اور آغوش میں باری باری لیتے اور نکال دیتے..... اور ایسی حرکتیں جو ایک ہیجان اور سنسنی اور اس کے جسم کو نمایاں کر رہے تھے۔

ٹائیگر نے غیر محسوس انداز سے ہال کا جائزہ لینا شروع کیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا..... جگ دیپ..... اور دیگر بدمعاش بھی ہال میں قدم رنجہ فرما چکے تھے وہ پھر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بروجن داس ڈانس فلور کی طرف بڑھا۔ اس کے فلور پر پہنچتے ہی ڈانس بند ہو گیا۔

جوکر نے ڈانس فلور کا مائیک سنبھالا۔ پھر اس نے سامعین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سامعین کو مخاطب کیا۔

"خواتین و حضرات! آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ہمارے دوست شیر بنگال..... جو صرف شام میں بلیک ٹائیگر کہلاتے ہیں۔ جن کے نام سے پورا بنگال کانپتا ہے وہ بنگلہ دیش سے تشریف لائے ہیں۔ وہ ایک عمدہ اور بہترین سراغ رساں مانے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے رقص میں بھی ماہر ہیں..... ان سے مودبانہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اسٹیج پر آ کر اپنے شان دار فن کا مظاہرہ کر کے ہم سب کو محظوظ کریں..... پرزور تالیوں کے ساتھ ان کا استقبال کریں..... مسٹر بلیک ٹائیگر!"

پرزور تالیوں کے شور سے ہال گونج اٹھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا تھا کہ اسے تماشا بنا کر ذلیل کرنے کے لئے ڈانس فلور پر بلایا جا رہا ہے..... سروجا تو نشے میں دھت تھی۔ لیکن یہ اعلان سن کر ششدر ہو کر دیکھا۔ اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ اسے تشویش اور خوف سا محسوس ہونے لگا۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں اور چہرے سے محسوس کر لیا تھا۔ پھر اس نے سروجا کے شانے کو دلاسا نہ انداز سے تھپکا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے جگ دیپ کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں رومال میں ایک آٹومیٹک

پستول کی نالی جھانک رہی تھی۔ اس کے اور غنڈوں کے ہاتھوں میں جو ریوالور تھے ان کی نالیں بھی رومالوں کے نیچے سے شریر بچوں کی طرح جھانک رہی تھیں..... ان کی آنکھوں میں سفاکی تھی..... ہوٹل کے ویٹر بھی جھاڑن کے نیچے سے ریوالوروں کی نمائش کر رہے تھے۔

ٹائیگر کو جگ دیپ سے اس بزدلی اور کمینگی کی توقع نہیں تھی۔ ٹائیگر نے جگ دیپ کو جلانے اور اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے سروجا کو کھڑا کر کے اس کی نازک عریاں کمر میں ہاتھ ڈال کر آغوش میں لے کر ایک طویل بوسہ گرم جوشی سے لیا تو سامعین نے پرجوش تالیوں سے سواگت کیا..... اور پھر جگ دیپ کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر ڈانس فلور کی طرف بڑھ گیا۔ جوکر نے اسے ڈانس فلور کے اندھیرے گوشے میں لے جا کر سخت لہجے میں مخاطب کیا۔

"آج تمہاری ذہانت اور چالاکی کوئی کام نہ آئے گی۔ تمہیں ہمارے اشاروں پر رقص پیش کرنا ہوگا۔"

اس نے یہ کہہ کر اپنے بغلی ہولسٹر سے اس کے دیرینہ ساتھی آٹومیٹک کو تیزی اور ہوشیاری سے نکال لیا۔

"کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ رقص کے دوران میرے پیروں کو نشانہ بنایا جائے۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہیں ڈانس فلور پر پہنچ کر پتا چلے گا۔" اس نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔ "ذرا جلدی سے چلے چلو..... شاباش.....!"

جوکر نے اسے بڑے زور سے فلور کی طرف دھکا دے دیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر پڑا۔ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اسے چار عدد بدمعاشوں نے اٹھا لیا اور ڈانس فلور پر لے جا کر موسیقی کی لے پر جھولے کی طرح جھلانے لگے۔ اس کی سمت دیکھ کر تماشائی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جیسے جیسے موسیقی تیز ہوتی گئی تھوڑی دیر کے بعد ان کی حرکات میں تیزی آتی گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اسے سمندر کی طرف اچھال دیا۔ فضا میں ایک دل خراش چیخ گونجی..... سروجا کی یا دینا رامانی کی تھی، وہ اندازہ نہ کر سکا۔ دوسرے لمحے وہ سمندر کی لہروں کی آغوش میں تھا۔

اسے تقریباً سو فٹ کی بلندی سے کسی پتھر کی طرح سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ وہ بری طرح گرا اور پانیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ پہلے تو کسی بھاری چیز کی طرح اندر چلا گیا تھا۔ پھر رک گیا تو اوپر آنے کے لئے ہاتھ پیر مارے..... اس کا جسم چند ثانیوں کے لئے مشل سا ہو گیا۔ جب اس کا سر پانی سے نکلا تو اس نے اپنا پورا منہ کھول کر تازہ ہوا لی۔ گویا خاصا پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا۔ لیکن ہوا کی وجہ سے اسے جیسے ایک نئی زندگی مل گئی تھی۔ اب وہ پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ اس کے حواس اور اس کی حالت پوری طرح اس کے قابو میں تھی۔

ڈانس فلور سے تیز روشنی پھینکی گئی تھی کہ اس کا حشر نشر دیکھا جا سکے۔ خوش قسمتی سے وہ دوسری سمت اور دور بھی تھا۔ اس لئے وہ روشنی کی زد میں نہیں آیا تھا۔ سمندر پرسکون نہیں تھا۔ اس کی لہریں ساحل اور پہاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس لئے ایک شور سا فضا میں گونج رہا تھا۔ پھر اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ ان میں جتنے بھی حرام زادے ہیں وہ انہیں مزا چکھا کر رہے گا۔

ٹائیگر نے کنارا دیکھ لیا تھا۔ وہ پانی میں تیرتا وہاں جا پہنچا اور ستانے لگا۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ میں تھا اس لئے پوری طرح محفوظ تھا۔ اب حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ تمام بدمعاش اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس کا باب بند ہو گیا ہے۔ اس کا کوٹ اور جوتے سمندر کی نذر ہو گئے تھے۔ جوکر نے اس کا ریوالور نکال لیا تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ پہلی فرصت میں اپنی گاڑی تک جا پہنچے۔ اس لئے کہ اس کے دوسرے مسائل حل ہو جائیں گے۔ وہ بدمعاش اس کی موت کا جشن منا رہے ہوں گے۔ اس نے لمحے کے لئے سوچا کہ کیا سروجا کو بھی اس کی موت کی خوشی ہو رہی ہوگی۔

وہ جلد ہی پارکنگ لاٹ پر پہنچ گیا تھا۔ بیوک اس سے زیادہ دور نہ تھی۔ لیکن وہاں تک پہنچنا ایسا ہی تھا جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سینکڑوں میل کی مسافت طے کرنا۔ وہاں اندھیرے میں دو بدمعاش موجود تھے۔ ان کی سگریٹ نوشی سے ان کی موجودگی کا پتا چلا تھا۔

معاً اس کی نگاہ دینا رامانی کی زرد رنگ کی گاڑی پر پڑی جو اس سے زیادہ فاصلے پر نہ تھی۔ وہاں تک پہنچنا اس کے لئے آسان تھا۔ اس نے وہاں پہنچنے میں لمحے کی تاخیر بھی نہیں کی۔ جھکتا جھکاتا اس کی گاڑی تک جا پہنچا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گاڑی مقفل نہ تھی۔ وہ نہایت احتیاط اور خاموشی سے اندر جا پہنچا اور دروازہ بھی بے آواز بند کیا۔

کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد دینا رامانی کوئی فلمی گیت گنگناتی، تھرکتی، لچکتی اور مستانہ خرامی انداز سے آتی دکھائی دی۔ ٹائیگر نے اندازہ کرلیا کہ وہ اپنے کامیاب شو پر بے حد مسرور ہے۔ وہ فرش سے جونک کی طرح چپک گیا۔ جس وقت وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرنے لگی۔ ٹائیگر نے اسے پیچھے سے دبوچ کر بے بس کردیا۔ ٹائیگر کا ایک ہاتھ اس کے کندھے اور دوسرا ہاتھ منہ پر تھا تاکہ وہ چیخ نہ سکے وہ اس کا ہاتھ کاٹنے لگی تو ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا۔

"مس دینا رامانی..... میں ٹائیگر ہوں..... یہ حرکت میں نے اس لئے کی ہے کہ کہیں تم چیخنا نہ شروع کردو۔" پھر اس نے منہ پر سے ہاتھ ہٹالیا۔

دینا رامانی کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ زندہ کیسے بچ گیا۔ اسے ایک طرح سے زندہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی تھی اور اس نے ٹائیگر کا ہاتھ تھام کر اسے گرم جوشی سے چوم لیا اور مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"ٹائیگر.....! تمہیں جو زندگی ملی ہے اس بے پناہ خوشی سے میری آتما کو بڑا سکون ملا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے نئی زندگی ملی ہو۔"

ٹائیگر اس کا شکریہ ادا کرکے بولا۔ "اس وقت وہ چاروں طرف سخت خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟" اس کی بات سن کر دینا رامانی نے اسے پیشکش کی کہ وہ اس کے گھر چلے..... وہ اکیلی رہتی ہے..... وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ چلا گیا۔ گو یہ وقت کسی پر بھروسے کا نہیں تھا۔ لیکن اسے یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کی رفاقت میں سکون ملے گا۔ یوں بھی اس نے محسوس کیا کہ دینا رامانی اسے اپنے گھر لے جانے کے لئے بے چین تھی۔ اس نے ٹائیگر کو راستے میں سروجا کے بارے میں بتایا کہ بدمعاشوں نے جب اسے سمندر میں پھینکا تھا تب سروجا کسی زخمی شیرنی کی طرح ان بدمعاشوں پر جھپٹ پڑی تھی۔ اس نے کسی کے منہ پر تھپڑ مارے..... کسی کا منہ نوچ لیا..... تو کسی کو کاٹ کھایا..... منہ پر تھوک دیا..... انہیں حرامی کا خطاب دیا تھا..... جوتی سے چہرے کا نقشہ بگاڑ دیا..... اگر اسے دو بدمعاش دبوچ کر اور گھسیٹتے ہوئے زبردستی باہر نہ لے جاتے تو ان کی ورگت بنا دیتی۔

اس کہانی کی روشنی میں ٹائیگر کو یقین ہوگیا کہ سروجا اسے ڈبل کراس نہیں کررہی تھی۔

دینا رامانی کی رہائش مغربی ساحل سمندر کے پرفضا علاقے میں تھی۔ وہاں سکون کے متلاشی لوگ رہتے تھے۔ دولت مندوں کی یہ بستی تھی۔ فضا اور ماحول میں بڑی فرحت تھی۔ اس کا نہایت شان دار لگژری فلیٹ دیکھ کر ٹائیگر کا دل خوش ہوگیا۔ وہ بڑا متاثر ہوا۔ دینا رامانی نے اسے غسل کا مشورہ دیا۔ کیوں کہ کپڑے سمندر کے کھارے پانی کی وجہ سے جسم سے چپک گئے تھے۔ جب وہ نہا کر آیا تو اسے دینا رامانی نے اپنا شب خوابی کا لباس دے دیا۔ اس لئے کہ اس کے پاس کپڑے نہیں تھے۔

اس نے دو بیڈ رومز کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میرا ہے اور دوسرا مہمانوں کے لئے ہے..... دونوں میں ڈبل ماسٹر بیڈ ہیں..... جس میں چاہے رات گزار سکتے ہو..... میرے بیڈ روم میں..... دوسرے بیڈ روم میں تنہا رات گزارنا ہوگی..... ویسے جس بیڈ روم میں بھی رات گزارو..... حکم کی دیر ہے..... میں تمہاری ہر طرح کی سیوا کرنے کو تیار ہوں۔"

"تمہارا یہ احسان کیا کم ہے کہ تم نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی۔" ٹائیگر نے کہا۔

"تمہاری اس پیش کش کا بہت بہت شکریہ..... میرا خیال ہے کہ میں تنہا ہی رات گزاروں۔ ویسے تم نے جو دوسرا بیڈ روم بڑا خصوصی اور خواب ناک ماحول کا بنایا ہوا ہے۔ کیا تمہارے ہاں مہمان آتے ہیں..... میں نے شاید ایسا بیڈ روم خواب میں دیکھا ہو۔"

"تم جانتے ہوگے کہ شوبز نس میں ایک ماڈل گرل، ہیروئن اور رقاصہ کسی کال گرل کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ اس گندے تالاب میں نہیں رہ سکتی۔" وہ بولی۔ "یہ سب کال گرل ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو ستی ساوتری ثابت کرتی ہیں..... جھوٹ بولتی ہیں..... آج سب لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ یہ کیا ہوتی ہیں..... سچ سچ ایک بات بتاؤ..... کیا میں بہت بدصورت یا بے کشش ہوں جو رات میرے ساتھ گزارنا نہیں چاہتے ہو۔"

"نہیں دینا....." ٹائیگر نے بڑے پیار سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ "تم بہت حسین ہی نہیں بلکہ بے حد پرکشش بھی ہو۔ کون مرد نہیں چاہے گا کہ تمہاری اس محبت اور فیاضی کی پیشکش کو ٹھکرادے..... لیکن میں ذرا مختلف سوچ کا آدمی ہوں۔ اس لئے جسمانی تعلق کے مقابلے میں دوستی، خلوص، اور پاکیزگی کا رشتہ بڑا مقدس ہوتا ہے۔ روحانی کیفیت کی بات ہوتی ہے۔ اس لئے میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ غلاظت کے دلدل میں نہ گروں۔"

"میری زندگی میں تمہاری جیسی سوچ کا کوئی آدمی نہیں آیا۔ تم سچ کہتے ہو۔ روحوں کا ملاپ اطمینان قلب ہے اور ہر تعلق سے بلند تر ہوتا ہے..... کیا سروجا سے بھی تم جسمانی تعلق نہیں رکھتے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے سر ہلایا۔ "میں نے آج جو حرکت کی وہ جگ دیپ کو جلانے کی تھی۔ بس..... اتنی سی بات ہے۔"

پھر وہ اس کا بوسہ لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ ٹائیگر دل میں حیران تھا کہ آخر وہ ایسا کیوں اور کس لئے چاہتی ہے۔ اس کی زندگی میں مردوں کی کیا کمی ہے.....؟ لوگ اس کے ساتھ راتیں کالی کرتے ہیں اور رقم بھی دے جاتے ہیں۔

ٹائیگر بستر پر دراز ہو کر چاہتا تھا کہ وہ گزرے واقعے پر سوچے۔ لیکن اس قدر تھکا ہوا تھا کہ نیند نے اسے دبوچ لیا تو اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ جیسے گھوڑے بیچ کر دن چڑھے تک سوتا رہا۔ اس نے نیند کی حالت میں محسوس کیا تھا۔ دینا رامانی اس کے بستر پر ساتھ سوتی رہی۔ اسے اس لئے محسوس ہوا تھا کہ بستر اس کے جسم کی خوشبو سے مہکتا رہا۔ بیدار ہوا تو اس کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک بستر کی چادر میں بسی ہوئی تھی۔ اس نے آئینہ دیکھا تو چہرے پر لپ اسٹک کے نشانات تھے۔ وہ مسکرادیا۔

دینا رامانی نے اس کے بیدار ہوتے ہی اس کا ماتھا چھو کر دیکھا۔ پھر اس کے گلے کے نیچے ہاتھ رکھا اور بولی۔

"تمہیں رات تیز بخار چڑھ آیا تھا۔ تم ہذیان بک رہے تھے۔ اب کچھ کم تو ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ رات مجھے تیز بخار تھا اور میں ہذیان بک رہا تھا۔" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"میں نے اپنا دروازہ کھلا رکھا ہوا تھا..... تمہاری آواز سے میری نیند ٹوٹ گئی..... میں سمجھی تم مجھے بلا رہے ہو..... جب میں نے دیکھا کہ تم ہذیان بک رہے ہو..... میں نے تمہارے ماتھے اور گلے کے نیچے ہاتھ لگا کر دیکھا تم بخار میں تپ رہے تھے۔ میں ساری رات تمہارے سرہانے بیٹھی پانی کی ٹھنڈی پٹی تمہارے ماتھے پر رکھتی رہی۔ جب بخار خاصا اتر گیا اور تم نے ہذیان بکنا بند کیا تو میں ساتھ ہی لیٹ گئی۔ شاید تمہیں کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے۔" دینا رامانی بولی۔

"تمہارا یہ دوسرا احسان ہے جس نے مجھے زندگی دی۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اچھا اب تم منہ ہاتھ دھو آؤ..... میں ناشتا اور بخار کی گولیاں لاتی ہوں۔ ایسا کرنا ناشتے کی میز پر آجانا۔"

جب ٹائیگر تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو اس پر پرتکلف ناشتا چنا ہوا تھا۔ پراٹھے..... آملیٹ..... توس..... مکھن، جام جیلی، ملائی اور شہد تھا۔ وہ ہنس دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا بیمار یہ سب کچھ کھا سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں....." اس نے جواب دیا۔ "ایک تو رات تم نے کچھ کھایا نہیں تھا..... پانی میں بڑی دیر تک ڈوبے رہے..... یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اے سی آن کر دیا تھا..... اس کی ٹھنڈک سے بخار آ گیا تھا۔ اب تم بہت بہتر ہو۔ جلدی سے ناشتا کر لو۔ میں تمہارے لئے کافی اور بخار کی گولیاں لاتی ہوں....."

کچھ دیر بعد وہ کافی اور گولی لے کر آئی۔ اس نے پانی کے ساتھ گولی کھلائی۔ پھر کافی پی۔ اس پر تکلف ناشتے نے اس کی طبیعت قدرے بحال کر دی تھی۔

وہ ایک طرح سے سچ مچ بیوی جیسے بن گئی تھی۔ اس نے ٹائیگر سے پوچھا کہ ہاتھ پیروں اور جسم میں درد ہو رہا ہو تو دبا دے؟ ٹائیگر نے اس سے کہا وہ اس کے لئے مردانہ جوڑے کا کہیں سے بندوبست کر دے یا خرید کر لا دے۔ اس نے ٹائیگر سے کہا تم آج نہیں نکلنا..... وہ تمہاری لاش سمندر میں نہ پا کر تلاش میں ہوں گے۔ میں آج تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ تم کل صبح ہی جاؤ گے۔ میں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتی..... تم لباس کی پروا نہ کرو بس..... اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے لئے دوپہر کا کھانا تیار کروں گی۔ رات کا بھی..... آج رات کا میرا کوئی پروگرام نہیں ہے۔

وہ ٹائیگر کو ایک لمحے کے لئے بھی تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے کہ دینا رامانی اس کی معیت میں سارا دن گزارے..... اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ اس کی آنکھوں میں خودسپردگی اور نہ اس کے گداز رسیلے ہونٹ دعوت گناہ دے رہے تھے۔

ٹائیگر کچھ دیر بعد یہ کہہ کر کمرے میں آ گیا کہ وہ یکسوئی سے حالات کے بارے میں کچھ سوچنا اور واقعات کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بھیڑ دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ سری ناتھ کے قتل کے بعد آخر دستاویز گئی کہاں.....؟ اس نے فرضی نام سے کمرا بک کرا لیا لیکن پہنچنے سے پہلے ہی وہ قتل ہو گیا۔ کمرے میں قتل کیا گیا تھا۔ قاتل جو کوئی بھی تھا اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ اب وہ دستاویز اس کے قبضے میں ہے۔ اس نے تورا لائی کے ہاتھ اس لئے نہیں بھیجی کہ اسے منہ مانگا معاوضہ ملنے کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی بلکہ شاید اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ وہ شاید کسی ملک کے ہاتھ دستاویز فروخت کرنا چاہتا ہوگا جو اس کے دشمن ہیں۔ دشمن ہی منہ مانگی قیمت دے سکتا تھا۔

ٹائیگر نے سوچا کہ "دینا رامانی کے ہاں بیڈ ریسٹ کرنے کے بجائے اسے فوری طور پر اس دستاویز کے حصول کے لئے قدم اٹھانا چاہئے۔ اور پھر اسے سروجا سے بھی رپورٹ لینا تھی۔ ان بدمعاشوں نے کیا تیر مارا ہے؟"

سروجا ہی اسے صحیح رپورٹ دے سکتی تھی۔ اس نے سروجا کو ٹیلی فون کرنے کے لئے اس نے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا جس نے اس سے رشوت لے کر سری ناتھ کا کمرا دیا تھا..... اس نے ٹائیگر کو بتایا کہ اس کے متعلق یہ خبر گرم ہے کہ وہ سمندر میں ڈوب گیا ہے۔ اس کی لاش کی تلاش کے لئے سمندر میں غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں..... "ٹائیگر کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ایک موٹا سا غنڈہ ہوٹل میں تحقیقات کرتا پھر رہا تھا....." پھر ٹائیگر نے اسے تاکید کی کہ وہ کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتائے اور نہ اس گفتگو کی کسی کو بھی کوئی خبر ہو۔ آنکھیں اور کان کھول کر رکھنا۔ کوئی خاص بات علم میں آئے تو اسے ذہن کے لاکرز میں محفوظ کر دینا۔ تمہارے پانچ سو روپے پکے....."

پھر اس نے سروجا کو ٹیلی فون کیا۔ ٹائیگر کی خوش بختی تھی کہ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ ٹائیگر زندہ ہے۔ اس کے سوال کے جواب میں بتایا کہ تورا لائی..... سری ناتھ سے جو چیز ملنے والی تھی وہ ابھی تک نہیں مل سکی..... جگ دیپ رات والے واقعہ سے اس پر بہت زیادہ مہربان ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اسے سروجا کی وفاداری پر اندھا یقین ہو گیا ہے۔ اس نے رات جگ دیپ سے کہا تھا کہ ٹائیگر کی موت کے بعد جارج کی وقعت تورا لائی کی نظروں میں کم ہو جائے گی۔ جگ

دیپ نے اس دلیل کو تسلیم کر لیا ہے۔ پھر سروجا نے اسے بڑے محبت بھرے انداز میں نصیحت کی وہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالے۔

دینا رامانی نے رات اس کا سوٹ، قمیص اور زیر جامے دھو کر سوکھنے کے لئے رکھ دیا تھا۔ صبح جب وہ خشک ہو گئے تو اس نے ان پر استری بھی کر دی۔ وہ اسے اکیلے جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔ ٹائیگر نے اسے سمجھایا کہ یہاں کے تمام بدمعاش اس کی جان کے دشمن ہیں۔ لہٰذا وہ اس کے ساتھ نہ چلے۔ پھر اس نے ٹیلی فون کر کے ایک ٹیکسی منگوائی، ٹیکسی والے سے اس نے کہا کہ وہ چوک کے پاس اس کا انتظار کرے۔

جس وقت وہ دینا رامانی کے ہاں سے رخصت ہو رہا تھا تب اس نے ٹائیگر کا ہاتھ بڑی محبت اور گرم جوشی سے تھام لیا پھر بولی۔

"ٹائیگر مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے میلا نہیں کیا جب کہ میں تم پر مہربان ہونا چاہتی تھی۔ ہمیں ایک حادثاتی لمحے نے ملا دیا۔ تمہاری رفاقت سے میرے دل کو جو شانتی ملی ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

پھر دینا رامانی نے بوسوں کی بوچھاڑ سے اسے رخصت کیا۔ لیکن یہ بوسے پاکیزہ اور جذبوں سے بھرے ہوئے تھے۔

جب ٹائیگر باہر نکلا تو موسم خوش گوار تھا۔ بڑی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ دھوپ بھی چمک رہی تھی۔ وہ محتاط انداز سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں ٹیکسی اس کی منتظر تھی۔ ممبئی کے تمام خطرناک بدمعاش اس کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی گولی مارنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے..... اسے دور سے ٹیکسی نظر آ گئی تھی۔ وہ رات کے لرزہ خیز واقعے کے بارے میں سوچتا جا رہا تھا کہ ایک گاڑی اچانک آ کر اس کے عقب میں رکی تو اس کے بریک لگنے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے ذہن میں فوری جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ وہ پھر دشمنوں کے نرغے میں آ گیا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا یہ دینا کی گاڑی تھی۔

"دینا.....! کیا میں نے تم سے دور رہنے کے لئے نہیں کہا تھا..... کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری وجہ سے لپیٹ میں آ جاؤ۔"

مگر اس نے میری بات نہیں مانی تھی..... اس سے رہا نہیں گیا تھا اس لئے وہ گاڑی لے کر آ گئی تھی تاکہ وہ جہاں کہے اسے لے کر چل سکے۔ ٹائیگر نے اسے بادل نخواستہ ساتھ لے لیا۔ وہ اس کی خاطر ہر قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار تھی۔ اس نے ٹیکسی کو رخصت کر دیا۔ پھر وہ اسے لے کر سیوری کے ہوٹل پہنچا۔ جب وہ دونوں کمرے میں پہنچے تو دینا رامانی نے پوچھا کہ..... "کیا یہاں کسی کا انتظار ہے.....؟" ٹائیگر نے اسے جواب دیا کہ "بس تم خاموشی سے دیکھتی جاؤ کہ کیا واقعات پیش آتے ہیں....." بیٹھے بیٹھے اسے ایک خیال آیا تو اس نے فوراً ہی ہوٹل فون کر کے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا..... اس نے بتایا کہ..... "کل سہ پہر کے وقت آپ کی بیوی آپ کا پوچھتی ہوئی آئی تھی۔ آئی ایم سوری سر.....! میں یہ بات آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔"

اس نے جو بیوی کا حلیہ بتایا تھا وہ سنتے ہی ٹائیگر اچھل پڑا۔ یہ اس عورت کا حلیہ تھا جو اس کے کمرے میں آئی تھی۔ یہ ایویلین کا حلیہ تھا۔ اس کا خیال آتے ہی ٹائیگر نے اپنا سر پیٹ لیا کہ اس سے کتنی بڑی بھول ہو گئی۔ وہ اس کے واضح اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ بازی ہار چکا ہے۔ اسے دیر ہو چکی تھی۔

پھر بھی ٹائیگر نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے سروجا کو کوئی دو تین مرتبہ فون کیا تو وہ مصروف جا رہا تھا۔ شاید ریسور کریڈل پر ٹھیک نہ رکھا ہوا تھا۔ اب اس کے لئے لمحہ لمحہ قیمتی تھا۔ پھر وہ دینا رامانی کو لے کر فوراً سروجا کے کاٹیج پر پہنچا۔ اس نے دینا رامانی کو باہر ٹھہرنے کے لئے کہا۔ پھر وہ دندناتا ہوا اس کے کاٹیج میں گھس گیا۔ اس وقت اسے جگ دیپ اور غنڈے ساتھیوں کی ذرا برابر بھی فکر نہ تھی اور نہ ہی کوئی خوف اور ڈر تھا۔ سروجا اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اسے جیسے اپنی نظروں پر یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آیا۔ اتفاق سے وہ اکیلی تھی۔ اس کے زندہ بچ جانے کی وہ بڑی جذباتی انداز سے خوشی اور جشن منانا چاہتی تھی۔ اس لئے بھی کہ اکیلی تھی..... ٹائیگر نے کہا یہ خوشی اور جشن بعد میں بھی منایا جاسکتا ہے..... اس نے ایوا کا حلیہ بتاتے ہوئے پوچھا کہ کیا یہ لڑکی آئی تھی.....؟ اس نے بتایا کہ وہ آئی تو تھی۔ اس نے ایوا کے بارے میں بتانے کے لئے کوئی تین مرتبہ اسے ٹیلی فون کیا تھا۔ لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ سرد جانے ٹائیگر کو بتایا کہ وہ اس ہوٹل کے کاٹیج نمبر چھ میں ٹھہری ہوئی ہے..... پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ تورالائی کو آدھے گھنٹے پہلے کسی نے ٹیلی فون کرکے کہا اسے سری ناتھ کا تحفہ چاہئے تو وہ پانچ لاکھ ڈالر میں دے سکتا ہے۔ تورالائی نے اس کے شوہر کے سپرد طے کرنے کی خدمات کردی ہیں۔ جگ دیپ تورالائی سے مل کر سیدھا یہاں آیا تھا۔ ٹائیگر کے کہنے پر سرد جانے اسے کاٹیج کے برآمدے سے ایوا کا کاٹیج نمبر چھ دکھادیا۔

ٹائیگر کے لئے ایک لحظہ بھی اس قدر قیمتی تھا کہ اس نے نہ تو سرد جا کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی اس کی اجازت لی۔ بلکہ بڑی سرعت سے باہر نکل گیا۔ اس نے دینا رامانی کی گاڑی میں بھی وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے حواس جیسے معطل تھے۔ وہ درختوں کے درمیان سے بھاگنے لگا۔ جب وہ ایوا کے کاٹیج سے سوگز دور تھا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ ایک شخص تیزی سے ایوا کے کاٹیج سے باہر آیا۔ پھر باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ اس نے ایوا کی سلامتی کے لئے دوڑ لگائی تھی لیکن اسے دیر ہوچکی تھی۔

ایوا کا کاٹیج بھی سرد جا کے کاٹیج کی طرح تھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا اس کی نظر سامنے والے کمرے پر پڑی۔ جس میں سے آگ کے شعلے باہر آتے دکھائی دے رہے تھے پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ اس بدمعاش نے صرف کاٹیج کو آگ لگائی ہے۔ لیکن دوسرے لمحے گوشت جلنے کی بو محسوس ہوئی جو بہت ناگوار اور تیز تھی۔ پھر اس نے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہوکر دیکھا..... کمرے میں گیسو کین بھری تھی۔ اس کے عین اوپر دو انسانی پاؤں لٹک رہے تھے۔ تیز شعلوں اور آگ کی حدت نے انہیں جلا کر سیاہ کردیا تھا۔ یہ ایوا کے پاؤں تھے..... اسے نہ صرف کرسی سے باندھ کر جکڑ دیا تھا بلکہ منہ پر ٹیپ چپکائی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے ایوا کے جسم کو بڑی سرعت سے چاٹ رہے تھے۔

مگر وہ ایک انسان کو جلتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے منہ پر سے ٹیپ ہٹائی تو اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے بہت آہستہ آہستہ اپنی پلکیں اوپر اٹھائیں..... وہ اسے دیکھتے ہی بہ وقت تمام ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط الفاظ بھی کہنے لگی۔

اس بدمعاش نے اس کا نام تورالائی بتایا..... گل آئی لینڈ..... گل.....“

ٹائیگر نے اس سے کہا کہ زیادہ مت بولو..... میں ابھی ڈاکٹر اور ایمبولینس کو بھی لے کر آتا ہوں..... مگر اس کی موت نے اسے مہلت نہیں دی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

ایوا..... سری ناتھ کی قاتلہ تھی۔ لیکن اس وقت اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات تھے۔ ایک عورت کو اس بربریت، بہیمانہ اور ایذا دے کر مارنا کسی بھی انسان کو زیب نہیں دیتا تھا۔ یہ بدترین اور وحشیانہ قتل تھا۔ ایسی سفاکی اور درندگی ایک شقی القلب خوں آشام بھیڑیا بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ لیکن وہ کیا کرسکتا تھا اس وقت قاتل اس کی نظروں سے اوجھل، دسترس سے باہر اور دور تھا۔

تورالائی کا آدمی اس دستاویز کی تلاش میں گل آئی لینڈ جاچکا تھا جو سمندر کے بیچ و بیچ موجود تھا۔ اب وہ ہر قیمت پر یہ دستاویز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے تہیہ کرلیا تھا کہ کسی بھی صورت میں وہ اس دستاویز کو تورالائی تک پہنچنے نہیں دے گا۔ اس کے ہاتھ لگنے کا مطلب یہ تھا ساری دنیا کے سکون و امن کو تہہ و بالا کیا جاسکتا تھا۔ اس

لئے کہ وہ ساری دنیا کے مافیاؤں کی تنظیمیں جو تھیں وہ ان کا سرغنہ تھا۔ وہ ساری دنیا کی سیاست اور معیشت کو قابو میں کئے ہوئے تھے۔ وہ جب چاہیں اور جس ملک کی چاہیں بساط الٹ دیں۔ تورالائی کو دستاویز نہ ملنے سے پوری دنیا میں سکون رہتا تھا۔ وہ نہ صرف اسلحہ بلکہ منشیات کے کاروبار میں بھی ملوث تھا۔ ہر ملک میں اس کا اثر و رسوخ اس لئے بھی تھا کہ وہاں کے سربراہ اس کے زیر اثر تھے..... اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ شخصیات اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی تھیں..... اور فلمی دنیا کی..... ہر مرد کی کمزوری عورت ہوتی ہے..... جو بھی شخصیت جس کسی اداکارہ کی اور منتخب ملکہ حسن کی خواہش کرتا تھا وہ پہنچادی جاتی تھی۔ خفیہ طور پر ان کی فلم بنالی جاتی تھی۔ یہ تمام باتیں ٹائیگر کے علم میں بھی تھیں۔

ٹائیگر نے کچھ سوچ کر ایوا کے ہاتھ سے اس چپکی انگوٹھی کو اتارا۔ باہر آیا تو دینا رامانی..... سرد جا کے کاٹیج کے پاس ہی تھی۔ وہ اس کا اشارہ نہیں سمجھی تھی۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کی گاڑی کی طرف بڑھا۔ جو بدمعاش گاڑی میں گیا تھا۔ وہ اسے گل آئی لینڈ پہنچنے سے پہلے روک سکتا تھا۔ اب تک اس کا سامنا کسی بدمعاش سے نہیں ہوا تھا۔ دن کی روشنی میں اسے دور سے دیکھ کر کوئی بھی پہچان سکتا تھا۔ اس لئے اس کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ دینا کی گاڑی تک پہنچنے سے اس صورت میں خطرہ ٹل جاتا تھا۔ وہ دینا کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر تھا کہ سرد جا کے کاٹیج کا دروازہ کھلا۔ اس میں سے جو کر نکلا۔ وہ اس قدر سفاک اور ظالم تھا کہ اس کے نزدیک انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں تھا۔ اس کی نگاہ جیسے ہی ٹائیگر پر پڑی وہ بھونچکا سا ہوگیا۔

ٹائیگر نے فوراً ہی دینا کی گاڑی کی طرف دوڑ لگائی پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”تم فوراً گاڑی لے کر بھاگ جاؤ۔“

جو کر ٹائیگر کی تیز آواز سن کر چونکا..... وہ بھی اس کی طرف تیزی سے دوڑ کر آنے لگا۔ دینا نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔ لیکن وہ برق رفتاری سے گاڑی اور ٹائیگر کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔

ٹائیگر فوراً ہی راستہ بدل کر دوسری سمت بھاگنے لگا۔ پھر اس نے چیختے ہوئے دینا سے کہا کہ وہ بھاگ جائے۔ خطرہ مول نہ لے۔ ٹائیگر نہیں چاہتا تھا کہ دینا کے ساتھ بھی ایوا جیسا سلوک ہو۔ اب جو کر سے مقابلہ کئے بغیر چارہ نہیں رہا تھا۔ لیکن وہ جو کر کو بے خبری میں سزا دینا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی دیکھ لیا تھا۔ جو کر نے اس خیال سے گولی نہیں چلائی تھی کہ اس کی آواز سن کر لوگ اس طرف آسکتے تھے۔

وہ ٹائیگر کو بھی پرتشدد موت کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ جب ٹائیگر اور اس کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہا تو جو کر نے اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ٹائیگر کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو جو کر کا خیال تھا کہ اسے قابو میں کرلے گا۔ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ اس نے ٹائیگر کو جیسے بلی کا بچہ سمجھ لیا تھا۔ ٹائیگر اس سے فٹ بال کے کھلاڑی کے انداز میں بری طرح ٹکرایا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ اور زمین پر گر گیا۔

اس اثنا میں دینا نے گاڑی لاکر روکی تو ٹائیگر کو اس پر سخت غصہ آیا۔ دینا کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ لڑائی زندگی اور موت کی ہے۔ مرغوں کی نہیں۔ جو کر نے دینا کو پہچان لیا تو اس کا انجام کس قدر دردناک ہوگا۔ ٹائیگر نے پھر اسے بھاگ جانے کے لئے کہا۔ جو کر کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے وہ ریوالور بھی اٹھانے کی کوشش نہیں کی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ وہ سنبھل کر ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ ٹائیگر جوڈو کراٹے میں کسی قدر مہارت رکھتا ہے۔ جس وقت جو کر غراتا اور سور جیسی آنکھوں سے گھورتا اس پر حملہ آور ہوا تو ٹائیگر نے اس کے منہ پر ایک بھرپور وار کیا۔ ٹائیگر نے اس کی ناک کی ہڈی کا نشانہ لیا تھا۔ اس نے ٹائیگر کا ہاتھ پکڑ کے بل دینا شروع کیا۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ ٹائیگر نے اپنا گھٹنا اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر دے مارا۔ وہ کراہ کر دہرا ہوا اور زمین پر کسی کٹے درخت کی طرح آرہا۔ پھر بے ہوش ہوگیا۔

دینا رامانی جو یہ لڑائی دیکھ رہی تھی جو کر کو بے ہوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر گاڑی لے آئی..... ٹائیگر کی رگوں میں نفرت، حقارت اور غصے سے لہو ابل رہا تھا۔ اگر گل آئی لینڈ جانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ جوکر کی ایسی درگت بناتا..... ایذائیں دیتا..... ایسا تشدد کرتا کہ کتے کی موت مرتا۔

دینا رامانی نہیں چاہتی تھی کہ ٹائیگر گل آئی لینڈ جائے۔ اسے خوف اور اندیشہ تھا کہ کہیں اسے ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اس نے دینا رامانی کو صورت حال کی نزاکت اور دستاویزات کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ پھر دینا رامانی نے اس کے کہنے پر ساحلی علاقے پر گاڑی روک لی۔

پھر ٹائیگر نے وہاں اتر کر ایک موٹر بوٹ کرائے پر حاصل کی اور گل آئی لینڈ کی سمت معلوم کر کے اس طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔

اس وقت ساحلی علاقہ غیر معمولی طور پر پرسکون تھا۔ اس نے کچھ دور جانے کے بعد موٹر بوٹ کے عقب میں دیکھا۔ موٹر بوٹ سے پیدا ہونے والی لہروں کے علاوہ سکوت طاری تھا۔ جیسے یہ کوئی بہت بڑی جھیل ہو۔ اب اسے گل آئی لینڈ کے افق نظر آنے لگے۔ وہاں کل چھ جزیرے تھے۔ ان میں سے کس جزیرے پر دستاویزات چھپائی گئی تھیں یہ معلوم کرنا بہت مشکل تھا۔ ایوا نے بڑی ذہانت اور دور اندیشی سے کام لیا تھا۔

مگر اندھیرے میں ایک کرن تھی۔ ایوا کے قاتل نے شاید تشدد سے اگلوا لیا ہوگا۔ موٹر بوٹ کی آواز سے اس کی آمد سے دشمن کو باخبر کر دیتی اور وہ اس کی گھات میں بیٹھ جاتا۔ اس کے لئے ٹائیگر کو موت کا نشانہ بنانا آسان ہوتا۔ ٹائیگر نے سوچا۔ اسے یہ خیال آیا کہ جلد بازی میں وہ ریوالور لینا بھول گیا۔ وہ اب بھی واپس جا کر کہیں سے بھی ریوالور کا بندوبست کر کے آ سکتا تھا۔ اس کے بہت سے ذرائع بھی تھے۔ مگر وہ وقت برباد کرنے کے حق میں نہیں تھا..... اور پھر اس نے بار بار مڑ کے تسلی کر لی تھی کہ کوئی اس کے تعاقب میں تو نہیں ہے؟ اس نے اپنے موٹر بوٹ کا انجن بند کر دیا تھا کیوں کہ وہ گل آئی لینڈ پہنچ چکا تھا۔

سب سے پہلے اسے ایوا کے قاتل کی کشتی کو تلاش کرنا تھا جو یہاں آیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی تلاش میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ اس نے جلد ہی موٹر بوٹ کو پالیا جو ساحل کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا کہ وہ جیسے ہی آئے اسے دبوچ لے۔ انتظار کے لمحات اس کے لئے بڑے اذیت ناک تھے۔ اب ان دونوں سے ایک ہی زندہ جا سکتا تھا۔ اس کی رگوں میں لہو ابل رہا تھا۔ اس نے جس بے رحمی اور شقاوت سے ایوا کو موت کی نیند سلایا تھا۔ وہ بڑا درد ناک اور روح فرسا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ایوا کی موت کا انتقام لینے کا تہیہ کر چکا تھا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد وہ اسے آتا دکھائی دیا۔ وہ چھپ کر بیٹھا ہی رہا اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔ ٹائیگر کو اس وقت بڑی شدت سے ریوالور کی کمی محسوس ہوئی تھی۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا اس کے خدوخال واضح ہوتے گئے۔ جب اس کے اور ٹائیگر کے درمیان کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تب ٹائیگر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس طرح سکون اور اطمینان سے چلا آ رہا تھا جیسے اس کے سوا یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ ٹائیگر کو دیکھتے ہی وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ کیوں کہ اس کے خیال میں ٹائیگر اس جہان فانی سے دفع ہو چکا تھا..... اور وہ ٹائیگر کو اس جزیرے پر پا کر بری طرح سٹپٹا گیا۔

ٹائیگر اس کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر اس کی طرف کوندا بن کر لپکا۔ اس بدمعاش نے جلد ہی اپنی حیرت پر قابو پالیا تھا اور ٹائیگر کو قریب پا کر دستاویز والا سیاہ صندوقچہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اگر ٹائیگر سرعت سے ایک طرف نہ ہٹتا تو اس کے چہرے کا جغرافیہ بدل جاتا۔ پھر بھی وہ اس کے شانے سے ٹکراتا ہوا کچھ فاصلے پر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ بدمعاش جیب سے ریوالور نکالتا۔ ٹائیگر نے اس پر تیندوے کی طرح چھلانگ لگا دی۔

وہ ٹائیگر سے ٹکراتے ہی گر گیا تھا لیکن برقی سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ان دونوں کے درمیان زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو گئی۔ اب ان دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اس پر پھر چھلانگ لگا دی۔ اس نے کمال ہوشیاری اور مستعدی سے خود کو بچایا اور ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو کر ٹائیگر کے جبڑے پر اتنے زور سے مکا مارا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی تک آگ بھر گئی۔ وہ اس کے حملے سے سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ اس کے مضبوط ہاتھوں کا ایک بھرپور وار ٹائیگر کے گلے سے نیچے پڑا۔ ٹائیگر درد سے کراہ اٹھا۔

جگ دیپ بھی ٹائیگر کی طرح جوڈو کراٹے میں ماہر تھا۔ وہ ٹائیگر پر بھاری پڑ چکا تھا۔ یہ اس کی خوش بختی تھی کہ جگ دیپ اپنے فن سے کام لینے کے بجائے اپنے ریوالور سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو جونہی جان محسوس کیا تو اپنی جیب سے ریوالور نکالنے لگا۔ اس وقت وہ ٹائیگر کے قریب تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ٹائیگر پر گھونسا تانا مگر ٹائیگر اس پر سبقت لے گیا۔ ٹائیگر نے اس کے سر پر ایک زوردار ترچھا ہاتھ مارا جس سے وہ بری طرح ڈگمگا گیا۔ لیکن اس نے اس کے باوجود ٹائیگر کی پسلی پر مکا رسید کر دیا۔ ٹائیگر مدافعت کرنے لگا۔ اس کے گھونسوں میں بڑی طاقت تھی۔ جس کی وہ تاب نہیں لا پا رہا تھا۔ اگر وہ اس پر مکوں کی مسلسل بارش کرتا تو ٹائیگر شاید بچ نہ پاتا۔ اس نے جو دوبارہ ریوالور نکالنے کی کوشش کی وہ جگ دیپ کو مہنگی پڑی۔

ٹائیگر نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر پھر اس پر جست لگا دی۔ وہ دونوں زمین پر آ رہے۔ وہ ٹائیگر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے بغیر کسی تاخیر کے اس کے منہ، سینے اور نازک مقامات پر جنونی انداز سے مکے برسانا شروع کر دیئے۔ اسے تڑپا تڑپا کر مارنے لگا۔ اس کی نظروں میں ایوا کا چہرہ اور لاش گھومنے لگی تھی جس نے ٹائیگر کی نفرت اور اس کے غصے کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ وہ وحشی درندہ بن گیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس خبیث اور درندے نے دم توڑ دیا..... جگ دیپ کی عبرتناک موت کی خوشی ٹائیگر کو اس بات سے ہو رہی تھی کہ اس نے ایوا کی دردناک موت کا انتقام لے لیا تھا۔ وہ کتے کی موت مرا تھا۔

ٹائیگر کو گھٹنے میں چوٹ آنے کی وجہ سے چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے دستاویز والا سیاہ صندوقچہ اٹھا لیا۔ پھر اپنی موٹر بوٹ کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس کی نگاہ معاً اٹھی تو اس کی رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اسے اب خیال آیا کہ جو کرنے ہوش میں آتے ہی تورالائی کو اس کے بارے میں بتا دیا ہوگا کہ..... ٹائیگر زندہ ہے۔ تورالائی کے گرگے اس کی طرف آ رہے تھے جہاں وہ کھڑا ہوا تھا۔

موٹر بوٹوں میں سوار کل چھ نفر تھے۔ اس سے یہ حماقت ہوئی تھی کہ وہ جگ دیپ کا ریوالور نکال کر لانا بھول گیا تھا۔ وہ ہوتا تو اس سے ان کا مقابلہ اور دفاع ہو سکتا تھا..... پھر وہ جزیرے کے اندر کی طرف گرتا پڑتا بھاگا تاکہ اس صندوقچہ کو کہیں چھپا دے۔ چند لمحوں کی کوشش سے اسے ایک بڑا سا دوشاخہ درخت دکھائی دیا۔ ٹائیگر نے اس کو نشانہ بنایا اور اس سے بیس قدم دور شمال کی جانب کو کھودنا شروع کیا۔ چوں کہ زمین بے حد نرم تھی اس لئے وہ دو فٹ گہرا گڑھا کھودنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس میں صندوقچہ دفن کر کے زمین اس طرح ہموار کر دی کہ کھدائی کا شبہ نہ ہو۔ پھر وہ مختلف سمتوں میں اس طرح اندھا دھند بھاگنے لگا جیسے اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہو..... دشمن یہ سمجھے کہ اس کے بھاگنے کے نشان ہیں.....

چوں کہ سیاہ صندوقچہ ہر طرح سے محفوظ ہو چکا تھا اس لئے ٹائیگر کو بڑا سکون اور دل کو بڑی طمانیت سی محسوس ہوئی تھی۔ مگر اسے یہاں سے فرار ہونا مشکل دکھائی دیا۔ کیوں کہ اس کی اور جگ دیپ کی موٹر بوٹیں ان بدمعاشوں کے قبضے میں تھیں۔ وہ خشکی پر اتر چکے تھے۔ ایک صورت فرار کی یہی تھی کہ جگ دیپ کی موٹر بوٹ کے پاس ایک بدمعاش بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ ٹائیگر اس کی طرف آہستہ آہستہ اور بے آواز بڑھنے لگا۔ اس کی پشت ٹائیگر کی طرف تھی۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا لیا جو کرکٹ کی گیند سے قدرے بڑا تھا۔ ٹائیگر اس سے ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر کے فرار ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر اس کی طرف دبے قدموں بڑھ رہا تھا کہ اچانک اس کی کھوپڑی ریوالور کے بٹ کی ضرب سے بچ اٹھی تھی۔ اس کا سر ایک دم سے چکرایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ٹائیگر کو ہوش آیا تو وہ زمین پر چت پڑا تھا۔ وہ کتنی دیر تک بے ہوش رہا اسے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ جگہ

جزیرے کی ہی تھی کھلا آسمان تھا۔ آسمان پر پرندے محو پرواز تھے۔ اس نے سر کو گھمایا تھا کہ اس کے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ ہونٹوں نے خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ جبڑا ٹوٹنے سے کیسے بچ گیا۔ مگر گوشت میں بہت درد محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائیگر کراہ کر رہ گیا۔

"ٹائیگر.....؟" ایک کرخت آواز نے کہا۔ ذرا دائیں طرف کا نظارہ کرنا..... کس قدر دل فریب منظر ہے۔"

اس کا لہجہ استہزائی تھا۔ ٹائیگر نے اس کے کہنے کے مطابق سر گھمایا تو پھر اس کے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ فضا میں بدمعاشوں کے بھونڈے قہقہے جو بڑے بے ہنگم اور زہریلے قسم کے تھے فضا میں بلند ہوئے جو اس کے دل پر کوڑوں کی طرح لگے تھے۔

چند ثانیوں کے بعد اس نے حکم دیا۔ "چلو اٹھو..... اب سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

اب ٹائیگر کے نزدیک اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ اس پر تشدد کر کے اور ایذائیں دے کر اسے دردناک موت سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ دشمن کو دیکھے۔ اس نے دیکھا کہ وہ چھ بدمعاشوں کے نرغے میں ہے۔ وہ تین ریوالوروں کی نالیں اسے فرشتہ اجل کی طرح گھور رہی تھیں۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس وقت اس کے لئے صورت حال بڑی نازک خطرناک اور پیچیدہ تھی..... وہ اس بری طرح ان کی قید میں پھنس چکا تھا کہ اس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ....." اس مرتبہ وہ بری طرح دھاڑا۔

ٹائیگر نے کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھا جو اس پر مسلسل حکم چلا رہا تھا اور اس نے جبڑے پر بے دردی سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے انسانی مخلوق تو نہیں کہا جا سکتا۔ وہ پورا گنجا تھا۔ نصف چہرہ باقی چہرہ ہاتھی سے مشابہہ..... ہاتھی کی طرح..... چھوٹی چھوٹی سور جیسی گول آنکھیں..... اور مونچھوں کی یہ کیفیت کہ گویا بال نتھنوں میں سے گھاس کی طرح اگ کر باہر نکل آئے ہوں.....

لحظہ بہ لحظہ اس کا چہرہ خوف ناک اور انتہائی مکروہ دکھائی دینے لگا۔ اس نے اپنے چہرے کا رخ دوسری طرف کر لیا کہ یہ منحوس چہرہ نہ دیکھ سکے۔

"شاباش ٹائیگر!" اس نے تمسخر سے کہا۔ "تم بڑے سعادت مند اور فرماں بردار بھی ہوتے جا رہے ہو۔ میں نے تمہارے بارے میں یہ سن رکھا ہے کہ تم کسی کا حکم سننے کے عادی نہیں ہو..... اب یہ بتاؤ کہ وہ دستاویزات کہاں ہیں؟..... تم نے انہیں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟ دیکھو..... جھوٹ نہیں بولنا۔"

"کون سی دستاویزات.....؟" اس نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "تم کن دستاویزات کے بارے میں پوچھ رہے ہو.....؟"

"سنو ٹائیگر.....! اس نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم ہمیں بے وقوف مت سمجھو..... میں جو بھی سوال کروں اس کا ٹھیک سے جواب دینا..... اگر تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تو میں تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کی غذا بنا دوں گا۔"

یہ محض اس کی خالی خولی دھمکی نہ تھی۔ وہ اس بربریت کا مظاہرہ بھی کر سکتا تھا..... یا نیسہ ٹائیگر کے خلاف پلٹ چکا تھا۔ موت کا فرشتہ اس کی نظروں کے سامنے کھڑا تھا..... اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ صرف نام کا ٹائیگر نہیں ہے۔ جنگل کا بادشاہ ہے..... دنیا کے اس جنگل میں خونخوار درندے ہیں وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا..... اس خبیث کو اگلوانے کا فن آتا تھا۔ وہ اس پر کیسا ہی تشدد کیوں نہ کرے..... اس سے ایک لفظ بھی اگلوا نہیں سکتا تھا۔ یہ ایذا رسانی کا ماہر تھا۔ تورالائی نے اس کے تعاقب میں خون خوار شکاری کتوں کو بھیجا تھا۔ ٹائیگر نے دل میں قسم کھائی کہ وہ مر جائے گا مگر اس سیاہ بکس کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔

ٹائیگر نے اس سے کہا۔ "تم جن دستاویزات کے بارے میں پوچھ رہے ہو اس کے بارے میں مجھے قطعی کچھ نہیں معلوم....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جگ دیپ کہاں ہے؟" وہ غرایا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

اس کے سوال سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ اسے جگ دیپ کی لاش نظر نہیں آئی ہے۔

"جگ دیپ.....؟" اس نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے؟"

"تم میرا وقت ضائع کررہے ہو.....؟" وہ گرجا۔

"کیا تم یہاں محض تفریح یا کسی لڑکی کی تلاش میں وقت گزاری کے لئے یہاں آئے ہو؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے سر ہلادیا۔ "یہاں لڑکی کہاں.....؟ اگر ہوتی تو پھر کیا بات تھی..... البتہ ان جزیروں پر بہت خوب صورت اور مختلف ممالک کے پرندے ہجرت کرکے وہاں کے سرد موسم کی وجہ سے یہاں آجاتے ہیں اور بسیرا کرلیتے ہیں۔ میں انہیں دیکھنے آیا ہوں..... تم بھی انہیں دیکھ رہے ہوگے۔"

اس نے تاؤ میں آکر ایک زوردار مکا رسید کیا تو ٹائیگر پھر زمین پر گرگیا..... لیکن اس مرتبہ اس نے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیوں کہ اس طرح پڑے رہنے ہی میں اس کی عافیت تھی..... مگر وہ ٹائیگر کو کہاں بخشنے والا تھا۔ اس نے جھک کر ٹائیگر کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کردیا۔ پھر اس نے ایک بدمعاش سے کہا۔

"تم جاکر جگ دیپ کو تلاش کرو..... میرا خیال ہے کہ اس بدمعاش نے اسے ختم کردیا ہوگا۔"

"تمہیں ایک ہی صورت میں زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔" وہ بگڑ کر برہمی سے کہنے لگا۔ "جھوٹ سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا..... سچ سچ بتاؤ گے تو تم فائدے میں رہوگے..... تم یہاں جگ دیپ کے تعاقب میں آئے ہو..... تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میں سچ بول رہا ہوں تم میرے سوالات کا صحیح جواب دے کر ہی زندہ سلامت بنگلہ دیش واپس جاسکتے ہو۔"

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ وہ اسے زندگی کا لالچ دے رہا تھا۔ اب اسے اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی اس وقت تک سلامت ہے جب تک وہ دستاویزات کو نہیں پالیتے۔

ٹائیگر نے بے وقوفی سے کہا۔ "کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو تم میری بات کو سچ تسلیم کیوں نہیں کررہے ہو؟"

وہ ٹائیگر کا جواب سن کر طیش میں آگیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو مکے رسید کرکے اسے بے ہوشی کی دنیا میں پہنچادیا۔

ٹائیگر کافی دیر کے بعد ہوش میں آیا تھا۔ اس وقت وہ ٹائیگر کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے ٹائیگر کے منہ پر دو تین تھپڑ لگاتے ہوئے اور سور جیسی آنکھوں سے گھورتے ہوئے غصے سے کہا۔

"میں تمہارے پورے جسم کی ہڈیاں توڑ ڈالوں گا ٹائیگر.....! میں کتنا بڑا اجرامی ہوں تم نہیں جانتے۔"

ٹائیگر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دل میں کہا کہ واقعی تم حرامی ہو..... تم جیسا حرامی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا..... ٹائیگر اس کی دھمکی میں نہیں آیا۔ وہ اسے زندہ سلامت رکھنے پر مجبور تھا۔ اس لئے کہ اس کی موت سے اسے دستاویزات نہیں مل سکتی تھیں۔ اس نے ٹائیگر کے سینے سے اترتے ہوئے کہا۔

"اب تم شرافت سے کھڑے ہوجاؤ تاکہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں....."

اس نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جتنا جلد ہوسکے وہ ان درندہ صفت بدمعاشوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا..... اس کا ذہن برق رفتار سے ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ انہیں فریب دے کر بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ چوں کہ ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ وہ اس جزیرے پر کس لئے آیا ہے۔ اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ وہ اس کے فریب میں آجائیں گے۔ انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک تدبیر تھی کہ..... جگ دیپ کی تلاش میں آیا تھا۔ مگر وہ اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی دستاویز لے کر جاچکا تھا۔ انہیں اس کی بات کی سچائی پر یقین آجاتا۔ وہ اسے خشکی پر اور اس کے بیان کی تصدیق تک اسے زندہ

رہنے دیتے۔ پھر وہ اسی مہلت سے فائدہ اٹھالیتا۔

اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک بدمعاش نے اچانک ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو....."

پھر وہ سب اس سمت دیکھنے لگے۔ اس نے بھی دیکھا..... اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ ان کا ساتھی جگ دیپ کی لاش کو اس طرح سے گھسیٹتا ہوا لا رہا تھا جیسے وہ کسی جانور کی لاش ہو..... اس حرام زادے نے اپنے مردہ ساتھی کی لاش کا احترام نہیں کیا تھا۔ پھر اس نے لاش سامنے لاکر چھوڑ دی۔ سبھی اس لاش کو دیکھنے لگے..... زمین پر گھسٹنے سے لاش کی حالت اور ابتر ہوگئی تھی۔ چہرے کا گوشت اور آنکھ کا ایک حصہ رگڑ کی وجہ سے اڑ گیا تھا..... موت اور اس کی لاش عبرت ناک بن گئی تھی۔ اس کی زندگی تک یہ غنڈے جو اس کے نام سے کانپتے تھے۔ آج وہی اس کی میت کی بے حرمتی کررہے تھے۔

وہ اس خیال سے کانپ اٹھا تھا کہ یہ کمینے اس کی لاش کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ وہ سرغنہ اس کے قریب آیا۔

"تم نے جھوٹ بولا..... یہ بھی نہیں بتایا کہ جگ دیپ کہاں ہے؟..... کیا اس کی یہ حالت ٹھوکر کھانے سے ہوئی ہے.....؟ میں سب سے پہلے تمہارے دائیں ہاتھ کی ہڈی توڑوں گا....."

"اس سے پہلے کہ تم اپنی خواہش پوری کرو میری ایک بات سن لو۔" ٹائیگر نے دلدل میں جیسے تنکے کا سہارا لیا۔ "میں واقعی جگ دیپ کی تلاش میں آیا تھا..... اس کی وجہ اس سے ذاتی چپقلش ہے..... اس کا یہ خیال تھا کہ میرے اس کی حسین و جمیل بیوی سے تعلقات ہیں اور میں اس کی عدم موجودگی میں رنگ رلیاں مناتا ہوں۔ وہ میرا جانی دشمن بن گیا تھا..... تم جانتے ہو ناڈوئل کیا ہوتا ہے۔ انگریزوں میں یہ عام ہے۔ وہ آپس میں کسی بات کا انتقام لینے کے لئے کسی ویران اور سنسان جگہ پر لڑتے ہیں۔ اس نے مجھے اس جزیرے پر لڑنے کے لئے چیلنج کیا تھا۔ وہ میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی پہنچا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی مجھ پر حملہ آور ہوگیا۔ حالاں کہ اس کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں..... وہ مجھ سے جیت نہ سکا۔ زندگی کی بازی ہار گیا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو..... اس کے پاس ایک خطرناک قسم کا ریوالور تھا اور تم نہتے..... ایسی صورت میں تم اسے موت کے گھاٹ کیسے اتار سکتے تھے..... یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"ہم دونوں میں آپس میں کچھ دیر تک تکرار ہوتی رہی تھی۔ میں نے موقع پاکر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا تھا۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔ "بہت خوب مسٹر ٹائیگر.....!" وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا تم نے بڑا اچھا لطیفہ بنایا..... جی خوش ہوگیا..... گویا تم ریوالور چھیننے میں مہارت رکھتے ہو....." اس نے توقف کرکے جیب سے ریوالور نکالا۔ اسے اپنی انگلیوں پر نچاتے ہوئے بولا۔ "اچھا تم اسے چھین کر دکھاؤ..... تم نے اگر چھین لیا تو تمہیں آزاد کردوں گا۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اس کے ساتھ تفریح کررہا ہے..... یہ بدمعاش دشمن کو موت کے منہ میں اتارنے سے پہلے اس طرح استہزا کرتے تھے وہ ٹائیگر کو خاموش اور بے حس و حرکت پاکر بولا۔

"کیا ہوا..... تم نے مجھ سے ریوالور نہیں چھینا..... تم تو اس کام کے ماہر ہو....."

"اس طرف دیکھو..... ایک بدمعاش نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ سبھی اس جانب دیکھنے لگے۔ ایک سفید موٹر لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی ان کی سمت آرہی تھی۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ یہ سمندری گشتی پولیس کی لانچ ہوگی۔ مگر وہ لانچ ساحل سے پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر سے دوسری طرف مڑ گئی۔ اس میں دو آدمی بیٹھے تھے جو ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ساحل سے دو سو گز دور جاکر ان کی طرف مڑتی دکھائی دی۔ "ہمیں یہاں سے ہٹ کر اندر چلنا چاہئے۔" اس نے سوال کیا۔ "اس طرح یہاں کھڑے رہنے سے انہیں شک ہوسکتا ہے....." پھر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹائیگر سے بولا۔ ”ابھی تمہارا دماغ درست نہیں ہوا.....؟ تم دستاویزات کے بارے میں نہیں بتاؤ گے تو سوچ لو..... تمہارا حشر جگ دیپ سے بھی بہت برا ہو سکتا ہے۔“

”وہ میرے پاس نہیں ہے..... کیا میں اسے آسمان سے لاکر تمہاری خدمت میں پیش کروں؟“

وہ پہلے ہی سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ ٹائیگر کے جواب نے اسے بری طرح تپا دیا۔ پھر اس نے ٹائیگر کو گھونسا مار کر گرا دیا۔ وہ جیسے ہی زمین پر گرا مجھ پر جھک کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ تب اس نے دل میں سوچا کہ یہ بدمعاش اس طرح تو اس کے سارے بدن کی ہڈیاں توڑ کر اسے معذور کر دے گا۔ گیدڑ کی موت مرنے سے بہتر ہے کہ اسے بہادری سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اب بازوؤں اور صلاحیتوں کو آزمانے کے سوا چارہ نہیں رہا ہے..... چوں کہ وہ مسلح بدمعاشوں کے نرغے میں تھا اس لئے اس حرام زادے سے مقابلہ نہ کر سکا تھا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تخت یا تختہ..... موت یا زندگی..... یوں بھی وہ کسی شیر سے کم نہیں تھا۔

”ارے..... یہ دیکھو..... یہ کیا ہے.....؟“ ایک بدمعاش نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔

وہ بدمعاش جو اس پر جھکا ہوا تھا۔ اپنے ساتھی کی آواز سنتے ہی سر گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ لانچ شور کرتی ہوئی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی..... اور پھر کنارے سے ذرا دور ہو کر سمندر کی طرف مڑ گئی۔ اس وقت جو منظر دکھائی دیا وہ ناقابل یقین تھا..... شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے حواس معطل ہو رہے تھے۔ لیکن یہ حقیقت تھی۔ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ نہ ہی یہ کوئی رنگین اور ہیجان خیز خواب تھا۔

لانچ کے پیچھے ایک لمبی رسی بندھی ہوئی تھی اور اس کے آخری سرے کو ایک جوان عورت تھامے ہوئی تھی۔ وہ اسکائنگ کر رہی تھی..... یہ کوئی نئی یا حیرت کی یا معیوب بات نہ تھی..... لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس عورت کے حسین پرشباب گداز بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی..... کسی بھی حصے پر ایک دھجی تک نہ تھی۔ وہ اس حالت میں اسکائنگ کے چرمی جوتے نما لمبے تختوں پر کھڑی ہوئی پانی ادھر ادھر شارک مچھلی کی طرح تیرتی جا رہی تھی۔

ساحل کے قریب سے مڑتے وقت اس نے ایک باران کی طرف مڑ کے دیکھا..... دوسرے لمحے ٹائیگر نے اسے پہچان لیا..... وہ اسے لاکھوں میں پہچان سکتا تھا..... یہ دینا رامانی تھی..... وہ ٹائیگر کے لئے ایک عجیب و غریب عورت تھی..... معلوم نہیں اسے کیا سوجھی تھی کہ وہ ایسے وقت میں فطری حالت میں اس جزیرے کے پاس اسکائنگ کرتی پھر رہی تھی..... اور پھر اس نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ہاتھ فضا میں ہلایا تو ایک بدمعاش نے جیسے سرکاری اعلان کیا۔

”یہ لڑکی تو لباس کے بغیر ہے۔“

تمام بدمعاش دینا رامانی کے بے لباس جسم کے نظارے سے محظوظ ہونے لگے۔ اس کا جسم سرخ و سفید اور ایسا نازک..... ایسا خوب صورت..... اور کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا کہ وہ سب کے سب اس ہیجان خیز اور رنگین نظارے میں ایسے کھوئے کہ انہیں دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہی..... دینا رامانی نے اسے گھر میں قیام کے دوران بتایا تھا کہ وہ امریکہ اور یورپ جب تیرہ برس کی تھی چار برس رہی تھی۔ وہ اسکائنگ کرتی تھی۔ اس لئے وہ یہاں بڑے سکون و اطمینان سے سمندر کی لہروں میں تیر رہی تھی۔ قلابازیاں کھا رہی تھی۔ آڑھی ترچھی اور منہ کے بل ہو رہی تھی۔ اپنے فن کا کمال دکھا رہی تھی۔ جس سے ایسے زاویے جنم لے رہے تھے کہ بدمعاشوں کے دلوں پر بجلی گر رہی تھی۔

یہ لمحات ٹائیگر کے لئے بے حد اہم اور قیمتی تھا..... لمحہ لمحہ سحر انگیز تھا جس نے بدمعاشوں پر جادو کر دیا تھا..... وہ خبیث ابھی تک ٹائیگر پر جھکا ہوا تھا اور اس کا گریبان بھی تھامے ہوئے تھا..... دینا رامانی کو ندیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے میں جو کچھ کیا شاید وہ ایک گھنٹے میں بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ اوپر والے کی ذات سے مایوس نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قدرت اسے اس درندے سے نجات پانے کے لئے موقع ضرور دے گا۔ آخر اس نے ناامید نہیں

کیا۔ ٹائیگر کے گھٹنے کی زوردار ضرب نے اسے بے حال کر دیا اور حلق سے دل خراش چیخ نکالتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ ٹائیگر نے اس پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ پھر وہ برق رفتار سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اسے ڈھال بنا لیا۔ اب اس کا ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا۔

اس خبیث کا سر ٹائیگر کے نشانے پر جھول رہا تھا۔ وہ اس کی ضربات کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا تھا..... گو اس کی یہ حرکت نازیبا، نامناسب اور اوچھی تھی۔ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے..... اور پھر وہ سفاک ترین اور ایذا رسانی سے اسے موت کے منہ میں دھکیلنے والا تھا۔ اور اس پر تشدد کیا تھا جس سے وہ دو مرتبہ بے ہوش ہوا تھا۔

وہ چوں کہ تمام بدمعاش ان دونوں کے پاس سے ہٹ کر دینا رامانی کے مناظر سے محظوظ ہو رہے تھے۔ وہ بے نیام تلوار تھی جس نے ان سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ وہ اپنے سرغنہ اور ٹائیگر کو بھول چکے تھے۔ جب انہیں خیال آیا تو بساط الٹی ہوئی تھی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو.....“ ٹائیگر گرجا۔ ”ورنہ تم سب کو ایک ایک کر کے بھون دوں گا۔“

اس نے اپنا جملہ پورا ہی کیا تھا کہ..... ان میں سے ایک بدمعاش پر معاً اس کی نگاہ پڑی جو اس پر فائر کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ اس کی اس حرکت سے یہ خبیث نشانہ بن سکتا تھا جسے ٹائیگر نے ڈھال بنا رکھا تھا۔ تاہم اس نے اس بدمعاش کو موقع نہیں دیا۔ اس پر دو فائر جھونک دیئے۔ اسے شاید اندازہ نہ تھا اور نہ جانتا تھا کہ ٹائیگر ایک بہترین نشانہ باز ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ٹائیگر کا نشانہ خطا ہو جائے گا..... وہ لڑکھڑاتا ہوا تین چار قدم گیا اور کٹے ہوئے درخت کی جھاڑیوں پر گر کر دم توڑ دیا۔ اس کی موت نے ساتھیوں کو خوف زدہ کر دیا۔ گو کہ انہوں نے اپنے سرغنہ کو بچانے کے لئے سوچا تھا کہ ٹائیگر کو نشانہ بنا لیں گے۔ لیکن انہوں نے دیکھا اور محسوس کر لیا تھا کہ یہ ناممکن سی بات ہے۔ وہ ٹائیگر کے نشانے کی زد میں ہے اور اس کا بال تک بیکا نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اٹھا لئے۔

بات سمجھ کی ہے.....!

☆ کچھ لوگ بارش کے شفاف قطروں کی مانند ہوتے ہیں، جو بنا کسی مفاد کسی کی بنجر زمین پر ہریالی کا سبب بنتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے فائدے کی خاطر دوسروں سے دوستی رکھتے ہیں۔

☆ کبھی ایسے انسان سے دوستی نہ کرو، جو سوائے دکھ کے ہمیں کچھ نہ دے۔

☆ جو انسان کسی کی غلطی کی اصلاح کر لے تو وہ واقعی عالم ہوا اور جو کسی کی غلطی نکال کر بار بار دوسروں کے سامنے شرمندہ کرے یقیناً وہ عالم نہیں جاہل ہی ہوگا، چاہے اس کے پاس ساری دنیا کی درس گاہوں کی ڈگریاں کیوں نہ ہوں۔

☆ جو انسان کسی اور کے منہ سے یہ سن کر کہ (فلاں شخص تمہیں برا کہتا ہے) یقین کر کے منہ پھلا لے اور اس شخص سے کنارہ کشی کر لے وہ سراسر بے وقوف ہے۔

(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

”شاباش..... ویلڈن تم لوگ واقعی بہت سمجھ دار ہو..... اپنی جگہ سے ہلنا نہیں.....“ ٹائیگر نے انہیں وارننگ دی۔ ”اور ہاں..... ذرا سورج کو دیکھو..... کیسا دل فریب منظر ہے..... پیٹھ میری طرف کر لو..... جس نے پلٹ کر دیکھا وہ پتھر کا نہیں بلکہ موت کا نشانہ بن جائے گا۔“ جب انہوں نے ٹائیگر کی طرف پشت کر لی تو خبیث سرغنہ کو اس کے بالوں سے پکڑ لیا۔ پھر اسے کسی جانور کی لاش کی طرح گھسیٹتا ہوا سمندر میں اتر گیا۔ ان پر جو دینا رامانی کو دیکھ کر نشہ طاری ہوا تھا۔ وہ اتر گیا تھا۔ ان بدمعاشوں نے جب ٹائیگر اس خبیث کے قابو میں تھا تب وہ صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ کسی طرح دینا رامانی کی لانچ کو پکڑ کر ان میں جو دو آدمی سوار ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں قتل کر کے اس لڑکی کو لانچ کے اندر لے جا کر نشانہ بنائیں۔ ٹائیگر نے سن لیا تھا۔ پھر تحکمانہ لہجے میں چیخ کر اس نے کہا۔ ”زندہ رہنا ہے تو بھاگ جاؤ..... اس لڑکی کو خواب میں بھی نہیں دیکھنا۔“

وہ کسی نہ کسی طرح بھاگنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ انہوں نے جو منصوبہ دینا کو اغوا کرنے کا بنایا تھا وہ سرغنہ کے بے ہوش اور ٹائیگر کے قابو میں دیکھ کر چوپٹ پڑ گیا اور انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ ٹائیگر کا حکم سنتے ہی سب سر پر پیر رکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ وہ سخت ہراساں اور سراسیمہ تھے کہ کہیں انہیں بھاگتے ہوئے ٹائیگر ان کو نشانہ نہ بنا دے۔ ٹائیگر نے اس خبیث کو پانی میں چھوڑ دیا۔ پھر ٹائیگر تیزی سے دینا رامانی کی لانچ کی طرف تیرنے لگا۔ پھر وہ لانچ مڑ کر تیزی سے اس کی طرف آنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد لانچ قریب آ کر رکی۔ دینا رامانی اس کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ اس نے کپڑے پہن لئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں موجود بیڈ روم میں تھا۔ اس کے جسم اور ہونٹوں کے لمس نے اس کے لئے مرہم کا کام کیا۔ لانچ کے اندر وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ”میں نے دوربین سے دیکھ لیا تھا کہ وہ غنڈہ بدمعاش تمہاری کیسی درگت بنا رہا ہے۔ میرے پاس پستول ہوتا تو میں تمہاری مدد کو پہنچ جاتی۔“ وہ دونوں جیسے سرگوشیوں میں کھو سے گئے..... ”تم نے مجھے ایک نئی زندگی ہے..... میں اس کا احسان ساری زندگی اتار نہیں سکتا.....“ ٹائیگر بولا۔

”ماضی میں جو تم نے مجھ پر احسان کیا تھا اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی تو نہیں ہے۔“ وہ اس کے بالوں کو سہلاتی ہوئی بولی۔

ٹائیگر جب ممبئی آیا تھا اس وقت دینا رامانی تین برس پہلے ایک نائٹ کلب میں رقاصہ تھی۔ ان دنوں ممبئی میں دو ایک فلم پروڈکشن تھے جو ممنوعہ اور اخلاق سوز فلمیں بنا کر خلیج اور دوسری ریاستوں کی ویڈیو کیسٹ کی شکل میں بیچتے تھے۔ ان فلموں میں کام کرنے کے لئے لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کی بھی کمی نہ تھی۔ کیوں کہ یہ فلم پروڈکشن منہ مانگی رقم دیتے تھے۔ چودہ برس سے سولہ برس کی لڑکیوں کی مانگ تھی اور جواں سال شادی شدہ عورتوں کی..... اتفاق سے ان دنوں ایک ہندوستانی حسینہ مس ورلڈ منتخب کی گئی تھی۔ دینا کی اس حسینہ سے اتنی گہری مشابہت تھی کہ وہ دونوں جڑواں بہنیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں میں بال برابر بھی فرق نہ تھا..... ایک جیسے خدوخال..... جسامت اور قامت اور چہرہ..... ایک فلم پروڈکشن نے غیر ممنوعہ فلم میں کام کرنے کے لئے پانچ لاکھ کی خطیر رقم کی پیشکش کی تاکہ ایسی بے ہودہ اور لغو فلم بنا کر ایکس پورٹ کر دیں۔ وہ لاکھوں کیا کروڑوں کما لیتے اور وہ اس اداکارہ کو بلیک میل بھی کرنا چاہتے تھے..... دینا رامانی نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ کوئی طوائف نہیں ہے۔ جب اس اداکارہ نے ایک تقریب میں دینا کو دیکھا تو ششدر رہ گئی تھی..... دینا کو فلم سازوں نے بھی فلموں کے لئے پیشکش کی تھی۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس پروڈکشن نے پہلے تو اسے سمجھایا کہ لاکھوں کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے..... اتفاق کی بات ہے کہ ٹائیگر اس کا شو دیکھ کر نکل رہا تھا کہ اسے گن پوائنٹ پر چھ مسلح غنڈوں نے اغوا کر کے گاڑی میں ڈال لیا۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ ایک خالی ٹیکسی کو ان کا تعاقب کرنے کے لئے بولا۔ اس نے بتایا کہ یہ کالا اژدہا گروہ کے لوگ ہیں۔ پھر ٹائیگر نے اسے ایک ہزار کی رقم دی اور ٹیکسی لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

پالی ہل کے مضافات میں ایک کوٹھی میں اس پروڈکشن کا دفتر اور اسٹوڈیو تھا۔ آج کل اور ماضی میں بھی یہ ہوتا تھا کہ کسی لڑکی کو بلیک میل کرنے کے لئے اس کی ویڈیو فلم یا نامناسب تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ وہ ایک خواب گاہ میں دس مردوں کے درمیان تھی..... ان غنڈوں کے ہاتھوں میں چاقو، پستول اور ڈنڈے بھی تھے۔ ایک بدمعاش کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی۔ فلم ساز اسے سمجھا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دے رہا تھا اس کی بات مان لو..... فلم ساز اس سے کہہ رہا تھا کہ تم یہاں سے

فرار نہیں ہو سکتی ہو..... میں تمہیں یہاں تین دن تک قید اور بھوکا رکھوں گا..... بھوک دماغ درست کر دیتی ہے..... نہ ماننے کی صورت میں جبر و زیادتی سے تمہیں بے لباس کر دیا جائے..... اگر تم نے تعاون نہیں کیا اور ہماری مرضی کے شاٹ فلمانے نہیں دیا تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ تمہارے چہرے اور جسم کو تیزاب سے نہلا دیا جائے گا..... دینا نے صاف انکار کر دیا تو اسے ایک ایسے کمرے میں قید کر دیا گیا جہاں سے اس کی چیخ و پکار سنائی نہیں دی جا سکتی تھی..... ایک بدمعاش کو جس کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی، کمرے کے باہر پہرے پر بٹھا دیا۔ حالاں کہ پہرے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ کمرے کے باہر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔

تمام بدمعاش اور فلم ساز اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جو غنڈہ پہرا دے رہا تھا کرسی پر بیٹھ کر بے نوشی کرنے لگا۔ ٹائیگر چھت سے ایک روشن دان سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب گہرا سکوت طاری ہو گیا تو وہ نیچے آیا۔ بدمعاش اونگھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے شراب کی بوتل سے اس کی کھوپڑی بجا کر بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ اندر گیا۔ دینا اسے بدمعاش کا ساتھی سمجھی۔ وہ بڑی پر اعتماد تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹائیگر کے ساتھ ٹیکسی میں جا رہی تھی۔ ٹائیگر کو امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے وہ اسے نکال لے جائے گا۔ ٹائیگر نے اس سے راستے میں دریافت کیا کہ اس نے اتنی بڑی پیشکش کیوں ٹھکرا دی..... اس نے بڑی سچائی سے بتایا کہ وہ کوئی باکردار نہیں ہے۔ راتیں کالی کرتی ہے۔ اس نے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ اداکارہ کی بڑی عزت کرتی ہے۔ ان کے درمیان پیار اور بہنوں کا سا سمبندھ ہو گیا ہے۔ وہ اس کی زندگی اور مستقبل کسی قیمت پر تباہ نہیں کرنا چاہتی ہے۔ جب ٹائیگر نے اسے فلیٹ پر پہنچایا تو وہ بولی کہ نجات دلانے کے عوض اس کا جو بھی مطالبہ ہو وہ اسے بہ خوشی پورا کرنے کے لئے تیار ہے۔ رقم یا اس کے حصول کی خواہش..... ٹائیگر نے جواب دیا کہ دونوں میں سے کوئی سا بھی نہیں..... وہ اس کے رقص کا دیوانہ اور پرستار ہے۔ وہ کچھ دیر تک اس کا رقص دیکھنا چاہتا ہے..... پھر دینا نے اس کی فرمائش پر کلاسیکل رقص پیش کیا۔ دینا نے اسے صبح بڑی محبت و خلوص اور جذبے سے ایک بوسہ لے کر رخصت کیا۔ وہ دونوں ساری رات باتیں کرتے رہے۔ ایک اچھے دوست بن گئے تھے۔ دینا نے اس لئے ٹائیگر کی قدر کی تھی وہ بے غرض اور بے لوث شخص تھا۔ ٹائیگر ان تین برسوں کے درمیان میں ممبئی آیا تو اس کی ملاقات دینا رامانی سے اس لئے نہ ہو سکی تھی کہ وہ امریکہ میں تھی۔ لانچ ساٹھ برس کا ایک صحت مند شخص چلا رہا تھا۔ وہ نیلی وردی میں ملبوس تھا۔ وہ ان سے لاتعلق سا رہا۔ اس نے کاک پٹ سے ایک بار بھی اندر نہیں جھانکا۔ ”تمہیں یہ تدبیر کیسے سوجھی.....؟“ ٹائیگر نے اس کی مخمور آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے رسیلے ہونٹوں پر تبسم رقصاں تھی۔ اس کے بال بے ترتیبی سے چہرے اور شانے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسا دل فریب نکھار تھا کہ ٹائیگر نے سوچا کہ اسے ہونٹوں پر جذب کر لے۔ لیکن اندیشہ تھا کہ بات بڑھ نہ جائے۔ کیوں کہ دینا رامانی کی آنکھوں میں سے خود سپردگی جھانک رہی تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس پر نچھاور ہونا چاہتی ہے۔ اس کی زندگی بچ جانے پر اس قدر اور ایسی مسرور تھی جیسے اس کی جان بچ گئی ہو۔ وہ رسیلی آواز میں بتانے لگی۔

”جس وقت تم موٹر بوٹ پر روانہ ہوئے اس وقت میں ڈاک پر موجود تھی۔ تم میری نظروں سے اوجھل ہوئے تھے کہ اسی وقت چھ غنڈے قسم کے لوگ ڈاک پر آئے..... تم نے جو کچھ بتایا تھا..... اس سے اور ان کے اشاروں کنایوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ کر لیا کہ معاملہ کچھ گھمبیر ہے۔ میں نے ہر قیمت پر تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ جم کی لانچ ہے۔ میرے اس سے دیرینہ مراسم ہیں۔ پھر میں نکل پڑی..... میں سوچنے لگی کہ تمہاری کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔ میں نے اس جزیرے پر تین کشتیاں دیکھیں تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے دوربین سے دیکھا تو تم مجھے غنڈوں کے نرغے میں دکھائی دیئے..... میں نے جان لیا کہ تمہاری زندگی خطرے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ مجھے فوراً ہی اسکائمنگ کا خیال آیا۔ اس کا لباس میرے پاس نہیں تھا۔ میں ملبوس لباس میں اسکائمنگ کرتی تو وہ شک میں مبتلا ہو جاتے...... پھر میں نے لباس سے آزاد ہو کر اسکائمنگ کی تاکہ وہ مجھے بے لباس دیکھ کر متوجہ ہو جائیں گے۔ اس طرح میری تدبیر کامیاب رہی...... کیا تمہیں وہ دستاویز مل گئی......؟"

"نہیں...... ابھی وہ میری ملکیت نہیں ہے۔" اس نے دوستانہ انداز سے دینارامانی کا گال تھپ تھپایا۔

اس لمحے ایک خیال ٹائیگر کے ذہن میں بجلی کی طرح آیا کہ اس کے یہاں سے جانے کے بعد وہ بدمعاش پھر سے دستاویز کی تلاش شروع کردیں گے۔ شاید وہ سیاہ بکس تلاش کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ اسے پہلی فرصت میں انہیں جزیرے سے بھگا دینا چاہئے۔ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی تو اس نے دینا رامانی کو بتائی۔ پھر ان کی لانچ ان جزیروں کی طرف رخ کر رہی تھی۔ اب غنڈوں سے سامنا ہونے کا خوف و اندیشہ نہیں رہا تھا۔ اور پھر یہ لانچ نہ صرف جدید ترین بلکہ انتہائی تیز رفتار بھی تھی۔ ان کی موٹر بوٹیں اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی تھیں۔ سب سے پہلے اسے ان بدمعاشوں کے سرغنہ کو پانی سے نکالنا تھا جسے وہ پانی میں چھوڑ آیا تھا۔

اب اس لانچ کا رخ بڑے جزیرے کی طرف نہیں تھا جس پر بدمعاش موجود تھے۔ اس جزیرے کی طرف رواں دواں تھی جو اس بڑے جزیرے سے تین سو گز کے فاصلے پر واقع تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی لانچ اس جزیرے کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ جزیرے پر موجود بدمعاش ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے ہیں...... ٹائیگر کو ان تمام باتوں کا خیال اس لئے بھی آیا تھا کہ ایک تو ان کے پاس دوربین تھی...... دوسرا یہ کہ ان کی لانچ دور سے دکھائی دیتی تھی۔ جب پورا ایک چکر لگ گیا تب اس نے لانچ جزیرے پر رکوائی۔

لانچ کے رکتے ہی ٹائیگر نے خشکی پر چھلانگ لگائی۔ پھر تیزی سے اندر کی طرف لپکا۔ دراصل اس نے انہیں فریب دینے کے لئے یہ چال چلی تھی کہ دستاویزات اس جزیرے پر ہیں اور وہ انہیں لینے جا رہا ہے تاکہ وہ اس جزیرے پر اس کی تلاش ترک کردیں۔ پھر ناامید ہو کر چلے جائیں پھر میں کسی مناسب وقت پر جا کر ان دستاویزات کو وہاں سے نکال لاؤں۔"

تھوڑی دیر کے بعد جب لانچ واپس جانے لگی تو دینارامانی نے دریافت کیا۔

"کیا بدمعاش دھوکا کھا گئے ہوں گے......؟"

"ہاں......" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "اس کے علاوہ کف افسوس بھی مل رہے ہوں گے۔"

ڈاک پر پہنچ کر لانچ کو رخصت کرنے کے بعد دینا رامانی نے پوچھا۔ "اب ہم کہاں جائیں گے ٹائیگر؟"

"کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گی......؟" ٹائیگر نے اس کی بات کی تہہ میں پہنچ کر حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... میری جان! میں تمہارے ساتھ چلوں گی...... میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔" اس نے میٹھے لہجے میں جواب دیا۔

"اگر ایسی بات ہے تو ہم ہوٹل کرناٹک چلیں گے۔ کیوں کہ ممبئی شہر میں اس سے زیادہ محفوظ مقام کوئی اور نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

دینارامانی کی گاڑی چوں کہ دوسرے ڈاک پر تھی اس لئے انہوں نے ٹیکسی کر لی۔ وہ ہوٹل اشوکا سے سو قدم پہلے اتر گئے چلتے چلتے کوئی چھ سات دکانوں میں داخل ہوئے۔ ٹائیگر کو فوری طور پر کچھ اشیاء کی سخت ضرورت تھی۔ اس نے انہیں خریدنے کے بجائے انہیں چرایا...... کیوں کہ ان اشیاء کو خریدنے میں خطرے کا اندیشہ تھا اور وہ دینا کو خرید کر کر دینے کے لئے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

ٹائیگر کو ایک سیاہ نقلی بکس تیار کرنا تھا۔ جو ایوا کے بکس سے ملتا جلتا ہو۔ اس طرح کا ایک بکس کباڑیے کی دکان سے مل گیا۔ اس کا مالک بہت بوڑھا تھا اور اس کی بینائی بھی بہت کمزور تھی۔ دینا نے اسے باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اور ٹائیگر نے اسے چرا لیا پھر دوسری دکانوں سے سیلنگ لاکھ موم اور کچھ کاغذات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کی طرف چل دیئے۔

ہوٹل پہنچ کر ٹائیگر نے کمرا نمبر دس کی چابی لی اور کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں ایک شخص ریوالور ...ے ان کا منتظر تھا۔ دینارامانی ٹائیگر سے چمٹ گئی۔ پھر ...یگر نے دروازہ بند کرنے کے بعد پوچھا۔

"کیا تم جان پی ٹنڈولکر ہو......؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو ٹائیگر نے پوچھا۔ ...یکشن میں کون کامیاب ہوگا؟"

"کانگریس......" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ...جو کا آدمی تھا۔ اس نے جو چیزیں منگوائی تھیں وہ ...پہنچانے کے لئے آیا تھا۔

"تم نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا مجھے تم سے اس انداز ...ے ملنے کی امید نہیں تھی۔" ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھ کر ...سکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کی مطلوبہ اشیاء اس بریف کیس میں ...وجود ہیں۔ اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے ...یف کیس کی طرف اشارہ کیا جو میز پر رکھا ہوا تھا...... ایسی کوئی بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ بریف کیس ...پہنچانے کا بہت بہت شکریہ۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے...... مجھے اس کام ...کے لئے معقول معاوضہ ادا کیا گیا ہے۔" وہ زیر لب ...سکرادیا۔

جب وہ جانے کے لئے اٹھا تو ٹائیگر نے اس ...سے اس کا ریوالور مانگا تو بغیر کسی چوں چرا کے دے دیا تھا۔ ...اس کے رخصت ہونے کے بعد دینا نے پوچھا۔

"ٹائیگر...... آخر یہ سب کیا ہے......؟"

"میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا...... اس لئے کہ تم نے میرے لئے جو ایثار و قربانی دی، میں اسے ...بھی فراموش نہیں کرسکتا۔" ٹائیگر نے کہا۔ پھر اس نے ...یف کیس کھولا۔ اس میں جو مختلف چیزیں موجود تھیں۔ ...نکال کر میز پر رکھنے لگا۔ ٹیپ ایل...... فوٹو اسٹیٹ فوٹو...... ...کر دستاویزات جو ایک طرح سے جعلی تھیں لیکن دیکھنے ...میں وہ بالکل اصلی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے لئے عارت...ری ہو رہی تھی۔ اس نے دینارامانی سے کہا۔

"اصلی دستاویزات تو جزیرے پر موجود ہیں...... یہ جعلی دستاویزات تورالائی کو چکمہ دینے کے لئے ہے۔"

پھر اس نے ان تمام چیزوں کو بستر پر پھیلا دیا...... پھر ایوا کی انگلی سے اتاری ہوئی انگوٹھی جس پر ETC کا حرف کندہ تھا وہ...... اور سربمہر کرنے والی لاکھ، ماچس اور دیگر چیزیں...... ان کا بہ غور جائزہ لینے کے بعد اس چوری کئے ہوئے سیاہ بکس میں رکھا۔ پھر اسے مقفل کر کے لاک سے سربمہر کر دیا۔ اس نے لاکھ پر انگوٹھی سے مہر لگانے کے بعد اسے جیب میں رکھ لیا۔

دینارامانی حیرانی اور تجسس سے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کہا۔

"تھوڑی دیر کے لئے تم یہ فرض کر لو کہ یہ جزیرہ سے لایا ہوا سیاہ بکس ہے۔"

"تم یہ بکس کہاں سے لائے تھے......؟ وہ تو کچھ جھاڑیاں تھیں جن پر تم نے کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ دینارامانی نے حیرت سے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے یہ ڈراما رچایا تھا۔" ٹائیگر نے اس کی حیرانی دور کرتے ہوئے کہا۔

"ٹائیگر نے تورالائی کے لئے ایک جال بچھایا تھا...... اسے یہ اطلاع ملنے والی تھی کہ وہ جزیرے سے دستاویزات لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے...... اب اس کا ردعمل یہ ہو سکتا تھا کہ پیشہ ور قاتلوں کو اس کی بیخ کنی کا حکم صادر کردے۔ ان جعلی دستاویزات کو پانے کے بعد وہ خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ اصلی دستاویزات ٹائیگر کے پاس ہوں گی۔ پھر اس کے لئے میدان صاف ہو جاتا۔ پھر وہ کسی روک ٹوک کے بغیر امریکہ جا سکتا تھا۔ اس کا ویزا صرف ایک گھنٹہ میں بن سکتا تھا۔ لیکن امریکہ جانے کی اس کی ایسی کوئی خواہش نہیں۔ نہ نئی نسل کے جیسا اس میں پاگل پن تھا۔ تب کسی بھی فرشتے کے علم میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ اصل دستاویزات ساتھ لے جا رہا ہے۔ یہ اہم دستاویزات وہ لے جانے کے بجائے کسی اور ذریعہ سے بھی پہنچا سکتا تھا۔ بالفرض محال ان دستاویزات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو رالائی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا تو مورد الزام سری ناتھ ٹھہرے گا کہ اس نے دھوکا کھایا۔ ایوا نے سری ناتھ سے حاصل کیا..... وہ تمام دستاویزات ٹائیگر تک پہنچ چکی تھیں۔

اس نم آلود کمرے میں یہ جعلی بلیک میل دستاویزات اس وقت ٹائیگر کے لئے ایک اثاثے سے کم نہیں تھیں اور پھر وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کھیل کا جتنا جلد ڈراپ سین ہوجائے اتنا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اس نے جو منصوبہ بنایا ہوا تھا اس کے لئے جوکر جیسے بدمعاش کی ضرورت تھی۔ جوکر نے نہ صرف اس کا ریوالور قبضے میں کرلیا تھا بلکہ اسے سمندر میں پھینک کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر کو اس سے حساب بے باک کرنا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔

وہ پہلی فرصت میں جوکر کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دینا رامانی کو سمجھایا کہ ہم دونوں کو عارضی جدائی کی فوری ضرورت ہے۔ کیوں کہ ایک گھنٹے کے بعد یہ کمرا ہنگامے کا مرکز بن جائے گا۔ پھر وہ اس سے ملے گا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ اس نے سیاہ بکس کو سر بمہر کیوں کردیا.....؟ ٹائیگر نے اسے سمجھایا کہ سر بمہر ہونے سے تو رالائی یہ سمجھے گا کہ وہ یہ بکس ہے جو ایوا نے سری ناتھ سے حاصل کیا۔ اس کی انگوٹھی کی مہر اس بات کی تصدیق کردے گی کہ یہ اصلی دستاویزات ہیں۔

پھر اسے یک لخت خیال آیا کہ ایوا کو بے رحمی اور سفاکی سے قتل کردیا گیا تھا۔ اب وہ اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے۔ جب وہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں دیکھیں گے تو انہیں شک ہوجائے گا کہ اس کی موت کے بعد انگوٹھی اتار لی گئی ہے۔ پھر بنا بنایا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ دینا جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی کھڑا ہوگیا تاکہ دینا کو رخصت کردے۔

دینا نہ صرف اپنی خوشبو چھوڑ کر چلی گئی تھی بلکہ اس کے ہونٹوں کو اپنی لبوں کی مٹھاس سے میٹھا کر کے چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی ہوٹل سے نکلا تو اس کے ذہن پر دینا کا جادو چھایا ہوا تھا..... ٹائیگر کے لئے بڑی آزمائش اور امتحان تھا کہ اس سے وہ جتنا دور ہونا چاہتا تھا وہ اتنا ہی قریب آنا چاہتی تھی۔ جب کہ اب تک وہ غلاظت کے دلدل میں گرا نہیں تھا۔ آخر وہ کب تک اپنا دامن آگ سے بچاتا رہے گا..... آخر وہ ایک مرد ہے..... مٹی کا تو وہ نہیں..... دوسری طرف سروجا بھی تھی۔ وہ تڑپ رہی تھی۔ آخر کار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جتنا جلد یہ مشن ختم ہوسکے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ ان دونوں سے نجات پالے گا۔ یہی ایک صورت رہ جاتی ہے۔

ٹائیگر کی یہ کوشش تھی کہ جتنا جلد ہوسکے کاٹیج پہنچ کر ایوا کے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنادے جیسے یہ شادی کی انگوٹھی ہو..... وہ جلد ہی وہاں پہنچ گیا اور اپنی گاڑی میں اس کے کاٹیج سے دور ہی کھڑی کی۔ اس وقت رات کا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایوا کے کاٹیج کی طرف دبے پاؤں اور بڑے محتاط انداز سے بڑھا تھا۔ دشمن کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ اس لئے وہ یہاں ایک فیٹ گاڑی چرا کر پہنچا تھا۔ کیوں کہ ٹیکسی میں آنے سے اس کا ڈرائیور بدمعاشوں کے لئے گواہ بن جاتا۔ اسے ان بدمعاشوں کا خیال بھی آرہا تھا جو جزیرے پر رہ گئے تھے۔ وہ وہاں سے واپس آئے یا نہیں اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور پھر اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ ایوا کی لاش کاٹیج میں موجود ہے یا اسے ٹھکانے لگایا جاچکا ہے۔

اس نے کاٹیج میں پہنچ کر یہ اطمینان کیا کہ وہاں کوئی بدمعاش ہے یا نہیں..... ویسے اسے اس کا امکان نظر نہیں آیا۔ پھر بھی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ جب اس نے بیرونی دروازہ کھولا تو گوشت جلنے کی کراہیت انگیز بو نے اس کا استقبال کیا۔ کمرا بند ہونے کی وجہ سے اس بو کی تیزی ابھی تک برقرار تھی۔ اسے بڑے زور کی ابکائی آئی۔ وہ اس کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا جس میں ایوا کی لاش تھی۔ چوں کہ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوچکی تھیں اس لئے اسے ایوا کی لاش نظر آگئی تھی۔ وہ موجود تھی۔ اسے اب تک لے جایا نہیں گیا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے انگوٹھی والے ہاتھ کی اس انگلی میں جس میں سے

انگوٹھی اتاری گئی تھی۔ انگوٹھی پہنادی۔

وہ کمرے سے باہر نکلنے والا ہی تھا کہ چاپیں سنیں۔ جو باہر کے دروازے سے اسے سنائی دے رہی تھیں۔ اب اس کے لئے پلنگ کے نیچے چھپنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اسے حیرت اس بات کی تھی کہ یہ لوگ کیسے وارد ہوئے.....؟ کیوں کہ نہ تو ان کی گاڑی کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی روشنی نظر آئی تھی۔ یہ جنات کی طرح آدھمکے تھے..... وہ ایوا کو بری طرح کوس رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں تاوقت ایک ناگوار ڈیوٹی انجام دینا پڑ رہی تھی۔ یہ ڈیوٹی ان کے سپرد اس لئے کی گئی تھی کہ جگ دیپ کے جرم پر پہرہ ڈالا جاسکے۔

ایک آواز گہرے سکون میں گونجی۔ ”جلدی سے روشنی کرو..... نجانے کیوں مجھے ہول آرہا ہے۔“

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ..... آخر یہ بھی انسان ہیں۔ انہوں نے دولت کے لالچ میں اپنے ضمیر کو مردہ کرلیا ہے..... ظاہر تھا کہ اس بو سے متاثر ہونا ایک فطری امر تھا۔ دوسرے لمحے روشنی ہوگئی۔ اسے صرف چار پاؤں دکھائی دیئے۔ شاید ان کے ساتھی باہر موجود ہوں۔ وہ کمرے میں آکر ایوا کی لاش کو بستر کی چادر میں لپیٹ کر باہر لے گئے۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے نکلنے میں عجلت نہیں دکھائی۔ کوئی چار پانچ منٹ کے بعد اس نے موٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو وہ باہر نکل آیا۔ پھر کاٹیج سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے گاڑی کو اس کاٹیج کی طرف لے گیا جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ لہٰذا اگر اس میں کوئی ہو بھی تو اس پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ یہ گاڑی اس کاٹیج والے کی ہے۔

اب وہ بڑی تیزی سے جوکر سے دو ہاتھ کرنے جارہا تھا۔ سروجا سے معلوم ہوچکا تھا کہ وہ ایشیا ہوٹل میں مقیم ہے۔ وہ خیریت وعافیت سے ایشیا ہوٹل پہنچ گیا۔ اس نے گاڑی کو خاصی دور اندھیرے میں کھڑا کردیا تھا۔ پھر پیدل اس ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے سینے میں جوکر سے انتقام لینے کی جو حسرت تھی وہ اس وقت آگ کی صورت میں اس کے سینے میں بھڑک رہی تھی۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس سے حساب بے باق کرکے اس سرزمین کو اس کے وجود سے پاک کردے جو بوجھ بنا ہوا ہے..... اور جس نے اپنی خون آشامی سے نجانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلادیا۔ تو رالائی جیسے ظالموں اور وحشیوں سے مل کر خون کی ہولی کھیل رہا تھا..... زندگی اور موت..... جو خدا کے ہاتھ میں ہے..... قانون کو سزا دینا کا حق ہے۔ ایسے درندے قانون کے بھتے نہیں چڑھتے تھے۔ ان کے لئے اس جیسے لوگوں کا فرشتہ اجل بننا کار خواب تھا۔

اس نے ایک ویٹر کی مٹھی گرم کرکے جوکر کے بارے میں معلوم کرلیا تھا۔ وہ اس وقت کہیں جانے کے لئے تیار ہورہا تھا۔ اور اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے جوکر کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ریوالور کو مضبوطی سے پکڑلیا۔ دستک دینے پر دروازہ کھلا۔ اسے دیکھ کر وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نے اس کے ماتھے پر ریوالور کے میٹ سے ضرب لگا کر اس کے پیٹ پر لات رسید کی تو وہ کمرے کے وسط میں جا گرا۔ اس نے فوراً ہی کمرے میں گھس کر دروازہ بند کیا۔ اس کے ماتھے پر ایک گومڑا ابھر آیا تھا۔

جب وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا تو ٹائیگر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”دیوار کی طرف گھوم جاؤ۔“

”خبیث کی اولاد..... میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔“ ٹائیگر نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف گھومنے لگا۔ لیکن کن انکھیوں سے وہ اس کی حرکات وسکنات دیکھے جارہا تھا۔ جب ٹائیگر نے ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھایا تب اس نے برق رفتار سے ٹائیگر کے حملے سے بچنے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ اس کے برسٹ نے جوکر کی کھوپڑی بجادی۔ وہ بے حال ہوکر فرش پر اس کے قدموں میں گرنے لگا تاکہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر گرادے۔ مگر ٹائیگر بھی اس کا باپ نکلا۔ وہ فوراً ہی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کی یہ کوشش اس کا منہ چڑانے لگی۔ پھر وہ فرش پر آرہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس جیسے سخت جان کو بے ہوش کرنے کے لئے ایک ضرب ناکافی تھی۔ ٹائیگر نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے جوکر کی کھوپڑی کی پشت پر ریوالور کے بٹ سے ایک اور ضرب لگادی۔ اب وہ پوری طرح بے ہوش ہوکر فرش پر بکھر چکا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے کمرے کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس کی میز کی دراز میں ٹائیگر کا محبوب اور دیرینہ ساتھی ریوالور رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ ٹائیگر کو اسے دوبارہ پاکر اتنی خوشی ہوئی جیسے کسی بچھڑے دوست کو پاکر ہوتی ہے۔

وہ چوں کہ سخت جان تھا۔ حرام کھا کھا کر سور ہو رہا تھا اس لئے جلد ہی ہوش میں آگیا۔ اس نے ٹائیگر کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر پوچھا۔ ”تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں تمہارے سر کی درگت بنانا چاہتا ہوں کیوں کہ تم نے کلب میں میرے ساتھ جو حرکت کی تھی اس کی سزا موت ہے۔ میں بدلہ لینا خوب جانتا ہوں۔ میں اپنے دشمن کو معاف کرنے اور رعایت دینے کا ذرہ برابر بھی قائل نہیں ہوں..... اور پھر درندہ صفت غنڈے بدمعاش کو.....“ ٹائیگر نے اتنا کہہ کر اس کی کھوپڑی پھر بجادی۔ وہ پھر بے ہوش ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو ٹائیگر نے اس سے کہا۔

”میں تم پر صرف ایک صورت میں رحم کھا سکتا ہوں کہ تم میرے پارٹنر بن جاؤ اور میرے ساتھ ہر اس جگہ چلو گے جہاں میں لے جاؤں..... تمہیں مالی فائدہ بھی بہت ہوگا۔ انکار کی صورت میں تمہاری لاش اس کمرے میں خون میں لت پت سڑتی رہے گی.....“

اتفاق سے ٹائیگر کی ایک جیب میں سائی لینسر بھی تھا جو اس نے نکال کر ریوالور میں نصب کرلیا۔ پھر اس سے کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم بہت چالاک، عیار، مکار اور ذلیل..... حرام کی اولاد..... تم کسی بدچلن اور فاحشہ کی اولاد ہو..... تم دیکھ رہے ہو میرے پاس سائی لینسر لگا ریوالور ہے۔ تم نے راستے میں یا ہوٹل سے نکلتے وقت کوئی گڑبڑ کی۔ چالاکی اور بہادری دکھانے کی کوشش کی۔ حرامی پن کیا تو میں تمہیں بغیر کسی تامل کے شوٹ کردوں گا۔ شرافت سے چلو گے تو لاکھوں کے فائدے میں رہو گے..... اب تم میرے ففٹی ففٹی کے پارٹنر ہو گے۔ میری بات کا یقین کرو۔“

ٹائیگر نے نہ صرف اس کی عقل اور حواس ٹھکانے لگا دیئے تھے بلکہ مزاج بھی ایسے درست کئے تھے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا..... اور وہ زخمی بھی ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے ٹائیگر کے حکم کی تعمیل کی۔ سدھائے ہوئے بیل کی طرح بڑی شرافت سے اس کی گاڑی تک چلا آیا جس کی ٹائیگر کو ایک فیصد امید بھی نہ تھی۔ بہرحال وہ چوکنا تھا۔ کیوں کہ یہ بدمعاش آستین مار ہوتے ہیں۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھایا۔ وہ جیسے ہی بیٹھا پھر اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے پھر بے ہوش کردیا۔ ٹائیگر کو اس کی کھوپڑی کا اندازہ تھا۔ وہ بڑی سخت تھی۔ مسلسل ضربوں سے وہ مرا تو نہیں تھا۔ اور نہ اس کی کھوپڑی منقسم ہوئی تھی۔ صرف بے ہوش ہوتا رہا تھا۔

وہ اسے لے کر ہوٹل کے عقبی حصے میں پہنچا تو جوکر اس وقت بھی بے ہوش تھا۔ اس نے جوکر کو بے ہوشی کی حالت میں گاڑی سے نکال کر کندھے پر ڈالا اور ایک ایسے راستے سے اوپر لے گیا جو سامان اور ملازموں کی آمد و رفت کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی اسے کھلی سی دکھائی دی تو اس نے کھڑکی سے جوکر کو کمرے میں فرش پر گرادیا۔ اس کام کے لئے اسے پورا زور صرف کرنا پڑا تھا۔ جوکر کسی بھینسے سے بھی بھاری تھا۔ چوں کہ زندگی اور موت کا سوال تھا اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیف اور مشقت کو سہہ رہا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے ٹائیگر سے کہا کہ کاٹیج کے باہر تم سے لڑائی کے بعد تو رالائی کو فون کرکے تمہاری نقل و حرکت کے بارے میں بتایا تو تو رالائی نے اسے نہ صرف جگ دیپ کی حفاظت کے لئے اپنے چھ غنڈوں کو گل آئی لینڈ کے جزیرے پر بھیجا تھا..... اس کا خیال تھا کہ تم ایک عام قسم کے جاسوس ہو۔ جگ دیپ تم سے آسانی سے نمٹ لے گا۔

(جاری ہے)

اداس آنکھیں

اقصیٰ رباب۔ فیصل آباد

اچانک عامل کا دل گاڑھا گاڑھا لھو بن کر منہ کے راستہ سے نکلنا شروع ہوگیا، اس کی حالت ماھئی بے آب کی طرح تھی، وہ تڑپنے لگا اور پھر دیکھتے ھی دیکھتے ناقابل فراموش واقعہ رونما ھوا۔

اکثر لغویات اور بدزبانی انسان کو نقصان پہنچاتی ہے..... ثبوت کہانی میں موجود ہے

آج میرے پاس وقت ہی وقت ہے، اتنی فرصت ملی تو ماضی کا ایک ایک لمحہ ماضی کے نہاں خانوں سے نکل کر آنکھوں کے سامنے محو رقصاں ہوگیا۔ دھندلا سا عکس پردۂ ذہن پر جگمگایا، جب مجھے پہلی بار اس گھر میں لایا گیا۔ اس وقت میں بہت چھوٹی تھی، جب میری امی نے مجھے خالہ کو دے دیا۔ میری امی کی صرف تین بہنیں تھیں، ان کا بھائی کوئی نہیں تھا، وہ چھوٹا سا بہت پیارا سا گھر جس میں میری نانی امی، نانا ابو اور خالہ کے ساتھ میں بھی رہنے لگی۔ بہت حسین اور دلکش تھے وہ شب و روز، کسی غم اور فکر سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ تب تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ روتے کیسے ہیں؟ اور کیوں روتے ہیں؟ زندگی میں اگر کچھ تھا بس یہی ہنسی اور مسکراہٹ۔ میں کچھ دنوں کے لئے اپنی امی اور بہن بھائیوں سے ملنے گاؤں گئی تھی ابھی مجھے گئے 3 دن ہی ہوئے تھے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک دن رات کو سوتے ہوئے امی نے جگایا وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ میں بہت گھبرا گئی۔ مجھے ان کے رونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور مجھ میں اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ ان سے وجہ پوچھ سکوں۔

میرا ننھا سا ذہن بہت سہما اور الجھا ہوا تھا۔ امی نے ہمیں افراتفری میں روتے ہوئے گاڑی میں بیٹھایا۔ میرے باقی بہن بھائی پھر سے سو چکے تھے کہ اچانک میری امی میرے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگیں۔ میرا دل چاہا امی کو حوصلہ دوں، چپ کراؤں مگر نجانے کیوں میں بہت چاہ کر بھی بول نہیں پا رہی تھی۔ میرے ہونٹ بالکل ساکت تھے۔ کہ اتنے میں ابو نے امی سے کہا۔ ”حوصلہ کرو۔ کیا کر رہی ہو۔ یہ اتنی چھوٹی ہے کہ اسے کیا پتا؟“ امی مجھ سے الگ ہو گئیں مگر روئے جا رہی تھیں میں کتنی بے بس تھی چاہ کر بھی انہیں ایک لفظ تک نہیں کہہ پا رہی تھی۔

جب گاڑی رکی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میں تو اپنے ہی گھر آئی ہوں۔ مگر یہاں تو سب لوگ رو رہے تھے نانی امی، خالہ، آس پاس والے اور میرے نانا ابو بستر پر ساکت لیٹے تھے۔

نانا ابو کے جانے کے بعد میں نے نانی امی کو کبھی بھی ہنستے نہیں دیکھا، بہت باوقار شخصیت تھی ان کی۔ وہ میری نانی امی بھی تھیں۔ ماں بھی اور سہیلی بھی۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی تھی جب انہیں میری سوچ کا بھی پتا چل جاتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ جب میں نے اپنی زبان سے بول کر ان سے کچھ مانگا ہو۔ ورنہ میں ابھی سوچتی اور میری نانی امی مجھے وہ چیز لے دیتیں۔ اب میرے اسکول جانے کا دور شروع ہو گیا۔ مجھے ٹائم دیکھنا نہیں آتا تھا مگر گھڑی کا شوق تھا، شوق سے گھڑی پہن کر اسکول جاتی تھی اور واپسی پر گم کر کے گھر آ جاتی مگر انہوں نے مجھے کبھی ایک لفظ نہیں کہا، نہ کبھی ڈانٹا میں پانچویں کلاس میں تھی۔ جب چھٹی کے وقت کلاس سے نکلتے ہوئے ایک ڈیسک پر مجھے جیومیٹری بکس پڑا نظر آیا۔ میں نے اس خیال سے اٹھا لیا کہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ صبح میں کلاس میں پوچھ کر واپس کر دوں گی۔

جب گھر آئی تو نانی امی نے میرے بیگ کو چیک کیا۔ جیومیٹری بکس دیکھ کر حیران ہوئیں کہ یہ تو تمہارا نہیں۔ میں نے انہیں صورتحال بتائی، انہوں نے کھول کر دیکھا، اس میں اسکول فیس بھی تھی۔ ہماری کلاس میں تین ماہ کی فیس اکٹھی لی جا رہی تھی۔ میری نانی امی اتنی پریشان کہ ”جس کی یہ فیس ہے پتا نہیں اس نے کس مشکل سے جمع کی ہو گی۔ اسے آج نیند کیسے آئے گی۔“ اسی پریشانی میں میری نانی امی ساری رات نہ سو سکیں۔

صبح اٹھتے ہی مجھے پھر تاکید کی کہ جس کی ہے جاتے ہی پوچھ کر اس کے حوالے کر دینا۔ میں جب اسکول پہنچی تو میری کلاس فیلو باہر برآمدے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ”اس کی جیومیٹری بکس گم گیا، اس میں فیس بھی تھی۔“ میں نے اسی وقت بیگ سے نکال کر اسے پکڑا دیا۔ اس کی آنکھیں ایک دم خوشی سے چمکنے لگیں۔ رات میں آسمان پر چمکنے والے ستاروں کی مانند۔ جب اسکول سے چھٹی ہوئی تو میری نانی امی آج میرے انتظار میں گھر کے دروازے پر ہی کھڑی تھیں۔ میرے پاس آتے ہی فوراً پوچھا۔ ”جس کی امانت تھی اس تک پہنچا دی کہ نہیں؟“

میں نے کہا..... ”جی..... وہ مجھے برآمدے میں ہی مل گئی تھی۔“ نانی امی نے اطمینان بھرا سانس لیا اور میں نے شکر کیا کہ نانی امی کو سکون ملا ہے۔

میں دسویں کلاس میں تھی جب میری خالہ کی شادی کا پروگرام بننے لگا۔ میں بچپن سے ہی خالہ کو ”مما“ کہہ کر بلاتی تھی۔ یہ میری زندگی کا مجھے بہت بڑا مسئلہ محسوس ہونے لگا کہ میری مما کی شادی۔

دل کرا کہ سب کا سر پھوڑ دوں۔ میری ماں کو مجھ سے الگ کر رہے ہیں۔ سب شادی کی خوشیاں منا رہے تھے اور میں نانی امی کے ساتھ لپٹ کر زار و قطار رو رہی تھی۔ نانی امی نے کہا۔ ”حوصلہ کرو۔ کچھ دن کے بعد ہم تمہاری مما کو ان کے شوہر سمیت اسی گھر میں لے آئیں گے۔“ تب مجھے کچھ حوصلہ ہوا۔

پہلے پہلے ان کے شوہر کے ساتھ مجھے کافی پرابلم

محسوس ہوئی مگر پھر سب کچھ روٹین میں آ گیا۔

ہمارے گھر میں ایک پرانا دیا تھا۔ میں نے اس میں تھوڑا سا پانی ڈالا دھونے کی غرض سے۔ میری آنکھوں کے سامنے پانی سرخ رنگ میں تبدیل ہو گیا۔ مجھے لگا واہ، یہ تو کوئی سائنسی فارمولا ہے۔

مما گھر دھو کر فارغ ہوئیں تو میں نانی امی کے کمرے کی طرف گئی تو دیکھا دروازے کے پاس ڈھیر ساری سوئیاں گری پڑی تو ہیں۔ جب کہ ہمارے گھر میں اس وقت ایک سوئی بھی نہیں تھی۔ میں نے آواز دے کر مما کو بلایا۔ مما بھی حیران کہ ابھی تو میں نے سارا فرش دھویا ہے۔ تب تو ہمیں کچھ سمجھ نہ آئی مگر جب رات کو اچانک نانی امی کی طبیعت بگڑی اور چند منٹوں میں وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں، تب سمجھ میں آیا کہ دیے کے پانی کا سرخ رنگ میں بدلنا کوئی سائنسی فارمولا نہیں تھا اور ان سوئیوں کا یوں گھر میں آنا۔

نانی امی کے بعد زندگی بالکل بدل گئی۔ مما کے شوہر کا انداز بدل گیا۔ جو چیز مجھے پسند ہوتی وہ مجھ سے چھین لیتے۔ PTCL صرف میرے انٹرنیٹ کے مقصد کے لئے استعمال ہوتا انہوں نے فون کٹوا دیا۔ ان کی یہ نفرت اس حد تک بڑھی کہ مما نے میری مہندی کا فنکشن اور رخصتی تک ساتھ والوں کے گھر سے کی۔ مجھے لگا کہ سسرال میں میری زندگی خوشیوں سے بھر جائے گی مگر میرے ساتھ جاتے ہی وہ سلوک ہوا کہ دل کی ساری امنگیں دم توڑ گئیں۔ مجھے اپنا آپ زندہ لاش نظر آنے لگا۔

مجھ میں زندگی کی رمق تب جاگی جب مجھ میں ایک اور وجود نے سانس لینا شروع کیا۔ سب کچھ بھول گئی۔ جب میں نے مما کے پاس آنا تھا مجھے چار بار نانی امی خواب میں ملیں جو مجھے روک رہی تھیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں، اس حالت میں مجھے مما کی ضرورت تھی کیونکہ میرے سسرال والے مجھ سے یوں لاتعلق رہتے کہ کوئی اپنے گھر میں موجود جانور سے بھی ایسے لاتعلق نہیں رہتا ہو گا۔

بہر حال میں مما کے پاس رہنے آ گئی، عجب دن تھے یہ بھی جہاں مجھے اپنی اولاد کے اس دنیا میں آنے کا شدت سے انتظار تھا وہیں عجیب سا ڈر بھی تھا۔ تقدیر مجھ پر مہربان ہوئی اور ایک ننھا سا وجود مجھے سونپ دیا۔ میرا پیارا سا معصوم بیٹا۔ اتنی چھوٹی سی جان میں میری ساری کائنات سما گئی تھی۔

مما نے کہا۔ ”یہ تمہارا نہیں میرا بیٹا ہے۔“ دو مائیں ایک بچے کو سنبھالنے میں مگن ہو گئیں۔

وہ جب سو جاتا ہماری رات، وہ جب اٹھتا ہماری صبح، اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں ہماری زندگیوں میں۔ اس کی شرارتیں، اس کی ہنسی، ڈیڑھ سال کیسے گزرا پتا بھی نہیں چلا۔ میں اکثر مما سے کہتی۔ ”مما میں تو منہ بھی، دو دن کے بعد دھوتی ہوں اس کے ساتھ وقت ایسے گزرتا ہے کہ احساس بھی نہیں ہوتا۔ ایک پل کی بھی فرصت نہیں ملتی۔“

اچانک رات کو میرے بیٹے عبدالمقیت کو دو الٹیاں آئیں اور دو لوز موشن اور ساتھ ہی میرے بیٹے نے آنکھیں بند کر لیں اور بخار 102۔ ساری رات بخار رہا۔ صبح 103 بخار دیکھ کر ہم سب گھبرا گئے، ہسپتال لے کر بھاگے۔ شاید تقدیر نے ہمیں ڈاکٹروں کی بے حسی اور پیشہ ورانہ مہارت کی عدم موجودگی کو دکھانا تھا۔ 9 دن ہسپتال کے I.C.U میں گزارنے کے بعد میرا بیٹا اپنی جان کی بازی ہار بیٹھا۔ 9 دن میں ڈاکٹرز کو میرے بیٹے کی بیماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کبھی کوئی ٹیسٹ کروانے بھیج دیتے تو کبھی کوئی، مگر سب ٹیسٹ کلیئر آ رہے تھے۔

ڈاکٹرز کا کہنا تھا اس کے بائیں پھیپھڑے میں ہوا نہیں آ رہی۔ مگر اس کی ڈیتھ سے ایک دن پہلے صبح 7 بجے سے لے کر 12.30 تک میرا بیٹا میری گود میں بیٹھا میرے ساتھ کھیلتا رہا۔ ڈاکٹرز نے بھی چیک کر کے چارٹ میں لکھا کہ اب پھیپھڑے میں ہوا آ رہی ہے۔

اچانک 12.30 بجے اسے الٹی آتے آتے واپس چلی گئی۔ ساتھ ہی دو لوز موشن آئے اور میرے بیٹے نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور زبان کو لے کر دانتوں میں اتنی زور سے دبایا کہ مجھے لگا یہ اپنی زبان کاٹ ڈالے گا۔ جلدی سے ڈاکٹر کو بلایا، ڈاکٹر نے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجکشن نرس کو لگانے کا کہا۔ اس کے لگنے کے بعد میرے بیٹے نے دانتوں کو ڈھیلا چھوڑا۔ مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ ایک ایک سیکنڈ ہمارے لئے قیامت تھا۔

اگلے دن بھی یہی کیفیت رہی اور شام 3 بجے میرے بیٹے نے اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کردی۔ ہمیں جیتے جی بے جان کردیا۔ اب میرے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ اور سوچیں۔ مما نے کچھ دن پہلے ہی اپنے سسرال والوں کو کہا تھا کہ میں یہ گھر عبدالمقیت کے نام کروانے لگی ہوں۔ جس پر مما اور ان کے سسرال والوں میں جھگڑا ہوا۔ اور وہ لوگ میرے بیٹے کی ڈیتھ کا سن کر بھی ہمارے گھر نہیں آئے۔ بے حسی کی اتنی انتہا شاید ہی کہیں دیکھنے میں ملے۔

میرا دل ہر جگہ سے بھر گیا تھا۔ سو میں نے فیصلہ کیا کہ اب کسی اور جگہ جاؤں۔ میرے شوہر نے ایک گھر کرائے پر لے لیا۔ ہم وہاں شفٹ ہوگئے۔ وہ صبح آٹھ بجے اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے۔ اور میں گھر کی صفائی کرکے چھت پر جا کر لیٹ جاتی اور جب واپس آتی تو سارا گھر ایسے گندہ ہوتا جیسے کبھی صاف کیا ہی نہ ہو۔ میں پھر سے صفائی کرنے لگ جاتی۔

ایک دن حسب معمول میں صفائی میں مشغول تھی کہ صحن میں آواز گونجی۔ ”تمہاری آنکھیں بہت اداس رہتی ہیں۔“ میں نے حیران ہوکر ادھر ادھر دیکھا تو مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں کافی گھبرا گئی تھی۔ مگر پھر مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے سمجھا میرا وہم ہے۔

اگلے دن میں صفائی کرکے چھت پر گئی اور موبائل میں اپنے بیٹے کی تصویریں دیکھنے لگی۔ یہ میری عادت تھی گھر کی صفائی سے فارغ ہوکر اپنے بیٹے کی تصویریں اور ویڈیوز دیکھتی کبھی ہنستے ہوئے اور کبھی روتے ہوئے۔ اس کے بعد تو وقت جیسے ٹھہر گیا تھا گزرتا ہی نہیں تھا۔ ہر چیز سے بیزاریت اور نفرت سی محسوس ہوتی وہ حال ہوگیا تھا کہ.....

ہمارے گھر کی دیواروں پر صرف اداسی بال کھولے سو رہی ہے زندگی گزارنا بہت مشکل لگنے لگا۔ اپنی یادوں کو سمیٹے جب میں چھت سے نیچے آئی کہ اب پھر سے صفائی کروں، مگر بہت حیران کن تھا کہ سارا گھر بالکل صاف تھا۔ بلکہ جیسے میں صبح کرکے گئی تھی اس سے بھی زیادہ صاف، ہر چیز چمک رہی تھی۔ پھر مجھے آواز سنائی دی۔ ”تمہاری آنکھیں بہت اداس ہیں۔“

میں نے ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اب میں اسے وہم کہہ کر نظر انداز بھی نہیں کرسکتی تھی۔ میں نے آواز دی۔ ”کون ہو تم؟ سامنے آؤ۔“

جواب ملا۔ ”کیا سچ! میں سامنے آجاؤں؟“ میں کشمکش میں پڑ گئی بالآخر بہت سوچ بچار کے بعد میں نے ”ہاں“ کہا۔

ایک بہت خوبصورت سی لڑکی میرے سامنے تھی۔ میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی، وہ تھوڑا سا مسکرائی اور پھر بولی۔ ”میں اسی گھر میں رہتی ہوں، میرا تعلق قوم جنات سے ہے، تم بالکل بھی گھبراؤ نہیں، میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ پہلے جو بھی کرائے دار آئے وہ میرے یوں گند ڈالنے سے گالیاں دیتے تو میں چڑ کر اور بھی گھر خراب کرتی دھول مٹی سے بھر دیتی۔ مگر تم نے اتنے دن میں مجھے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ مجھے تم اچھی لگی ہو۔ کیا تم میرے ساتھ دوستی کروگی؟“

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ ”تم اتنی اداس کیوں رہتی ہو؟“

میں نے اپنی کہانی اسے سنائی۔ اس نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں اور خاموش رہی، تھوڑی دیر کے بعد بولی۔ ”تمہارے بیٹے پر کالا جادو کیا گیا تھا۔ اور صرف تمہارے بیٹے پر ہی نہیں تمہاری نانی امی۔ نانا ابو پر بھی۔ ملتان میں کسی پرانے قبرستان میں وہ شخص بیٹھتا ہے وہاں سے کروایا گیا۔“

میری آنکھیں کھلی کی کھلیں رہ گئیں اس لئے کہ ملتان میں میری مما کا سسرال ہے۔ ایک گھر کے لئے انہوں نے اتنی جانیں لے لیں۔

ایک دن اس نے بتایا۔ ”تم سے پہلے ایک کرایہ دار اس گھر میں آئے تھے۔ جب انہوں نے زیادہ گالیاں

دیں اور مجھ ان دیکھی ذات کو زیادہ برا بھلا کہا تو میں چڑ سی گئی، اور میری شرارتیں گھر میں گند ڈالنے کی زیادہ بڑھ گئیں تو انہوں نے ایک عامل سے سارا مسئلہ بیان کردیا۔

عامل اس گھر میں آیا۔ وہ عامل زیادہ پہنچا ہوا نہیں تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں ادھر ادھر گھمائیں اور وہ جان گیا کہ کچھ نہ کچھ مسئلہ ہے ضرور۔

اس نے گھر والوں سے ایک معقول رقم طلب کی، گھر والوں نے رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی، رقم لے کر وہ چلا گیا، مغرب کے بعد وہ دوبارہ آیا اور اس گھر کی چھت پر جا کر بیٹھ گیا، اور آگ دہکا کر دھونی دینے لگا، اس نے چار لیموں پر عمل پڑھ کر چاروں لیموں کو چاروں کونوں میں رکھ دیا۔ ہر لیموں میں اس نے ایک ایک سوئی چبھو دی۔ ایسا کرنے کے بعد وہ چلا گیا۔ اور بول گیا کہ۔ ”میں نے مکمل کام کردیا، اس گھر میں موجود نادیدہ قوت دم دبا کر بھاگ جائے گی۔“

اس کے ایسا کرنے سے میرے پورے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں اور پھر پورے جسم میں آگ کی حدت محسوس ہونے لگی۔ میں حال سے بے حال ہونے لگی۔ لیکن میں پھر ضد میں آگئی۔ میری حالت دو دن میں ہی ناقابل برداشت ہوگئی۔ تین دن تک میں نے جسم میں چبھن اور آگ کی اذیت برداشت کی، میں اس قابل ہوگئی کہ کسی وقت بھی میری ذات ختم ہوسکتی یا پھر میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں۔

”تیسرے دن غضبناک حالت میں زخمی ناگن کی طرح یہاں سے نکلی کہ۔ ”میں نہیں یا پھر وہ عامل نہیں۔“

وہ عامل میرے لئے اپنا عمل کرکے میری طرف سے بالکل غافل ہوچکا تھا۔ اور یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ حوائج ضروریہ سے فارغ ہوا تھا۔ پاک نہ تھا، میں تو تھی ہی غضبناک، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کا دل مٹھی میں مسل کر کچومر بنا دیا۔ اس نے زبردست خون کی الٹی کی اور زمین پر گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کے مرتے ہی اس کا عمل باطل ہوگیا اور میں پرسکون ہوگئی۔

ایک رات ان کرایہ داروں کو بابلند آواز سے وارننگ دے دی کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر یہ مکان چھوڑ دیں، ورنہ خونی حالات کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے، انہوں نے چار دن کے اندر اندر یہ مکان چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے اور میں آزادانہ طور سے یہاں مقیم رہی۔

میری اس لڑکی سے دوستی ہوگئی تھی اب میں سارا دن اس کے ساتھ باتوں میں لگی رہتی۔ کبھی دکھ کی، کبھی سکھ کی۔ اور وہ مجھ سے اپنی باتیں کرتی۔ وہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر آگئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم انسانوں کی طرح ان کے بھی ہزاروں مسائل ہوتے ہیں۔ ان کی ویسے ہی دوستیاں اور دشمنیاں ہوتی ہیں جیسی ہم عام انسانوں کی۔ اس کی وجہ سے میں کافی حد تک اپنے صدمے سے باہر نکل آئی تھی۔

ایک دن اچانک اس نے مجھ سے کہا۔ ”اب وہ جارہی ہے اس کے گھر والے اسے لینے آرہے ہیں اس کی اپنے گھر والوں سے صلح ہورہی ہے۔“

مجھے بہت دکھ ہوا۔ مگر محسوس ہوا کہ شاید قدرت نے اسے مجھے غم سے نکالنے کے لئے ہی یہاں رکھا تھا۔ جاتے ہوئے وہ خوش بھی تھی اور اداس بھی۔ اس کے جانے کے بعد مجھے لگا، میں ایک بار پھر سے اپنے غم کے ساتھ اکیلی رہ گئی ہوں۔ مجھے پھر سے خود کو سمیٹنا تھا، اپنے آپ کو سنبھالنا تھا۔ اور یہ سب مجھے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

مگر جب تک سانس باقی ہے خود کو جینے پر مجبور تو کرنا ہے۔

میں نے اپنے شوہر کو اپنی اس دوست کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اسے نفسیاتی مسئلہ قرار دیا۔ اور زبردستی ایک نفسیاتی معالج کے پاس لے گئے۔ معالج نے کہا کہ۔ ”مجھے ایک ہمدرد اور غم خوار کی ضرورت تھی اس لئے میرے ذہن نے ایک ہمدرد دوست کا وجود تراش لیا، یہ سب میری ذہنی اختراع ہے اور کچھ نہیں۔“

قارئین! کیا آپ سب کو بھی یہی لگتا ہے کہ میری اس دوست کا کوئی وجود نہیں تھا.....؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

چوٹ وہ کھائی ہے جس کا مداوا کوئی نہیں
بات تو پرانی ہے انداز نیا کوئی نہیں
بدلتے ہیں موسم مگر اپنا کوئی نہیں
تاریک راہوں میں چراغ جلا کوئی نہیں
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

ہر بار نہ کہا کر کہ تجھے چھوڑ دیں گے ہم
نہ ہم اتنے عام ہیں نہ یہ تیرے بس کی بات ہے
(محمد وارث آصف.....واں بھچراں)

تجھے پانے کے لئے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں
تیرے پیار میں جی اور مر سکتا ہوں
پھر بھی تو نہ ملی تو غم نہیں
یہ فارمولا میں دوسری پر ٹرائی کرسکتا ہوں
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

سرخ رو دنیا میں بس وہ مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں
(محمد ہمایوں تنولی.....مانسہرہ ہزارہ)

اک یہی آس ہی کافی ہے میرے جینے میں
دل نہیں آپ دھڑکتے ہیں میرے سینے میں
تجھ سے جو گھاؤ ملے دل سے لگا لیتے ہیں
کتنی لذت ہے تیری ذات کے غم پینے میں
(انتخاب: راجہ باسط مظہر.....گاؤں حامد جھنگی)

وہ مجھ کو بھول بیٹھا ہے نہیں حیرت مجھے نوری
وہ اپنی سی چیزوں کو اکثر بھول جاتا ہے
(غلام نبی نوری.....کھڈیاں خاص)

اس کے خیالوں سے نکلوں تو کوئی بات کروں
صرف بس اس کے تصور میں ہی دن اور رات کروں
اس کا چہرہ یوں ہوا نقش میری آنکھوں میں
سانس نہ آئے جو اس کے سوا میں بات کروں
(فصلی رباب.....فیصل آباد)

آج کی رات بھی ممکن ہے میں نہ سوؤں
یاد پھر آئی ہے نیندوں کو اڑانے والی
(شمس الحق شمسی-کراچی)

یوں ہم کو ستانے کی ضرورت کیا تھی
دل میرا توڑ کر جانے کی ضرورت کیا تھی
جو نہیں تھا عشق تو کہہ دیا ہوتا
یوں ہمیں آزمانے کی ضرورت کیا تھی
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈو الہ یار)

صبح عید یوں اتری میرے آنگن میں
بکھر رہی ہو، تیری یادوں کی خوشبو جیسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ مجھے ہر بار لگا، تو ہو جیسے
(شازیہ انجم.....کراچی)

ہم خاک ہوگئے ہیں اے سجن تیرے شہر میں
کردیں گے ہر رات بسر تیرے شہر میں
جب تک میری سانس میں سانس رہے گا
ہم بسادیں گے پھولوں کے نگر تیرے شہر میں
(مس فوزیہ کنول.....کنگن پور)

یہ بات عیاں ہے دنیا پر ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
عزت سے جئے تو جی لیں گے جام شہادت پی لیں گے
زیبا علی.....لاہور

سانسوں کا پنجرہ کسی دن ٹوٹ جائے گا
پھر مسافر کسی راہ میں چھوٹ جائے گا
ابھی زندہ ہیں تو یاد کرلیا کرو
کیا پتہ کب مقدر زندگی سے روٹھ جائے گا
جاوید حسین.....کراچی

میں نے پوجا ہے تجھے، تیری عبادت کی ہے
تجھ کو چاہا ہے صنم، تجھ سے محبت کی ہے
تو اگر بھول بھی جائے تو چلو یونہی سہی
میں نہ بھولوں گا کبھی، میں نے محبت کی ہے
محمد اسحاق انجم.....کنگن پور

کوئی کیا میرا انتظار کرے گا
اپنی زندگی میرے لئے بیکار کرے گا
ہم کون سا کسی کے لئے خاص ہیں
کیا سوچ کر کوئی ہم سے پیار کرے گا
نازیہ کنول.....کراچی

اس پر پڑی خزاں کی نظر اتفاق سے
جو بھی بڑھی تھی شاخ شجر اتفاق سے
دستار دیکھتے ہیں دکھوں کی سجی ہوئی
خالی نہیں ہے کوئی بھی سر اتفاق سے
ٹوٹے بدن کے ساتھ جو آیا میں شام کو
مجھ کو ملا وہ میرے ہی گھر اتفاق سے
اک فیصلہ ترک تعلق پہ گفتگو
شرمندہ ہوگئے وہ مگر اتفاق سے
ہم تو سمجھ رہے تھے کوئی ہوگا مہرباں
نکلا خلاف سارا نگر اتفاق سے
ذرہ بھی جس گلی کا نیا آفتاب تھا
میرا تھا اس گلی سے گزر اتفاق سے
عاطر ہماری چشم طلب مسکرائے گی
ہم سے کہیں ملے وہ اگر اتفاق سے
(رانا حنیف عاطر.....جھڈو)

ماضی کے فسانوں کو بھلاؤں میں تو کس طرح
اپنی وفا کی جوت جلاؤں تو کس طرح
تیرا قصہ وفا تو میں نے خوب سن ہی لیا
اب اپنی حدیث دل اور درد سناؤں تو کس طرح
محبت کے دشمنوں نے کردیا اسے ناراض مجھ سے
اپنی جان تمنا کو مناؤں تو کس طرح
مجھے بیکار سمجھ کر جو تو نے پھینک دیا
اب میں تیرا ساتھ نبھاؤں تو کس طرح
غصے میں ہی سہی لیکن تو نے جو بکا تھا
اس جملے کی بازگشت کو بھلاؤں میں تو کس طرح
کرلیا ہے واجد تم سے وعدہ ساتھ نبھانے کا
لیکن اب میں اس دل کو سمجھاؤں تو کس طرح
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

جیسے کہلاتی ہیں نازک چوڑیاں
اس طرح کی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں
جب مراسم بڑھتے ہیں، دکھ ملے ہیں
کیا کریں اب ہم حساب دوستاں
ان پہ رحمت کے فرشتے آتے ہیں
ہوتی ہیں جن کے سروں پر چڑیاں
وہ شجر طوفاں کی زد میں آگیا
جس پہ چڑیوں نے بنایا آشیاں
اپنے بچوں کی پڑھائی کے لئے
بیچتی ہیں مائیں اپنی بالیاں
جس کو کہتے ہیں محبت ہے عذاب
لٹنے والوں پر جو چھائیں زردیاں
جس پہ خانم مہرباں ہوجائے رب
خوشیاں تبھی ہوتی ہیں اس پر مہرباں
(فریدہ خانم.....لاہور)

ہر اک دل کو طلب، ہر نظر سوالی ہے
کہ شہر میں جلوؤں کی قحط سالی ہے
کہاں ہے دوست کہ آشوب دہر سے میں نے
تیرے خیال کی آسودگی بچالی ہے
بتا رہا ہے فضا کا اٹوٹ سناٹا
افق سے پھر کوئی آندھی اترنے والی ہے
لرز رہے ہیں شگوفے چمن میں کھلتے ہوئے
حنائے دست صبا میں لہو سی لالی ہے
پیو شراب کے ناصح نے زہر بھی دے کر
ہماری جرأت رندانہ بھی نرالی ہے
آج دانۂ گندم کے سلسلے میں فراز
کسی خدا نے میری خلد بیچ ڈالی ہے
(انتخاب: نوشین خان.....کوٹ مظفر میلسی)

پھول اور خوشبو چاند ستارے، سارے ساتھی تیرے تھے
تتلیاں، جگنو، کلیاں بھنورے، سارے ساتھی تیرے تھے
کنارے کون لگاتا میری بھنور میں ڈوبی کشتی کو
خود سمندر ساری لہریں دھارے ساتھی تیرے تھے
کچھ اپنے کچھ بیگانے اور خود میرا دل
میری جان کے دشمن جاناں، سارے ساتھی تیرے تھے
محبت کی اس بازی میں تو میں نے ہار ہی جانا تھا
اچھا وقت خود محبت اور مقدر سارے ساتھی تیرے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اپنی فریاد لے کر جاتی تو کس کے پاس کنول
حاکم، قاتل اور مصنف سارے ساتھی تیرے تھے
(مس فوزیہ کنول.....منڈی گنگن پور)

ظالم تم سے کی گر محبت تو ہم جل جائیں گے
دیکھا تیری قاتل آنکھوں کو تو کدھر جائیں گے
بتادے اے ظالم مجھ کو میں کیا کروں
تجھے نہ ملے تو ہم پھر بھی قسم سے تیری مرجائیں گے
تو گزرا اگر ہمارے پاس سے آنکھ چرا کر
تو یاد رکھنا ہم بھی تیرا دل چرا کر نکل جائیں گے
اگر تو ہمارے پیچھے آیا اپنے دل کی تلاش میں
تو سمجھیں گے کہ تو بھی کرتا ہے محبت ہم سے
تیرا پھول جیسا چہرہ دیکھ کر ہم پگھل جائیں گے
تجھ سے کی محبت تو ہم جل جائیں گے
کی محبت اگر تم نے ہم سے ٹوٹ کر حبیب
تو تیری محبت میں ہم ڈوب کر پگھل جائیں گے
(رانا حبیب الرحمن.....گوجرہ)

محسوس ہورہی ہے تنہائی گزارا نہیں تیرے بغیر
کوئی ساتھی بھی نہیں میرا سہارا نہیں تیرے بغیر
رونق گلستاں زینت جہاں تو بہت دیکھی
کوئی اور من کو بھاتا نظارہ نہیں تیرے بغیر
کیونکہ زمانے والے ہم کو اپنا سمجھ بیٹھے
کوئی اور اس جہاں میں ہمارا نہیں تیرے بغیر
فسانہ زندگی میں نے تیرے نام لکھ دیا
اب کوئی عنوان کوئی شمار نہیں تیرے بغیر
میں کیوں ڈھونڈوں کسی غیر کو کہ میرے لئے
خدا نے کسی اور کو اتارا نہیں تیرے لئے
تم تو جینے کی بات کرتے ہو امتیاز
مجھ کو مرنا بھی گوارا نہیں تیرے بغیر
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

کیا حسیں صورت ہے زیر لب تیرے تل کی
تیرے مسکرانے سے کھل گئی کلی دل کی
اضطراب سے نکلی جاں نے اطمینان پایا
شکر ہے خدا تیرا دیکھی شکل قاتل کی
جب بھنور قریب آیا کیا گزر گئی ان پر
آرزو سفینے میں ہوگی جن کو ساحل کی
اب پتہ چلا ہم کو دل نے کچھ نہ سمجھایا
عشق کرنے والوں خی زندگی ہے مشکل کی
اب تو بھیک میں پیارے اپنی اک نظر بخشو
دیکھنے کے قابل ہے شکل اپنے سائل کی
راستے میں رہ بر نے رہ زنی دکھائی ہے
ہم جو کج مقدر ہیں کیا خبر ہو منزل کی
حسن ہی نے جب قمر مسکرا کے باتیں کیں
ہم نے زندگی اپنی عشق ہی میں داخل کی
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

مت پوچھئے کہاں جاکے دل لگالیا ہم نے
خود پر حیران ہوں کہ یہ کیا کیا ہم نے
لوگ اپنی محبت کے افسانے سناتے پھرتے ہیں
چپ چاپ کسی کو دل میں بسالیا ہم نے
میں اس کو چاہتی ہوں یہ اس کے تصور میں بھی نہیں
اک طوفان اٹھے گا اگر بتادیا ہم نے
میں تو پہلے ہی تنہا تھا اس کی چاہت میں
خود کو کچھ اور تنہا بنا بھی لیا ہم نے
مسافر ہوں چلا جاؤں گا کسی دن
اس کے شہر کو اپنا شہر بنالیا ہم نے
(فاریہ تبسم.....ٹھینگ موڑ قصور)

اتنا ٹوٹا ہوں کہ چھونے سے بکھر جاؤں گا
اب اگر اور دعا دو گے تو مرجاؤں گا
پوچھ کر میرا پتہ وقت رایگاں نہ کرد
میں تو بنجارا ہوں کیا جانے کدھر جاؤں گا
ہر طرف دھند ہے جگنو ہے نہ چراغ کوئی
کون پہچانے گا بستی میں اگر جاؤں گا
زندگی میں بھی مسافر ہوں تیری کشتی کا
تو جہاں مجھ کو کہے میں اتر جاؤں گا
پھول رہ جائیں گے گلدانوں میں یادوں کی نظر
میں خوشبو ہوں نوری فضاؤں میں بکھر جاؤں گا
(غلام نبی نوری.....کھڈیاں خاص)

چاند بولا تیرا محبوب کیسا ہے
میں بولا تیرے جیسا ہے
ہوا بولی وہ کھلتا کنول ہے
میں بولا وہ تو جنس کا محل ہے
خوشبو بولی کیا وہ کوئی پھول ہے
میں بولا پھول تو پاؤں کی دھول ہے
ندی بولی کیا وہ پانی کی طرح بہتا ہے
میں بولا وہ تو میرے دل میں رہتا ہے
پری بولی کیا وہ جادو کی چھری ہے
میں بولا اس کی ہر ادا جادو بھری ہے
بادل بولا وہ مجھ سے بھی زیادہ نرم ہے
میں بولا ارے وہ تو میرا صنم ہے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

جاتے جاتے اپنے ساتھ کچھ ثواب لے جاؤ
اپنی اس عوام کو کچھ گلاب دے جاؤ!
تو نے بہت زخم دیئے اپنی اس عوام کو
مرہم زخموں کے لئے کچھ جناب دے جاؤ
ہوسکے تو ہم جیسے غریبوں کی خدمت کرو!
تاکہ عوام کے دل میں تا قیامت رہ جاؤ!
ہم یہ نہیں کہتے ہیروں میں تو تول ہمیں!
ہمارے لئے اک لفظ محبت کہہ جاؤ
بس غرض ہے اتنی آزاد کی تم سے
ہم جیسے غریبوں کی دعائیں لے جاؤ!
(محمد اسماعیل آزاد.....)

بھولی ہوئی صدا یوں مجھے یاد کیجئے
تم سے کہیں ملا ہوں مجھے یاد کیجئے
منزل نہیں ہوں، خضر نہیں، راہزن نہیں
منزل کا راستہ ہوں مجھے یاد کیجئے
میری نگاہ شوق سے ہر گل ہے دیوتا
میں عشق کا خدا ہوں مجھے یاد کیجئے
نغموں کی ابتدا تھی کبھی میرے نام سے
اشکوں کی انتہا ہوں مجھے یاد کیجئے
گم صم کھڑی ہوں دونوں جہانوں کی حقیقتیں
میں ان سے کہہ رہا ہوں مجھے یاد کیجئے
ساغر کسی کے حسن تغافل شعار کی
بہکی ہوئی ادا ہوں مجھے یاد کیجئے
(انتخاب: رابعہ باسط مظہر.....حامد جھنگی)

ساحل کی ریت پر انگلیاں پھیر کر
اک نام بنا بنا کر مٹا رہا تھا کوئی
بڑے ہی پیار سے دل میں اک گھر بنایا تھا
آج اسی گھر کو گرا رہا تھا کوئی
جس چراغ سے روشن تھی جس کی دنیا
وہ چراغ زندگی بجھا رہا تھا کوئی
کیوں وہ دل آج ویران ہوگیا
جس دل میں سدا رہا تھا کوئی
چہرے کی اداسی بھی چھپائی نہ گئی اس سے
چھپا کر اداسی، آنکھوں میں مسکرا رہا تھا کوئی
محبت کا حاصل ضروری تو نہیں لوگوں
یہی معصوم صدا دل میں لگا رہا تھا کوئی
(انتخاب: صدف حسین.....کراچی)

راتوں کی تنہائی میں
صبح کی پرچھائی میں
چہرہ ہے کیسا ہے یہ میری آنکھوں میں
خوشبو ہے کیا یہ میری سانسوں میں
کیسا یہ راز ہے جو کہ کھلتا نہیں!
کیوں میرے ذہن میں تو ہے اے اجنبی!!
ہوتا ہے جو سوالوں میں
ملتا نہیں جوابوں میں
رہتا ہے جو خیالوں میں
اب تک ہے وہ حجابوں میں
ہے دل کا کیسا موسم.....!
نہ دھوپ ہے نہ شبنم
کیسا یہ راز ہے.....جو کہ کھلتا نہیں
کیوں میرے ذہن میں تو ہے اے اجنبی.....!!
(محمد وارث آصف.....واں بھچراں)

☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی تم نے یہ سوچا ہے
راہ وفا پر چلتے چلتے
کٹ جائے گی عمر مگر
عشق محبت کی منزل
کبھی نظر نہ آئے گی
اک دن ایسا آئے گا
پیار وفا اور وعدوں کے
جل جائیں گے خواب سبھی
یاد کے گہرے ساگر میں
ہم تم کھو جائیں گے
نام ہمارا رہ جائے گا
کبھی یہ تم نے سوچا ہے
(حکیم خان حکیم......کامل پور موسیٰ)

دل لگی مشکل میں ہے
بے کسی مشکل میں ہے
آدمی مشکل میں ہے
زندگی مشکل میں ہے
آج کے اس دور میں
آگہی مشکل میں ہے
حوصلہ تو رکھ ابھی
عارضی مشکل میں ہے
دشمنوں کی چال سے
دوستی مشکل میں ہے
دل میرا اس کے بغیر
ہر گھڑی مشکل میں ہے
رات کے اس پہر میں
روشنی مشکل میں ہے
(قدیر رانا......راولپنڈی)

میرے دل کی
سرخ و لال
زمین، دیواریں
لہولہو ہیں
اور
لہو کی ندیاں بہتی ہیں
اندر ہی اندر
درد و غم پینے کے بعد
تجھے کھو دینے کے بعد
میں خوش نصیب تھا
جب تو میرے؟
پاس تھا
قریب تھا
میری......؟
امید تھا
جہاں تھا
زیست تھا
اب تو میرے
چاروں طرف
ہر سوں
ہر وہ شامیں......
دھواں دھواں ہے
اور......
میں عشق کی آگ میں
جلتا رہتا ہوں
تڑپتا رہتا ہوں
پھڑکتا رہتا ہوں
درد و غم پینے کے بعد
تجھے کھو دینے کے بعد
کاش اب تو مجھے مل جائے
نہیں تو سینے سے دل
جسم سے جان
نکل جائے
درد و غم پینے کے بعد
تجھے کھو دینے کے بعد
(محمد عثمان علی......میاں چنوں)

گردش ماہ و سال باقی ہے
جانے کیا کیا ملال باقی ہے
گو روانی نہیں تخیل میں
مشغلہ حسب حال باقی ہے
بات تو کر چکے زمانے کی
ٹھہریے عرض حال باقی ہے
لٹ نہ جائے یہ کارواں دل کا
ہر گھڑی یہ خیال باقی ہے
کیسے تجھ کو لگالوں بڑھ کے گلے
آئینے پہ جو بال باقی ہے
نیر ٹھکرا چکا ہوں سب یادیں
ایک اس کا خیال باقی ہے
(نیر رضوی......کراچی)

اکثر چاند سے
پھول، آئینے
اور دیوں سے باتیں کرنا
اس کا شیوہ
چاند کے ہالے میں رہنا
پہلو بہ پہلو کروٹ کروٹ
سونا، جگنا
اس کا شیوہ
خوشبو بننا اور معطر سانسیں رکھنا
باتوں سے خوشبو پھیلانا
اس کا شیوہ
آئینے میں خوب سنورنا
خواب سجانا
اس کا شیوہ
روشنی کرنا، لو کو بڑھانا
سارے جگ کو روشن کرنا
اس کا شیوہ
اٹھلانا اور مسکانا ہے
جگ سے روٹھوں کو ملوانا
وقت سہانا کرتے جانا
اس کا شیوہ
لیکن!
لیکن اب وہ کسی کی خاطر بدل گیا ہے
اور میں
پہلے جیسا ہوں
(ظریف احسن......جگستا معلوم)

☆☆

برائے فروخت

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

رات کے اندھیرے میں اچانک ایک دلسوز آواز سنائی دی، اور پھر اس آواز کے پیچھے پیچھے وہ چلتا ہوا آگے آگے بڑھتا رہا اور جب وہ کمرے میں پہنچا تو سامنے کا منظر دیکھ کر......

عشرت کا ثمر اکثر تلخ سدا ہوتا ہے ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے......ایک سبق آموز تحریر

"**میری** گیون" پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کا جوش اور خوشی اس کے چہرے سے ظاہر نہ ہونے پائے۔ وہ اور اس کا خاوند جان دونوں اس وقت اس مکان کے کمروں کا معائنہ کر رہے تھے۔ جو وہ خریدنا چاہ رہے تھے اور کسی حد تک خریدنے کا فیصلہ بھی کر چکے تھے کیونکہ یہ مکان ان کی ضرورت سے زیادہ وسیع اور بجٹ کے لحاظ سے بہت ہی سستا تھا۔ ایجنٹ نے اس کی قیمت ان کی توقع سے بھی کم بتائی تھی۔ وہ ہر کمرے میں تھوڑی دیر ٹھہرتے، تعریفی انداز میں سر ہلاتے اور پھر آگے چل پڑتے۔ جب کبھی میری نظر اپنے خاوند جان کی نظر سے ٹکراتی وہ بھنویں اچکا کر اپنی بے اعتنائی کا اظہار کرتا اور اشارے سے یاد دلاتا کہ ان کا بیٹا جیک اور اس کی بلی ٹفی دونوں باہر کار میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کو وہ مشہور مقولہ یاد آ جاتا کہ ہم جتنے زیادہ خوش ہوں گے کہ اتنی ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔

دبلی پتلی رئیل اسٹیٹ ایجنٹ اپنے سرخ رنگ کے دفتری لباس میں پوری طرح پروفیشنل نظر آرہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر نظر آنے والی مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کس کمرے میں کتنی دیر رکنا ہے اور کب گاہک کو مشورے کا موقع دے کر باہر نکل جانا ہے۔

کمروں کے معائنے کا ان کا یہ سفر لانڈری روم میں ختم ہوا۔ اس کمرے میں بڑی بڑی دیوار گیر الماریاں تھیں اور اس کی چھت کافی بلند تھی۔ ایک بہت بڑی واشنگ مشین اور کپڑے سکھانے والا ڈرائیر بھی اس کمرے میں موجود تھا۔ منی اسکرٹ میں انداز دلربائی سے آگے آگے چلنے والی ایجنٹ رکی، مڑی اور پھر بالکل کسی فیشن ماڈل کی طرح دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی توجہ ان مشینوں کی طرف مبذول کراتے ہوئے بولی۔

"یہ مشینیں آپ کو اس گھر کے ساتھ بالکل مفت ملیں گی....."

"یہ کتنی پرانی ہیں.....؟" میری نے سوال کیا۔

ایجنٹ کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لئے معدوم ہوئی پھر وہ باچھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔ "یقین سے کچھ کہا نہیں جاسکتا..... مگر ان کا معیار صنعتی اور کاروباری مشینوں کا سا ہے اور یہ اب تک بالکل درست کام کر رہی ہیں۔ آپ جب چاہیں ان کو استعمال کر سکتی ہیں۔"

پھر اس ایجنٹ نے ایک جھٹکے سے ڈرائیر کا بڑا سا دروازہ میری کے معائنے کے لئے کھول دیا۔ میری نیچے جھکی اور اس کے اندر جھانکنے لگی۔ اسٹین لیس اسٹیل کا ڈرم پوری طرح چمک رہا تھا، اتنا کہ اس میں میری کو اپنے چہرے کا عکس نظر آرہا تھا۔ میری نے بھنویں اچکائیں۔

"مجھے اس قسم کی پرانی مشینوں پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے۔ یہ عموماً دردسر بنی رہتی ہیں۔ یہ عمارت بھی تو بہت پرانی ہے..... کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ کتنی پرانی ہے اور اس کی کیا تاریخ ہے؟"

ایجنٹ مسکرائی اور کھنکھارتی ہوئی بولی۔ "یہ عمارت انیسویں صدی کے وسط میں تعمیر کی گئی تھی اور وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں کے زیر استعمال رہی۔ رہائشی بھی اور کاروباری بھی۔ دس سال قبل اس کو رہائشی عمارت میں بدلا گیا تھا۔ اس وقت اس کو از سر نو تعمیر کیا گیا تھا اس لئے اس کا سارا سسٹم، کھڑکیاں، دروازے اور طرز تعمیر جدید دور کا ہے۔" وہ اپنی بات ختم کر کے میری اور جان کو منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر دوبارہ بولی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو مشورے کی ضرورت ہے..... ٹھیک ہے آپ بات کریں میں کچن میں آپ کا انتظار کرتی ہوں۔"

جونہی ایجنٹ نے باہر نکل کر دروازہ بند کیا اور وہ دونوں وہاں تنہا رہ گئے تو جان نے ایک ہنکارا بھرا اور دھیمی آواز میں میری سے پوچھنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے.....؟"

میری نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے پر نظر دوڑائی اور پھر بولی۔ "میرا خیال ہے یہ مکان ویسا ہی ہے جیسا ہمیں ضرورت ہے۔"

"ہاں..... دوسرے مکان جو ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں۔ یہ ان سے رقبے میں بڑا مگر قیمت میں کم ہے، اگر ہم زیادہ بھی ہوں تو یہاں آسانی سے رہ سکتے ہیں....." جان بولا۔

"زیادہ.....؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو..... زیادہ بچے.....؟" میری کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی صرف مکان کا سوچو....."

"تم بھی بالکل بچے ہو....." میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

میری، پلیٹ اور ڈشیں ڈبے سے نکال کر کچن کی شیلف پر رکھ رہی تھی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا بڑا گھر ان کا اپنا بن چکا ہے۔ تھوڑی ہی دور اس کا چار سالہ بیٹا جیک فرش پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔ وہ کھلونے ٹرک کو رسی سے باندھے دائرے میں بھاگ رہا تھا اور بلی

ٹنی اس کے پیچھے لپک رہی تھی۔ جونہی بلی ٹرک کو پنجہ مارتی ننھا جیک کھلکھلا اٹھتا اور بلی پیار سے اس کے قدموں میں لوٹنے لگتی۔ ننھا جیک مسکراتے ہوئے بالکل اپنے باپ جان کی کاپی لگتا تھا۔ ان کی مشابہت غضب کی تھی، سیاہ گھنگریالے بال، زیتونی رنگت، مسکراتے وقت گالوں میں پڑنے والے گڑھے، وہ بالکل چھوٹا جان نظر آتا تھا۔ صرف اس نے اپنی آنکھوں کا نیلا رنگ اپنی ماں سے لیا تھا جو اس کے جرمن خون کی نشانی تھی۔

جیک بھاگتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔ بلی بھی اس کے پیچھے لپک رہی تھی۔

"سیڑھیوں سے دور رہنا بیٹا.....!" میری نے اسے پکارتے ہوئے ہدایت کی۔

جان کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے اس نے پرانی ایکشن فلموں کے ہیرو کی طرح اٹھا رکھا تھا۔ اسے وہ پستول کی مانند میری کی طرف تانتے ہوئے بولا۔

"اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا خوبصورت خاتون.....! میں نے آپ کے گھر کا بیرونی گیٹ مرمت کر دیا ہے۔ چیک کرلیں....." پھر وہ اس کے قریب آکر اس پر جھکا اور اس کے نرم لبوں کو اپنے ہونٹوں پر محسوس کرنے لگا۔

میری نے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپیٹا اس کو ہلکے سے اپنے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کے عالم میں بولی۔ "چیک کرنے کی کیا ضرورت ہے تم ہر کام بہترین کرتے ہو....."

جان مسکرایا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کو اپنے اور قریب کرلیا۔ دونوں اس وقت چونک پڑے جب ننھے جیک کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ممی..... ممی.....! ٹنی کہیں چلی گئی ہے....."

دونوں ہڑبڑا گئے۔

"بیٹا.....! وہ یہیں کہیں ہوگی..... ابھی آجائے گی....."

"نہیں ممی.....! وہ کہیں چلی گئی ہے....." جیک پکارتا ہوا کچن کے دروازے تک آگیا۔

"اپنے پاپا کے ساتھ جا کر اسے تلاش کرو..... مجھے ابھی دوپہر کا کھانا بھی تیار کرنا ہے....." میری نے دوبارہ شیلف کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"آؤ..... میرے ساتھ....." جان نے جیک کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جیک کو گود میں اٹھائے واپس آگیا۔

"ٹنی کہیں نہیں ہے....." اس نے آتے ہی اطلاع دی۔ جیک باپ کے کندھے سے چپکا ہوا تھا اور اس کی نیلی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"یہیں کہیں ہوگی....." میری پریقین انداز میں بولی۔ "مکان ہے بھی تو بہت بڑا۔ بلی نے یقیناً دبکنے کے لئے کوئی گوشہ تلاش کرلیا ہوگا۔"

پھر وہ سامان کے بکسوں کی طرف بڑھی اور تلاش کر کے بلی کی خوراک کا ڈبہ نکالا اور اسے جان کو تھماتے ہوئے بولی۔ "ٹنی نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔ یہ ڈبہ کھول کر برتن میں ڈال دو۔ وہ جہاں بھی ہوگی خود بخود کھانے کے لئے آجائے گی۔"

جان ڈبہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا جبکہ میری ننھے جیک کو دلاسہ دے رہی تھی۔

دوسرے دن صبح جب میری کپڑے دھونے کی تیاری کر رہی تھی تو اس نے دیکھا کہ بلی کا کھانا برتن میں جوں کا توں پڑا ہوا ہے، اسے کسی نے چھوا تک نہیں۔ مگر دوپہر تک وہ پھر بھی پریشان نہیں ہوئی مگر جب سہ پہر کو بھی یہی صورتحال رہی تو وہ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

"کہیں ٹنی..... گھر سے باہر تو نہیں نکل گئی۔"

میری نے جان کو اپنے خدشے سے آگاہ کیا۔

"کیا وہ ابھی تک غائب ہے.....؟" جان نے پوچھا۔

"تم یوں کرو..... اپنے پرانے گھر چلے جاؤ اور وہاں دیکھو، بعض اوقات بلیاں اپنے گھر واپس چلی جاتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم نہیں وہ کیسے گھر سے باہر نکل گئی۔" تھوڑی دیر بعد جان واپس آیا تو میری اسے متوقع نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"وہ وہاں نہیں ہے....." جان نے اطلاع دی۔

"مجھے میری بلی چاہیے....." ننھا جیک مچل اٹھا۔

میری نے جیک کو گود میں اٹھالیا اور صوفے پر بیٹھ گئی اور اسے دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے پورا یقین تھا کہ رات ہونے سے پہلے بلی گھر واپس آجائے گی۔

دوسرے دن جیک کو اسکول چھوڑنے کے بعد میری اپنی بلی ٹفنی کی تصویر والے بہت سے پوسٹر اٹھائے باہر بازار کی طرف نکل گئی۔ اس پوسٹر پر بلی کی تصویر اور تفصیلات کے ساتھ ساتھ اس کی اطلاع دینے کے لئے پچاس ڈالر کے انعام کا اعلان بھی تھا۔ گلی محلے کے پول پہلے ہی بے شمار قسم کے اشتہارات اور پوسٹر سے بھرے پڑے تھے۔ کہیں لوکل راک بینڈ کا اشتہار تھا تو کسی پر گھروں کو بہترین طریقے سے رنگنے اور صاف کرنے کی اپنی مہارت کا اعلان تھا۔ گمشدہ لوگوں اور انعامات کا اعلان۔ لامحالہ اب ٹفنی کا پوسٹر لگانے کا مطلب تھا کسی ایک کی حق تلفی کی جاتی، کیونکہ نیا پوسٹر کسی کے اوپر ہی لگ سکتا تھا۔ لہٰذا قالین صاف کرنے والوں کی باری ختم ہوگئی۔

تھوڑی دور آگے جا کر میری نے ریسٹورنٹ اور کریانہ کی دکانوں کے دروازوں پر بھی پوسٹر چپکا دیئے۔ ایک بوڑھی خاتون جو بجلی سے چلنے والی وہیل چیئر پر سوار تھی اس کے قریب آگئی اور پوسٹر کو پڑھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ اٹکا ہوا تھا۔ اس بڑھیا کی نظریں ٹفنی کے پوسٹر سے پھسلتی ہوئی میری پر آن رکیں۔

"تمہاری بلی ہے.....؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں....." میری نے مختصر جواب دیا۔

جب میری پوسٹر چپکا کر مڑی تو اس نے دیکھا کہ بڑھیا کی ناک کے نیچے ایک ٹیوب لگی ہوئی تھی اور وہیل چیئر کے پیچھے آکسیجن کا ایک سلنڈر بھی پڑا ہوا تھا۔ "کیا یہ آکسیجن محفوظ ہے....." میری نے پوچھا۔

بڑھیا کھلکھلا اٹھی۔ "میری عمر نوے سال ہے اور اس عمر میں کچھ بھی محفوظ نہیں ہوتا۔" پھر اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف پھیلایا اور بولی۔ "میں..... سیڈی میکفیڈن....."

میری نے اس سے ہاتھ ملایا۔ "میرا نام میری گیون ہے۔"

سیڈی کی جلد کاغذ کی طرح پتلی نظر آرہی تھی جس کے نیچے اس کی گہری نیلی رگیں نمایاں ہورہی تھیں۔ سیڈی کی گرفت حیران طور پر سخت تھی۔

"کیا تم لوگ یہاں اس علاقے میں نئے ہو.....؟" سیڈی نے پوچھا۔

"ہاں....."

سیڈی نے گلی کی دوسری طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "کیا تم لوگ وہاں رہتے ہو.....؟"

"ہاں....."

سیڈی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے اس کے ماتھے پر سوچ کی گہری شکنیں ابھر آئیں۔ "کیا تم لوگوں کو اس مکان کے متعلق ساری معلومات دی گئی تھیں.....؟"

"انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ اس مکان کو 1800 عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا پھر ایک عشرہ پہلے اس کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا گیا ہے۔"

"کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ جگہ ایک عرصہ سے ٹوریم کے طور پر بھی استعمال کی جاتی رہی ہے۔" سیڈی کی نگاہیں بدستور میری کے چہرے پر گڑی تھیں۔ "میرا خیال ہے تمہیں اس سے آگاہ نہیں کیا ہوگا اور کرتے بھی کیوں..... تمہارے گھر کی ایک تاریخ ہے جو شاید تمہارے لئے زیادہ خوش کن نہ ہو..... کیا تم اسے سننا پسند کرو گی.....؟"

میری نے ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈالی پھر بغل میں دبے پوسٹر کو دیکھا۔ سیڈی کی نگاہیں بھی پوسٹر پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں ان کو چپکانے میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں، اس طرح ہم راستے میں باتیں بھی کرلیں گے۔" سیڈی نے مشورہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سیڈی اپنی الیکٹرک وہیل چیئر پر میری کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ سیڈی خود تو پوسٹرز نہیں چپکا سکتی تھی لیکن وہ مشورے دینے لگی کہ پوسٹرز کو کہاں اور کیسے لگانا چاہیے۔

"میری پوری زندگی اس علاقے میں گزری ہے۔" سیڈی نے آس پاس کے علاقے کو دیکھتے ہوئے کہا..... "کافی عرصہ پہلے تمہارا گھر ایک سینی ٹوریم تھا اور اس سے پہلے یہ ایک لانڈری تھا۔ لانڈری ختم ہونے کے بعد پانچ سال تک یہ عمارت خالی پڑی رہی پھر "وکی برادرز" نے اس کو سستے داموں خریدا اور اس میں سینی ٹوریم کھول دیا۔ پہلے پہل آس پاس کے لوگوں نے اس کی موجودگی پر اعتراض کیا مگر جب انہیں کوئی مسئلہ نہ ہوا تو وہ خاموش ہوگئے۔ مگر پولیس نے پچاس کی دہائی میں اس سینی ٹوریم کو بند کردیا تھا۔

پولیس کا کہنا تھا کہ وکی برادرز اس سینی ٹوریم میں داخل مریضوں کے سوشل سیکورٹی کے چیک اور ان کی رقم ہضم کررہے تھے، جو، ان مریضوں کو حکومت کی طرف سے ملتے تھے۔ جب کوئی مریض مرتا وہ لوگ اس کی اطلاع حکومت کو نہ دیتے اور اس کو زندہ ظاہر کرکے اس کے چیک حکومت سے حاصل کرتے رہتے۔ جب کہ اس مریض کے مرنے سے کسی نئے مریض کے بیڈ کی جگہ بھی بن جاتی۔ وکی برادرز لالچی ہوچکے تھے۔ یہ بھید اس وقت کھلا جب حکومت کے ایک نمائندے کو ریکارڈ سے علم ہوا کہ ایک مریض کی عمر 108 برس ہوچکی ہے اور وہ سینی ٹوریم کے ریکارڈ کے مطابق زندہ ہے۔ اس نمائندے نے خوشی خوشی اس علاقے کے طویل العمر زندہ انسان کی اطلاع دارالحکومت کو دے دی۔ بس پھر سارا پنڈورا بکس کھل گیا۔"

سیڈی ایک پل کے قریب رک گئی اور بولی۔ "ایک پوسٹر اس پر بھی چپکا دو....." پوسٹر چپکانے کے بعد جونہی وہ لوگ آگے بڑھے سیڈی نے ہی اپنی کہانی شروع کردی۔

"تحقیقات شروع ہوئیں مگر سینی ٹوریم میں اس نام اور عمر کا کوئی بندہ نہ مل سکا۔ وکی برادرز ایک مردہ شخص کو زندہ ظاہر کرکے اس کے نام پر حکومت سے رقم وصول کررہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایسے کئی اور لوگ بھی تھے جو درحقیقت مرچکے تھے مگر سینی ٹوریم کے کاغذات میں زندہ تھے۔ مگر پولیس کو ایک بھی لاش یا ان کا کوئی نشان نہ ملا..... پھر وہ سب کہاں گئے؟..... پولیس نے یہ سوال کئی بار وکی برادرز سے پوچھا مگر وہ صاف مکر گئے۔ وہ کہتے۔ "یہ لوگ مرے نہیں..... بلکہ غائب ہوگئے ہیں..... کہاں.....؟ یہ وہ نہیں جانتے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا.....؟" مگر ظاہر ہے لوگوں نے ان کی کسی بات کا یقین نہیں کیا۔ جیوری بھی ان کے ساتھ متفق نہیں تھی لہٰذا ان کو سزا ہوگئی۔

اس کے بعد چالیس سال تک یہ عمارت خالی پڑی رہی۔ بچے اس کے اندر گھس جاتے۔ کچھ نوجوان جوڑے بھی دنیا کی نگاہوں سے چھپنے کے لئے اس کے اندر چلے جاتے..... اور ان میں سے بھی چند ایک بچے اور نوجوان غائب ہوگئے۔ پھر 1995 یا 1996ء میں ایک ہم جنس پرست جوڑا یہاں آ گیا اور انہوں نے یہ عمارت خرید کر اس کی تزئین و آرائش شروع کردی۔ وہ گلوکار تھے۔ ان کے یہاں منتقل ہونے کے بعد اس عمارت سے راتوں کو موسیقی کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ ان لڑکوں میں سے ایک روفی..... سنو میں نے لڑکا کہا ہے حالانکہ اس کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

بہرحال..... روفی عموماً مجھ سے گفتگو کرلیا کرتا تھا کیونکہ بقول اس کے میں اس کی ماں سے مشابہت رکھتی تھی۔" سیڈی نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور راکھ جھاڑتے ہوئے پھر بولی۔ "وہ کہتا تھا ہم جنس پرست زیادہ حساس ہوتے ہیں مگر میں ایسا نہیں سمجھتی۔ اس کی ماں مرچکی تھی اور میں اس جیسا نہیں ہونا چاہتی تھی۔" سیڈی نے شرارت بھرے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"اور..... ہاں روفی کہتا تھا کہ رات کو لانڈری روم سے آوازیں آتی ہیں۔ ایک رات اس کا دوست چیک کرنے کے لئے نیچے لانڈری روم میں گیا اور پھر غائب ہوگیا۔ پولیس بھی اس کو تلاش نہیں کرسکی۔

روفی خوفزدہ اور پریشان تھا..... وہ بھی ایک دن

گھر چھوڑ کر چلا گیا، شاید نیویارک..... اس دن کے بعد سے آج تک یہاں جو بھی آیا ایک سال سے زائد عرصہ نہیں رہا۔ کئی جوڑے آئے اور گئے مگر سارے واپس نہیں گئے۔ کئی ایک گم ہوگئے بعض اوقات صرف ان کے پالتو جانور گم ہوئے..... مگر یہ مکان برائے فروخت رہا۔"

میری کو اندازہ ہوا کہ وہ چلتے چلتے رک گئی ہے اور اپنی جگہ منجمد ہوچکی ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پوسٹرز کی طرف دیکھا۔ اب وہ اس کو زیادہ اہم معلوم نہیں ہورہے تھے۔ سیڈی کی نگاہیں بدستور اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"میرا خیال ہے میں نے تم کو کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے..... ہے نا....." سیڈی نے سرگوشی نما آواز میں پوچھا۔

میری زبردستی مسکرائی اور پھر مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا..... "نہیں..... نہیں..... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میرا خیال ہے ہم اس موضوع پر دوبارہ بات کریں گے۔"

میری مڑی اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ وہ کوشش کررہی تھی کہ اس کے قدموں کی رفتار تیز نہ ہونے پائے..... وہ اپنے آپ کو پریشان محسوس کررہی تھی۔ بوڑھی عورت نے یقیناً مبالغہ آمیزی سے کام لیا تھا۔

گھر کے اندر آ کر میری نے پوسٹرز ایک طرف ڈال دیئے اور خود کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ سیڈی جاچکی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میری نے سوچا کہ جان کو فون کرکے بلالے اور ساری بات بتا دے پھر اس نے سوچا ایک بوڑھی خبطی خاتون کی کہانی کو سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔

اس دوپہر کو جب میری جیک کو اسکول سے گھر واپس لے کر آئی تو میز پر پڑے پوسٹر دیکھ کر ننھے جیک کو دوبارہ اپنی بلی یاد آ گئی۔

"یہ دیکھو....." میری نے اس کو ایک پوسٹر دکھاتے ہوئے کہا جسے دیکھ کر جیک سر ہلانے لگا۔ "ہم نے ٹفی کو تلاش کرنے والے کے لئے انعام کا اعلان بھی کیا ہے اب وہ ضرور اور جلد ہی مل جائے گی۔" جیک مطمئن ہوکر اپنے کھلونوں سے کھیلنے لگا۔

"بلی کی کوئی خبر ملی.....؟" جان نے گھر واپس آتے ہی پوچھا۔

"نہیں....." میری بولی۔ "..... مگر آج میں ایک عجیب بڑھیا سے ملی جو ہمارے گھر..... میرا مطلب ہے اس مکان کے متعلق کچھ زیادہ ہی جانتی تھی۔" اس کے بعد میری نے اس کو وہ ساری بات سنا دی جو اس نے سیڈی سے سنی تھی۔ جان چپ چاپ سنتا رہا۔

"کون جانے اس میں کتنا سچ ہے....." ساری بات سننے کے بعد وہ میری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تھوڑا سچ..... کچھ اندازے..... کچھ افواہیں..... کچھ توہم پرستی..... ہمیں اس کے متعلق زیادہ پریشان ہونا اور سوچنا نہیں چاہیے۔ میں خود وقت نکال کر اس بڑھیا سے مل لوں گا اور ساری حقیقت جاننے کی کوشش کروں گا۔"

رات کے کھانے کے بعد برتن دھونے اور بستر پر جانے تک بڑھیا کی باتیں میری کے دماغ میں گونجتی رہیں۔ بستر پر لیٹ کر وہ چھت کو گھورنے لگی، اس کی کوشش تھی کہ اس کے ذہن سے یہ سب باتیں محو ہوجائیں مگر اس کو کامیابی نہیں ہو پارہی تھی۔ سیڈی کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ کیا سیڈی نے جو کچھ کہا وہ سب سچ ہے.....؟"

جلد ہی اس کو اپنے خاوند کے خراٹوں کا شور سنائی دینے لگا۔ وہ مطمئن تھا کیونکہ اس نے اس مسئلہ کا حل نکال لیا تھا..... ایک نئی بلی..... ٹفی کو تو اب تلاش کرنا مشکل تھا۔ سیڈی کا بلینا، اور بلی کا کھونا..... ان میں کچھ مشترک نہ تھا۔ میری کی پلکیں بھی بوجھل ہونے لگیں اور وہ نیند کی وادیوں میں اترنے لگی۔

جیک اپنے باپ کے خراٹوں کی آواز سے جاگ اٹھا، مگر اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اسے کسی اور چیز نے بیدار کیا ہو۔ وہ بستر سے نکلا اور باتھ روم کی طرف چل پڑا۔ فارغ ہوکر جونہی وہ باہر آیا اس کو دور سے بلی کی ہلکی سی میاؤں سنائی دی، آواز نیچے لانڈری روم کے دروازے سے آرہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لانڈری روم میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ اس کی بلی ٹٹی ڈرائیر کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک جھٹکے سے ڈرائیر کا گول دروازہ خود بخود کھل گیا اور ٹٹی اچھل کر اندر گھس گئی۔

ننھے جیک نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کو پچکارا مگر وہ اس کے قریب نہ آئی، حالانکہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ جب بھی جیک اس کو پچکارتا وہ اس کی طرف بھاگی چلی آتی۔ وہ اپنے بازو پھیلائے اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ جتنا وہ آگے جاتا اتنا ہی ٹٹی پیچھے ہٹتی جاتی۔ وہ ڈرائیر کے اندر دور تک چلی گئی۔ جیک بھی ڈرائیر کے اندر لٹک گیا اور بازو بڑھا کر ٹٹی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ اب بھی اس کی پہنچ سے دور تھی۔ جیک رینگ کر ڈرائیر کے اندر داخل ہوگیا۔ جونہی وہ اندر گھسا عقب میں ڈرائیر کا دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہوگیا اور اس کا ڈرم گھومنا شروع ہوگیا۔ گھومتا ڈرائیر جیک کو اور اندر کھینچنے لگا۔ ٹٹی یکلخت کہیں غائب ہوچکی تھی۔ جیک چیخنے لگا مگر اس کی چیخوں کی آواز ڈرائیر کے گھومنے کی آواز میں گم ہورہی تھی۔

☆.....☆.....☆

میری سنک پر کھڑی گوشت کاٹ رہی تھی اور پورے کچن میں کافی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ جان پاس ہی بیٹھا اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑا رہا تھا۔

"اچھی خوشبو ہے..... کیا پک رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فروٹ ٹوسٹ..... کافی کے ساتھ....." میری نے جواب دیا پھر پوچھنے لگی۔ "کیا جیک اٹھ گیا؟..... وہ اسکول سے لیٹ ہورہا ہے۔"

جان اخبار میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے اس کو صبح سے نہیں دیکھا۔"

میری نے اپنا سر اٹھایا اور بلند آواز میں جیک کو پکارا۔ "جیک بیٹا..... جلدی سے اٹھ جاؤ..... اسکول کے لئے دیر ہورہی ہے....."

میری نے ٹوسٹ پر مکھن لگا کر جان کے سامنے رکھا اور پھر کافی کے مگ میں کافی انڈیلتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ لڑکا آخر کیوں نہیں اٹھ رہا یہ کیا کررہا ہے....."

جان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میری کو غصہ آنے لگا وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن سے نکلی اور جیک کے کمرے کی طرف بڑھی، جیک کے کمرے کا دروازہ کھلا پڑا تھا اور بستر بالکل خالی تھا۔

"جیک.....! کہاں ہو تم..... مجھے تم پر غصہ آرہا ہے۔" وہ چلائی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ میری مختلف کمروں میں اسے تلاش کرنے لگی، وہ لانڈری روم میں بھی گئی کہ شاید اسے تنگ کرنے کے لئے وہ وہاں چھپا ہو۔ بیرونی دروازہ بھی چیک کیا مگر وہ بھی درست طریقے سے بند تھا۔

"مجھے جیک کہیں نہیں ملا....." اس نے جان کو بتایا تو جان نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اخبار تہہ کیا اور میز پر رکھ دیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو وہ گیٹ پھلانگ کر باہر جاسکتا ہے.....؟" میری نے جان سے پوچھا۔

"شاید نہیں....." جان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "میں اوپر والی منزل دیکھتا ہوں تم نچلی منزل پر دیکھو، ہوسکتا ہے وہ کسی الماری میں چھپ گیا ہو۔"

جیک کو تلاش کرنے کے دوران میں وہ بالائی منزل پر جان کے چلنے پھرنے کی آواز سنتی رہی مگر اس وقت اس کی امید ٹوٹ گئی جب جان تنہا واپس نیچے آیا اور مایوسی کے عالم میں سر ہلا دیا۔ "وہ وہاں نہیں ہے....." اس نے اطلاع دی۔

میری روہانسی ہوگئی۔ "..... ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیے....." اس نے تجویز دی تو جان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

لال بتیاں گھماتی ایک پولیس کار ان کے گھر کے سامنے آن رکی۔ اس میں سے دو پولیس آفیسر نکلے۔ میری نے ان کے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آئے تو میری اور جان ان کو جیک کی گمشدگی کے متعلق تفصیل سے بتانے لگے۔ ان میں سے سنیئر پولیس آفیسر کا نام گومز تھا وہی زیادہ سوالات کررہا تھا اس کا قد لمبا، جسم چوڑا اور چہرہ

جذبات سے عاری تھا۔ وہ اپنی بھوری آنکھوں سے میری کو پوری طرح گھور رہا تھا جو اسے ایک ایک تفصیل بتا رہی تھی۔ دوسرے افسر کا نام ویٹل تھا جو ان کے سوال و جواب کو ایک ڈائری میں نوٹ کررہا تھا۔

"تمہارے بیٹے کا کمرہ کون سا ہے.....؟" گومز نے سوال کیا تو میری ان کو جیک کے کمرے تک لے گئی۔ "ہم اس کی تلاشی لینا چاہیں گے....." گومز نے کہا تو میری نے کوئی اعتراض نہ کیا اور دروازے سے ہٹ کر ان کو راستہ دے دیا۔ گومز نے ویٹل کو سر کی ہلکی سے جنبش سے اشارہ کیا تو چپ چاپ گھر کے باقی مختلف کمروں کو دیکھنے لگا۔ گومز نے خود جیک کے کمرے کی کھڑکیاں، الماریاں اور بیڈ کے نیچے دیکھ لیا۔ جان اور میری کمرے کے باہر کھڑے ان کے منتظر تھے۔ وہ نتیجہ پہلے سے جانتے تھے مگر ان کے اندر امید کی ایک ہلکی سی کرن ابھی روشن تھی۔

دونوں پولیس آفیسر تھوڑی دیر بعد واپس آگئے۔ "کیا آپ لوگوں نے رات کو سونے سے پہلے تمام کھڑکی دروازے اچھی طرح بند کئے تھے....." گومز نے پوچھا۔

میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "چٹخنیاں چڑھا دیں تھیں، تالے بھی لگا دیے تھے جو صبح اٹھ کر میں نے خود کھولے۔"

"کیا تمہارے پاس تمہارے بیٹے کی کوئی حالیہ تصویر ہے.....؟" گومز نے پوچھا۔

"سامان میں کہیں ہوگی....." میری نے سوچتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے دیوار کے ساتھ رکھے سامان کے کچھ بکسوں کو ادھر ادھر کھسکایا۔ "ہم چند دن پہلے ہی اس گھر میں منتقل ہوئے ہیں اور ابھی سارا سامان کھولنے کا موقع نہیں ملا۔" اس دوران میں اس نے ایک البم کھوج نکالی اس میں سے جیک کی ایک تصویر نکال کر گومز کو تھما دی۔

"اگر ہم اس کو اپنے ساتھ لے جائیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ ہم اس کی مدد سے اپنی تلاش بہتر انداز میں کرسکیں گے۔"

"نہیں..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ اسے لے جاسکتے ہیں۔" میری نے جواب دیا۔

"کیا آپ کے بیٹے کا کوئی شناختی نشان، کوئی علامت ہے تو بتا دیں۔"

میری نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ جان پر ڈالی اور پھر گومز کو بتانے لگی۔ "اس کی داہنی کلائی پر جلنے کا نشان ہے۔"

"یہ کیسے....." گومز نے استفسار کیا۔

"پچھلے سال جب میں کھانا بنا رہی تھی تو اس نے گرم برتن کو ہاتھ لگا دیا تھا۔"

گومز نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

"اب ہم کیا کریں.....؟" میری نے پوچھا۔

"آپ انتظار کرو....." گومز نے کہا۔

"انتظار....." میری گھبرا گئی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ مگر اس نے ان پر اس وقت تک قابو رکھا جب تک پولیس والے بیرونی دروازے سے باہر نہیں نکل گئے۔ جان اسے دلاسہ دینے کی کوشش کرتا رہا مگر بے سود..... وہ پلٹ کر بھاگی اور جیک کے کمرے میں جا کر اس کے بیڈ پر گر گئی۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی اور بستر میں ننھے جیک کی جسم کی خوشبو کو محسوس کررہی تھی۔

دن دو بجے بیرونی دروازے کے گھنٹی پھر بج اٹھی۔ جان دروازے تک پہنچا۔ میری کچن کی میز پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں اور سر بھی دکھ رہا تھا، وہ مضمحل تھی۔ دو آدمی جان کے ساتھ کچن میں آگئے وہ پولیس کی وردی میں نہیں تھے مگر پولیس کے بیچ ان کے لباس پر موجود تھے۔ ایک لمبا اور سفید فام تھا جب کہ دوسرا ناٹے قد کا سیاہ فام تھا۔ ان پر نظر پڑتے ہی میری نے سوال کردیا۔

"کیا..... میرا بیٹا مل گیا....."

"ابھی نہیں محترمہ....." ناٹے قد والا بولا اور اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں سراغ رساں جیکسن ہوں..... اور یہ میرے ساتھ سراغ رساں مینڈل ہے۔ ہم آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئی اور ان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مینڈل نے ایک نظر اپنے ساتھی پر ڈالی اور پھر دونوں سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہم جانتے ہیں یہ آپ کے لئے مشکل وقت ہے....." جیکسن بولا..... "لیکن ہم آپ کی ہر ممکن مدد کی کوشش کریں گے۔ آپ کو کب احساس ہوا کہ آپ کا بیٹا کھو گیا ہے.....؟"

"صبح..... تقریباً ساڑھے سات بجے....." میری نے اسے بتایا۔

"اور آپ نے رات کو آخری بار اسے کب دیکھا تھا؟"

میری جان کی طرف مڑی اس کے چہرے پر گومگو کے تاثرات تھے۔ "ہم صبح ہی ان سوالات کے جوابات دے چکے ہیں کیا آپ لوگ ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے۔" جیکسن نے ایک گہری نگاہ اس کی طرف ڈالی۔

"میم.....! بعض اوقات جب ہم ایک سوال کئی دفعہ اور کئی زاویے سے دہراتے ہیں تو لوگوں کو کچھ نیا یاد آجاتا ہے اور ہمیں بھی موقع مل جاتا ہے اپنی معلومات کی تصدیق کا اس لئے ہم ایسا کرتے ہیں۔"

میری میز پر آگے جھکتی ہوئی بولی۔ "آخری دفعہ میں نے اسے دیکھا تو رات کے نو بجے تھے۔" جیکسن نے سر ہلا دیا۔ جیکسن نے کئی اور سوالات بھی کئے جبکہ اس کا ساتھی اس سارے عمل کے دوران میں خاموش سنتا رہا اور لکھتا رہا۔ جیسا صبح پولیس والوں نے کیا تھا۔

"کیا..... آپ دونوں لائٹ جلا کر سونے کے عادی ہیں....." جیکسن نے پوچھا۔

"میں نہیں..... لیکن جان ہے....."

"کیا آپ نے رات کو کوئی آواز سنی یا کسی وجہ سے اپنے بیٹے کے بیڈروم میں آئیں....." جیکسن نے میری سے پوچھا۔

"نہیں....." میری نے جواب دیا۔

"اور آپ جناب....." اب جیکسن نے جان سے پوچھا۔

جان نے بھی اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔ "میں سونے کے لئے لیٹ جاؤں تو پھر صبح سات بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھلتی۔"

"یہ درست کہہ رہے ہیں میم.....؟"

"ہاں.....! اگر یہ رات کو کبھی بیڈ سے اٹھتے ہیں تو مجھے علم ہو جاتا ہے۔"

جیکسن رکا..... اس کی نظریں بار بار میری اور جان پر گھوم رہی تھیں۔ میری کو محسوس ہوا کہ اس کے ذہن میں کچھ کشمکش چل رہی ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی وہ خود ہی بول اٹھا۔

"کیا..... آپ دونوں میں سے کسی ایک نے صبح کو بیرونی دروازے یا کھڑکی کو کھلا پایا.....؟"

میری نے جان کی طرف دیکھا وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "نہیں.....!"

میری بولی۔ "رات کو بستر پر جانے سے پہلے میں نے سارے کھڑکی دروازے مقفل کئے تھے اور صبح جب ہم نے پولیس کو اطلاع دی اور وہ آئے اس وقت تک ہر چیز ویسے ہی مقفل تھی۔"

جیکسن نے ایک گہری سانس لی اور کرسی پر ٹیک لگا لی۔ "بس یہیں پر سارا مسئلہ ہے۔ وہ مسلسل میری کو گھور رہا تھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص گھر کے اندر داخل ہو اور آپ کے بیٹے کو اغوا کر کے لے جائے، اور دروازے کھڑکی دوبارہ اس کے بعد مقفل ہو جائیں۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

جان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔ "آفیسر..... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو.....؟"

"میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا..... بس سارے معاملے کی کڑیاں آپس میں جوڑ نہیں پا رہا..... کوئی ہے جو تمہارے بیٹے کو رات کے وقت گھر کے اندر سے لے گیا۔ مجھے لگتا ہے آپ لوگوں نے مجھے ساری بات نہیں بتائی۔ کچھ چھپا لیا ہے، شاید ہم دوبارہ سے ساری بات دہرائیں تو مجھے کھوئی کڑیاں مل جائیں۔"

"کھوئی کڑیاں.....؟" میری نے زور سے اپنا ہاتھ میز پر مارا تو دونوں سراغ رساں چونک گئے۔ "کون سی کھوئی کڑیاں..... ہم نے آپ لوگوں کو ساری بات بتا دی ہے۔ ہمارا بیٹا گم ہوا ہے اور بجائے اسے ڈھونڈنے کے آپ لوگ ہمیں تنگ کر رہے ہیں، ہم پر ہی شک کر رہے ہیں، ہمیں الزام دے رہے ہیں..... نکل جاؤ یہاں سے....." میری کو غصہ آ گیا۔ اس نے جان کا ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کیا جسے اس نے زور سے جھٹک دیا اور اپنے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلائی..... "دفع ہو جاؤ یہاں سے....."

سراغ رساں جیکسن نے اپنا بھاری بھرکم وجود کرسی پر سے اٹھایا اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ "میرا خیال ہے بات چیت سے معاملہ صاف ہو سکتا ہے..... میں آپ لوگوں سے دوبارہ ملوں گا۔"

جان ان لوگوں کو بیرونی دروازہ تک لے گیا اور الوداع کہہ دیا۔ جب وہ مڑا تو اس کے چہرے پر کچھ اجنبیت نظر آئی جس نے میری کو خوفزدہ کر دیا۔ جان کے چہرے پر شک کے سائے تھے۔

"میری.....! رات کو کیا ہوا تھا؟" جان نے اجنبی لہجے میں پوچھا۔

میری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ "تم بھی ایسا ہی سوچ رہے ہو جان.....!" وہ بلک پڑی۔ اس کے اعصاب مضمحل ہو رہے تھے۔ وہ زور زور سے چیخ کر رونا چاہ رہی تھی۔ "میں نہیں جانتی کہ کیا ہوا لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ دنیا میں کوئی ماں باپ اپنے بچوں کو تکلیف نہیں دے سکتے۔"

"لیکن یہ تالے..... ان کی وضاحت تم کیسے کرو گی؟"

"تم جانتے ہو..... تم کیا کہہ رہے ہو....." میری کی آنکھوں میں بے یقینی اتر آئی اور وہ جان کو ایک طرف دھکیلتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

"تم اب کہاں جا رہی ہو.....؟" جان نے اسے پکارا۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو..... میں تم سے یا کسی سے بھی بات نہیں کر سکتی۔"

وہ دوڑتی ہوئی جیک کے بیڈروم میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کا بیٹا..... جیک کا ٹیڈی بیئر اس کے بستر کے سرہانے پڑا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ٹیڈی بیئر کو اٹھایا اور اس کو بازوؤں میں بھر لیا۔ باہر دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ جان باہر چلا گیا تھا۔ وہ سسکتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی، اس کو تکیے سے ننھے جیک کے جسم کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پر جیک کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں اور باتوں کی فلم چلنے لگی۔ یادوں میں کھو کر جانے کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ بھیگی آنکھوں میں جیک کو بسائے سو گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو باہر رات اتر چکی تھی۔ کمرے میں بھی اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس کو احساس ہوا کہ وہ جیک کے ٹیڈی بیئر کو سینے سے لگائے لیٹی ہے تو اس کو دھیرے دھیرے سب یاد آ گیا وہ اٹھی اور بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

مقفل دروازے..... جیکسن سراغ رساں اس کے اور جان کے متعلق غلط سوچ رہے تھے۔ وہ کیسے اپنے جیک کو نقصان پہنچا سکتے تھے، مگر وہ ایک لحاظ سے درست بھی تھا۔ بظاہر ناممکن نظر آتا تھا کہ کوئی بند دروازے سے اندر آئے اور ان کے بیٹے کو اٹھا کر لے جائے اور دروازے بھی اسی طرح مقفل رہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ سمجھ نہیں آتا۔

اس کو ہال سے کسی کے پکارنے کی ہلکی اور نقاہت بھری آواز سنائی دی۔ وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازہ کھول کر باہر نکلی، کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد آواز دوبارہ ابھری۔ "ممی.....!" یہ ننھے جیک کی آواز تھی۔

"بیٹا..... تم کہاں ہو.....؟" وہ بے تاب ہو کر چلائی۔

"میری مدد کرو ممی.....!" جیک کی آواز میں کرب تھا، التجا تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا وہ کہیں چھپ گیا تھا اور پھر وہیں پھنس گیا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر سے اسے پکار رہا تھا اس سے مدد مانگ رہا تھا۔

"میری مدد کرو ممی..... مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"کیا ہوا بیٹا.....؟"

"مدد کرو ممی..... مدد....." وہ دوبارہ چلایا۔

"ممی آ رہی ہے بیٹا....." وہ چلاتی ہوئی گرتی پڑتی آواز کی سمت بھاگی۔ "جیک..... میں آ رہی ہوں۔"

میری نے اندازہ کیا کہ آواز لانڈری روم کی طرف سے آ رہی ہے۔ وہ اس طرف بھاگی اور روشنیاں جلا دیں۔ ہر طرف اجالا ہو گیا، لانڈری روم بالکل خالی تھا۔

"جیک.....! کہاں ہو تم؟" وہ چلائی۔

"ممی..... مدد کرو....." اس بار جیک کی آواز ڈرائیر کے اندر سے ابھری۔ میری فوراً نیچے جھکی اور ڈرائیر کے اندر جھانکنے لگی، ڈرائیر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے وہ کسی گٹر کے مین ہول کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اندر جیک اپنے بازو پھیلائے ماں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔

"ممی مجھے بچا لو....." وہ پیچھے کی طرف کھسک رہا تھا لگتا تھا کہ کوئی طاقت جیک کو پیچھے کی طرف کھینچ رہی تھی۔

میری ڈرائیر کے اندر لٹک گئی اور جیک کو کلائی سے پکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا بیٹا کسی بھنور میں پھنس رہا ہو۔ "جیک.....! مجھے اپنا ہاتھ دو....." میری نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو جیک نے اسے پکڑ لیا۔ بھنور کا زور بڑھ گیا۔ جیک کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اس کی خوفزدہ آنکھیں پھیلنے لگیں اور ننھا سا منہ کسی شارک مچھلی کے تیز دانتوں والے جبڑے میں بدلنے لگا۔ یہ تو اس کا بیٹا نہیں تھا۔ میری نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر اس عفریت کی گرفت بہت سخت تھی، اس نے ایک جھٹکا دیا اور میری کے پاؤں فرش سے اکھڑ گئے اور وہ ڈرائیر کے اندر کھنچتی چلی گئی۔ بھنور اس کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ پیچھے ڈرائیر کا دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔ لانڈری روم میں دوبارہ خاموشی اور سکون چھا گیا۔

☆.....☆.....☆

سیڈی میکفیڈن اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی کہ میری کے گھر کے باہر نیلی پیلی بتیوں والی پولیس کار آ کر رکی اور کچھ دیر بعد سادہ لباس میں سراغ رساں بھی آ گئے۔ سیڈی اخبارات میں میری کے بیٹے کی گمشدگی کی خبر پڑھ چکی تھی۔

دوسرے دن اسی اخبار میں گمشدگی کا اشتہار میری کی تصویر کے ساتھ بھی تھا۔ وہ بھی گم ہو چکی تھی۔ پولیس کا خیال تھا کہ اپنے بیٹے کی گمشدگی میں اسی کا ہاتھ تھا۔ پولیس کے سوالات سے گھبرا کر وہ کہیں چھپ گئی ہے۔ مگر سیڈی کو اس کا یقین نہیں تھا۔

اب اس کا غائب ہونا بہت عجیب تھا۔ پولیس کو اس کا بیگ کچن میں کرسی کے ساتھ لٹکا ہوا ملا۔ اس کی ساری رقم، شناختی کارڈ اور کریڈٹ کارڈ بھی اسی میں تھا۔ کچھ بھی کم نہیں تھا اگر وہ گھر سے بھاگی تھی اس کے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا..... اصل مجرم یہ مکان تھا اور یہ بات صرف سیڈی جانتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کوئی اور اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔

ہفتے بھر بعد لوڈر گاڑی آئی۔ جان نے گھر کا سارا سامان لوڈ کیا اور وہ چلا گیا۔ یقیناً یہ اس کے لئے بہت مشکل تھا اس کے لئے یہ یقین کرنا بھی مشکل تھا کہ وہ عورت جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا اس کے اور اپنے بیٹے کو مار کر کہیں چھپ سکتی تھی۔ یقیناً نہیں..... وہ یقیناً گھر اور مکان کے متعلق بھی نہیں جانتا تھا سیڈی اس کو بتانا چاہتی تھی، وضاحت کرنا چاہتی تھی، مگر وہ کچھ سنے بغیر ہی چلا گیا۔

جان کے جانے کے چند دن بعد مکان پر پھر "برائے فروخت" کا بورڈ لگ گیا۔ قیمت حسب معمول کم تھی۔ رئیل اسٹیٹ ایجنٹ اپنے چمکدار سرخ کاروباری لباس میں اپنے انداز دلربائی سے خریداروں کو گھر کا معائنہ کرا رہی تھی اور بتا رہی تھی کہ لانڈری روم میں پڑی واشنگ مشین اور اس کے ساتھ یہ بہت بڑا ڈرائیر ان کو گھر کے ساتھ بالکل فری ملے گا۔

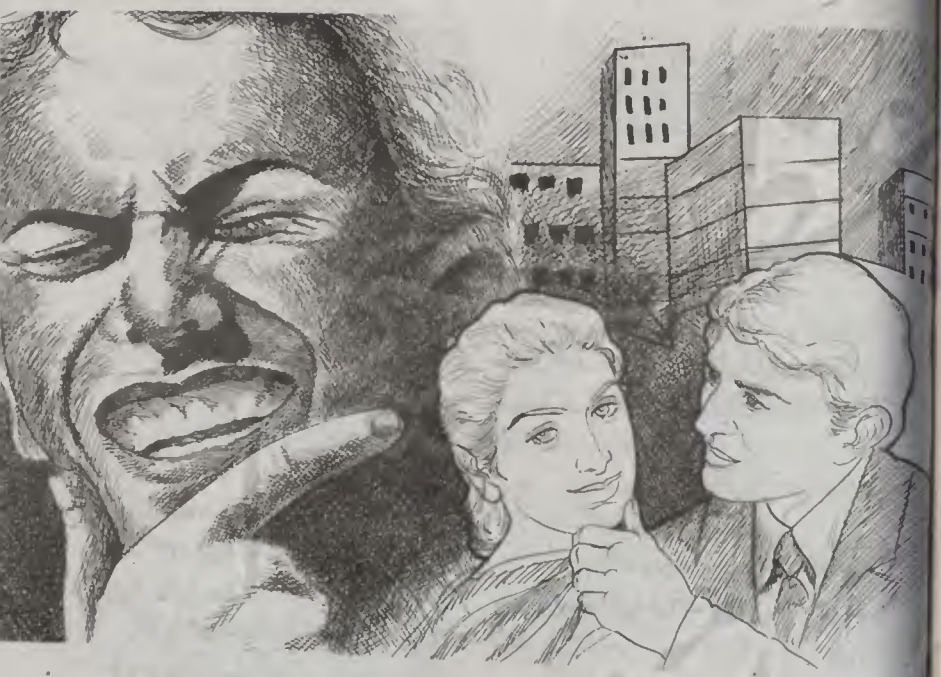

پراسرار رات

شہاب شیخ

تیز رفتار کار کے سامنے اچانک ایک پرتحیر اور حیرت انگیز منظر رونما ہوا، ایک شخص مجسم نظر آیا اور کار کے قریب پہنچتے ہی وہ شخص ہوا میں معلق ہو گیا

ویران سنسان اور پر ہول ماحول میں ڈانواں ڈول..... دلگداز اور دلفریب تحریر

رات کا وقت تھا۔ موسم بے حد خوش گوار تھا۔ میں اپنے بنگلے کے لان میں بیٹھا ڈنر کر رہا تھا۔ میرا ملازم سلامو میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔

"سلامو چاچا! آج تو تم نے بہت لذیذ مرغی بنائی ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ مرغی خود لذیذ تھی یا تم نے اسے پکایا لذیذ ہے؟" میں نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

"شاید دونوں ہی باتیں ہوں سرکار!" اس نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"بہت اچھے بھئی بہت اچھے..... یعنی رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔" میں نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔ "وہ ایک پڑھا لکھا آدمی تھا اور ادب سے کافی لگاؤ رکھتا تھا اس لئے میں اس سے اس طرح باتیں کر لیتا تھا۔

وہ مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "چلو بھئی سلامو چاچا! بس اب ہم فوراً روانہ ہوجاتے ہیں۔" میں نے اپنی کلائی پر بندھی ریسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔ "دس بج رہے ہیں، ہم لوگ ساڑھے بارہ ایک بجے تک حیدر آباد پہنچ جائیں گے۔"

"جی! بالکل!" وہ بولا۔

"تم نے ضروری سامان رکھ لیا ہے گاڑی میں؟" میں نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"جی جناب!" اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" تھوڑی دیر بعد روانہ ہوتے ہیں، اس دوران ذرا چیک کرلو کہ کوئی چیز رکھنا بھول تو نہیں گئے ہو۔" میں نے کہا۔

"بہتر ہے جناب!" وہ بولا اور پلٹ کر ذرا دور کھڑی کار کی طرف چلا گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد ہم روانہ ہوگئے اور عام امور پر بات چیت کرنے لگے۔

ہمیں سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا۔ آسمان پر چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ میں نے کار کی کھڑکی کے شیشے نیچے گرا رکھے تھے، میں خوشگوار اور قدرتی ہوا سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ سامنے دور تک نظر آنے والی سڑک تیزی سے کار کے نیچے جارہی تھی۔ اطراف میں میدان اور جنگل تھے۔

اچانک مجھے سڑک کے کنارے ایک حسین و جمیل نوجوان لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اس کے قریب ہی ایک کار کھڑی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی کار میں کوئی خرابی ہوگئی ہے اور وہ مدد کی طلب گار ہے۔

ہماری کار ذرا آگے بڑھی تو اس نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اور میں نے کار اس کے قریب لے جا کر روک دی۔ وہ کھڑکی پر جھک آئی اور مترنم آواز میں بولی۔ "کیا آپ میری مدد کرسکتے ہیں؟"

"جی فرمایئے؟" میں نے کہا۔ "کار میں یقیناً کوئی خرابی ہوگئی ہے؟"

"جی ہاں۔" وہ بولی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" اس نے پریشان کن لہجے میں جواب دیا۔ "آپ ذرا دیکھ لیں۔"

"اوکے..... میں دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور دروازہ کھول کر کار سے اتر آیا۔ پھر میں اس کی کار کی طرف چل پڑا۔ اس نے بھی قدم بڑھا دیئے۔

میں نے اس کی کار کا انجن چیک کیا لیکن چونکہ میں کوئی مکینک نہیں تھا جبکہ انجن میں کوئی پیچیدہ خرابی تھی اس لئے میں سمجھ نہ سکا۔ جتنا کچھ میں جانتا تھا اس کے مطابق تو سب کچھ کیا تھا۔

"معاف کرنا..... مجھے اس کی خرابی سمجھ نہیں آرہی ہے۔" میں نے لڑکی سے کہا۔

"آپ لوگ کہاں تک جارہے ہیں؟ مجھے حیدر آباد جانا ہے کیا آپ وہاں تک جائیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں..... ہم لوگ حیدر آباد ہی جارہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ میں خود جوان تھا اور غیر شادی شدہ تھا، دل میں کسی حسینہ کی تڑپ اٹھتی رہتی تھی لیکن کوئی بھی میرے دل کو بھائی ہی نہیں تھی، اس لڑکی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے یہی میرے خوابوں کی شہزادی ہے۔

"اگر آپ مجھے بھی اپنے ساتھ حیدر آباد لے چلیں تو میں زندگی بھر آپ کی مشکور رہوں گی۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"دیکھیں ایسی باتیں نہ کریں، انسان ہی انسان کے برے وقت میں کام آتا ہے، کل کو مجھ پر بھی برا وقت آسکتا ہے، آپ آیئے میرے ساتھ۔" میں نے اپنی کار کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

اور ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ وہ پچھلی نشست پر تھی۔ میں نے کار چلادی۔

"آپ رات کے وقت اکیلی سفر کررہی تھیں؟" میں نے اس سے کہا۔

"جی نہیں۔" وہ بولی۔

"کیا مطلب؟" میں چونک گیا۔

"میرے ساتھ میرے والدین بھی تھے۔ وہ بس میں چلے گئے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میں کچھ سمجھا نہیں؟" میں نے کہا۔

"دراصل ..... میں اپنے والد کے ساتھ سفر کررہی تھی۔ وہ کچھ غصے کے تیز ہیں۔ ہماری آپس میں کچھ بحث ہوئی تو انہیں غصہ آگیا اور وہ مجھے چھوڑ کر بس میں چلے گئے، میں کار میں روانہ ہوئی لیکن اتفاق سے کار خراب ہوگئی۔" اس نے بتایا۔ اس کی باتیں کچھ مشکوک تھیں۔ کوئی ذی شعور باپ چاہے کتنا ہی غصے میں ہو لیکن اپنی جوان بیٹی کو اس طرح رات کے وقت ویران سفر میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے اس سے یہ بات تو نہیں کہی لیکن وہ میرے شک کی زد پر ضرور آگئی تھی۔ میں نے کہا۔

"یہ تو افسوس ناک بات ہے کہ آپ کے والد آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور پھر آپ کی کار بھی خراب ہوگئی۔"

"اسے قسمت کی ستم ظریفی ہی کہا جاسکتا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بہرحال آپ قسمت کو اچھا بھی کہہ سکتی ہیں کہ آپ کو ہماری کار مل گئی۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"جی ہاں جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" میں نے پوچھا۔

"ناصرہ۔" اس نے بتایا۔

"کراچی میں رہتی ہیں یا حیدر آباد میں؟"

"کراچی میں۔"

"کس علاقے میں؟"

"ڈیفنس میں۔"

"رات میں کیوں سفر کررہے تھے آپ لوگ؟"

"دراصل حیدر آباد میں میری پھوپھی رہتی ہیں۔ ان کے لڑکے کا فون آیا کہ ان کی طبیعت بہت خراب ہے، پاپا اس وقت روانہ ہوگئے۔ وہ شوگر کے مریض بھی ہیں اس لئے میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہوگئی۔" اس نے بتایا۔

"گھر کے دیگر لوگ نہیں چلے آپ کے ساتھ؟" میں نے سوال کیا۔

"اپنے گھر میں ہم دو ہی افراد ہیں۔ میرا کوئی بھائی بہن نہیں ہے، والدہ کا دس سال قبل انتقال ہوچکا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ سن کر افسوس ہوا۔" میں نے کہا۔

وہ خاموش رہی۔

ذرا دیر بعد اس نے کہا۔ "آپ کا کیا نام ہے؟"

"میرا نام ساجد ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟"

"میرا کاروبار ہے۔"

"کسی خاص کام سے حیدر آباد جارہے ہیں؟"

"جی، کاروباری دورہ ہے، کل واپس کراچی چلے جائیں گے۔"

"کیا آپ لوگ بھوتوں چڑیلوں پر یقین رکھتے ہیں؟" اس نے اچانک موضوع بدل دیا جس پر میں چونک گیا اور میرا ذہن ماضی میں سنے ہوئے ان قصوں کی طرف چلا گیا جن میں مختلف انداز میں لوگوں کو بھوت پریت ملتے رہے تھے۔ مجھے ناصرہ پر شک ہوا کہ وہ بھی کہیں خوئی چڑیل وغیرہ تو نہیں ہے لیکن میں نے اس پر اپنا شک ظاہر نہ کرتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتا ہوں۔"

"لیکن آپ کے یقین نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، حقیقت میں ایسی مخلوق کا وجود ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"کہیں تم بھی تو کوئی چڑیل نہیں ہو؟" میں نے دھیرے سے ہنس کر پوچھا۔

"ایسا ہوسکتا ہے۔" وہ پراسرار انداز میں بولی۔

"تو کیا ہم دونوں تمہارے ہاتھوں سے مرنے کے لئے تیار ہوجائیں؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کو میری باتوں سے ڈر نہیں لگ رہا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔
"موت تو ایک نہ ایک دن آنی ہے تو پھر ڈرنے کی کیا بات ہے؟"
وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
کافی دیر گزر گئی وہ کچھ نہ بولی۔ تب میں نے کہا۔ "ناصرہ! کیا بات ہے خاموش کیوں ہو؟"
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
"میں نے گاڑی کے اندر لائٹ آن کی اور تب مجھے وہ بیک ویو مرر میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سوتی ہوئی نظر آئی۔
"یہ تو سوگئی ہے۔" میں نے گردن موڑ کر سلامت چاچا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی جناب!" وہ بولا۔
"ذرا اس کے پیر دیکھو کہیں الٹے تو نہیں ہیں، سنا ہے کہ چڑیلوں کے پیر پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔" میں نے کہا تو اس نے اوپر ہو کر پیچھے سر کرتے ہوئے ناصرہ کے پیروں کا جائزہ لیا اور پھر واپس درست ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "جناب! پیر تو صحیح ہیں۔"
"ہوں....." میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہنکارہ بھرا اور سوچنے لگا کہ آخر یہ پراسرار لڑکی کون ہے؟"
تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ جاگ گئی اور بولی۔
"ذرا آگے جا کر گاڑی روک لینا۔"
"کیوں؟" میں نے فوراً پوچھا۔
"سڑک سے ذرا دور ایک بڑی عمارت ہے جو کہ بہت پرانی ہے، ہوسکتا ہے کہ میرے والد وہاں رک گئے ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"وہ وہاں کیوں رک سکتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔
"دراصل وہ ہماری خاندانی حویلی ہے، میرے والد صاحب کو اس سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت ہے۔ ہم لوگ جب بھی یہاں سے گزرتے ہیں تو وہ ضرور اس حویلی میں کچھ دیر قیام کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔
"ٹھیک ہے، میں گاڑی وہاں لے چلوں گا۔" میں نے کہا۔
"آپ ڈرنا نہیں، وہاں کوئی آسیب نہیں ہے۔" وہ بولی۔
"یہ میں نے کب کہا ہے کہ وہاں آسیب ہوگا۔" میں نے کہا۔
"میں ویسے ہی کہہ رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "اصل میں ایسی جگہوں پر اکثر آسیب ہوتے ہیں ناں۔"
"تم فکر نہ کرو، میں ویسے بھی کسی آسیب واسیب سے نہیں ڈرتا۔" میں نے کہا۔
"آپ تو بہادر انسان ہیں۔" وہ تعریفی انداز میں بولی۔ پھر سلامو سے مخاطب ہوئی۔ "کیا آپ بھی بہادر ہیں؟"
"جی ہاں، میں بھی ایسی باتوں سے نہیں گھبراتا۔" اس نے جواب دیا۔
"بس تو پھر ٹھیک ہے، آپ لوگوں کی موجودگی میں، میں وہاں تسلی سے اپنے والد صاحب کو ڈھونڈ سکوں گی۔" وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔
ایک بار پھر میرے ذہن میں شکوک وشبہات سر اٹھانے لگے تھے۔ مجھے یقین سا ہونے لگا تھا کہ ناصرہ کوئی ماورائی مخلوق ہے جو ہمیں کسی پراسرار حویلی میں لے جانا چاہتی ہے۔ ایک بار تو میں نے سوچا کہ وہاں جانے سے انکار کردوں لیکن یہ بات میری مردانگی کے خلاف تھی اور پھر میں اپنی عزت کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ اگر میں انکار کرتا تو سلامو کے سامنے میری ساری عزت خاک میں مل جاتی۔ ہاں میں نے سلامو سے بھی رائے لینا ضروری سمجھا کہ وہ وہاں جانا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ انکار کرتا تو میرے پاس بھی نہ جانے کا جواز بن سکتا تھا۔ سوچا کہ کار سے اتر کر اس سے بات کرلوں گا۔
"بس اس درخت کے ساتھ سے اندر موڑ لیں۔" ناصرہ نے سڑک کی دائیں جانب اشارہ کرتے

ہوئے مجھ سے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گئی اور پھر میں نے اس کی بتائی ہوئی جگہ سے گاڑی موڑ لی یہاں کچا ہموار راستہ بنا ہوا تھا۔
تقریباً دس منٹ بعد مجھے دور ایک شکستہ اور دیوہیکل عمارت نظر آئی۔ اس سے قبل کہ میں ناصرہ سے پوچھتا کہ کیا وہی اس کی حویلی ہے، وہ سابقہ انداز میں اس عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔ "وہ ہے ہماری حویلی۔"
"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ پھر میں نے اس عمارت کے سامنے جا کر کار روک دی۔ ہم تینوں کار سے اتر آئے۔ ناصرہ حویلی کی طرف جائزہ لینے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں اور سلامو اس سے ذرا فاصلے پر تھے۔ میں نے موقع غنیمت جان کر سلامو سے سرگوشی کی۔ "سلامت اب کیا ہمیں حویلی میں جانا چاہئے؟"
"جی ضرور۔" وہ بھی میری طرح آہستہ سے بولا۔
"اب میرے پاس حویلی میں نہ جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اسی وقت ناصرہ نے گردن موڑ کر ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آئیں ناں آپ لوگ۔"
"ہاں ہاں چلو چلو۔" میں نے کہا اور ہم تینوں نے حویلی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔
کچھ ہی دیر بعد ہم حویلی کے لکڑی کے بنے ہوئے صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ ناصرہ نے ایک پٹ کو دھکیلا۔ وہ اندر کی طرف خوفناک چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ مجھے اندر کا منظر نظر آیا۔ وہاں ویرانی ہی ویرانی تھی۔ سامنے وسیع میدان تھا جس میں جابہ جا درخت لگے ہوئے تھے۔ نیچے زمین پر جگہ جگہ خودرو گھاس اگی ہوئی تھی۔
میں نے سوچا کہ ناصرہ کوئی بدروح بھی ہوسکتی ہے۔ جو ہمیں گھیر کر یہاں لے آئی ہے کیونکہ میں ایسے بے شمار واقعات سن چکا تھا۔ جن میں کوئی بدروح خوبصورت لڑکی کے روپ میں لوگوں کو گھیر کر لے جاتی تھی اور پھر ان کا خون پی جاتی تھی لیکن بہرحال ابھی میں ہمت ہارنے پر تیار نہیں تھا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اگر ہماری موت یہاں لکھی ہے تو پھر کوئی ہمیں بچا نہیں سکتا ہے۔"
"آیئے آیئے..... اندر آجایئے آپ لوگ۔" ناصرہ نے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ہم سے کہا۔
"ہاں ہاں ضرور..... چلو۔" سلامو چاچا بولا۔ اور ہم دونوں ناصرہ کے پیچھے چل دیئے۔
ذرا ہی دیر بعد ہم حویلی کے وسط میں آگئے۔
"ڈیڈی!..... ابو!..... پاپا!" ناصرہ بولتی رہی لیکن کوئی جواب نہ آیا۔
"میرا خیال ہے کہ تمہارے ڈیڈی یہاں نہیں ہیں۔" میں نے اس سے کہا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ واپس چلنے کا کہے میں خود واپسی کا کہہ کر سلامو چاچا یا اس کی نظروں میں خود کو نیچا ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"وہ یہاں ہوسکتے ہیں، ناراضگی کی وجہ سے جواب نہیں دے رہے ہوں گے، آؤ انہیں ڈھونڈتے ہیں..... اس طرف آجاؤ۔" اس نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔
ذرا ہی دیر بعد ہم برآمدے میں آگئے۔ یہاں روشنی کم تھی۔ ناصرہ نے ایک کمرے کے دروازے پر ہاتھ مارا جو چرچراہٹ کے ساتھ اندر کی طرف کھل گیا۔ اس وقت سلامو چاچا نے ٹارچ روشن کر کے اس کی روشنی کمرے کے اندر ڈالی۔ کمرہ خالی تھا۔
"ڈیڈی!..... پاپا..... ابو!" ناصرہ نے کمرے کے اندر جاتے ہوئے پکارا۔ پھر پلٹ کر بولی۔ "ذرا اندر آکر ٹارچ کی روشنی ڈالیں۔"
سلامو چاچا آگے بڑھنے لگا تو میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر روکتے ہوئے کہا۔ "لاؤ ٹارچ مجھے دو۔" میں اس سے ٹارچ لے کر کمرے میں آگیا۔ اس وقت اندر سے زوردار پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ کچھ چمگادڑیں ہمارے سروں پر سے اڑتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ایک چمگادڑ کا پر زور سے میرے کان سے ٹکرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی گیا تھا۔

"میں نے ٹارچ کی روشنی کمرے میں ڈالی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔" آؤ واپس چلو، یہاں تو کوئی نہیں ہے۔" میں نے ناصرہ سے کہا۔

ہم دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔

ذرا ہی دیر میں ہم نے اس برآمدے کے سارے کمرے دیکھ ڈالے لیکن وہاں ناصرہ کے ڈیڈی نہیں ملے۔

"اوہ....." ناصرہ نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا۔ "نہ جانے کیوں چلے گئے ہیں وہ....." اس نے سامنے دوسرے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

"آؤ، اب ان کمروں میں دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" میں نے کہا۔

ہم تینوں دوسرے برآمدے میں آ گئے اور یہاں بھی کمروں میں ناصرہ کے ڈیڈی کو تلاش کرنے لگے۔

"بس اب یہ آخری کمرہ ہی رہ گیا ہے۔" میں نے ناصرہ سے کہا۔

"ہاں ..... پھر ہم گودام وغیرہ میں بھی انہیں تلاش کرلیں گے۔" وہ بولی۔ میں خاموش رہا۔ میں اور وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے ٹارچ کی روشنی وہاں ادھر ادھر ڈالی تو ایک کونے میں مجھے ایک دھیڑ عمر آدمی سکڑا سمٹا بیٹھا نظر آ گیا۔

"اوہ ڈیڈی!..... مجھے یقین تھا کہ آپ یہیں ہوں گے۔" ناصرہ پرجوش انداز میں کہتے ہوئے اپنے ڈیڈی کی طرف بڑھی اور ان کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔

"میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" ڈیڈی نے ناراضگی کے ساتھ کہا۔

"غصہ تھوک دیں ڈیڈی!" ناصرہ بولی۔

"ایک ہی صورت ہے کہ تم میری بات مان لو۔" وہ بولی۔

"لیکن ڈیڈی!" وہ الجھن کا شکار ہوگئی۔

"اگر تم میرے لئے انسانی خون کا بندوبست کرسکتی ہو تو ٹھیک ہے نہیں تو یہاں سے جاسکتی ہو۔" وہ بولے تو خوف کی ایک لہر نے میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کردی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہاں کوئی ماورائی چکر چل رہا ہے۔

"ڈیڈی!..... آپ سمجھنے کی کوشش کریں....."

"مجھے کچھ نہیں سننا..... اگر تم میری بات نہیں مانتیں تو یہاں سے جاسکتی ہو..... یہ سب کچھ میں تمہارے لئے ہی کر رہا ہوں..... تمہاری زندگی بچانے کے لئے۔" وہ بولے۔

"لیکن ڈیڈی میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔" ناصرہ بولی۔

"نہیں..... اگر میں نے خون نہیں پیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔" وہ بولے۔

"کچھ نہیں بگڑے گا، میں ٹھیک ہوں آپ میرے ساتھ چلیں۔" ناصرہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"نہیں..... بس تم جاؤ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" ڈیڈی نے کہا اور پھر کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"رات آہستہ آہستہ ڈھلتی جارہی ہے..... اگر یہ رات ڈھل گئی تو نہ جانے کیا ہوجائے گا۔" پھر اچانک وہ مشتعل ہوکر زمین پر مکے مارنے لگے۔ "مجھے خون چاہئے، خون..... انسانی خون....."

"انہیں ذرا سنبھالیں آپ پلیز۔" ناصرہ نے مجھ سے درخواست کی۔

صورت حال کچھ عجیب سی بن رہی تھی۔ میرے ذہن میں مختلف خیالات جنم لے رہے تھے۔ مجھے تو یقین ہوچلا تھا کہ سلاموچا چا اور میری زندگیاں خطرے میں ہیں، کسی بھی لمحے ناصرہ اور اس کے ڈیڈی کی طرف سے کسی خون کی حقیقت سامنے آسکتی تھی، قوی امکان یہ تھا کہ وہ دونوں بدروحیں ہیں اور کوئی ڈرامہ رچا کر ہم دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گی۔

میں آگے بڑھا تاکہ ناصرہ کے ڈیڈی کو سنبھال سکوں لیکن میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ میں جیسے ہی انہیں ہاتھ لگاؤں گا، کوئی ایسی بات ہوجائے گی جو

میرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔

میں نے انہیں پکڑ لیا لیکن کچھ نہ ہوا۔ مجھے کچھ حوصلہ ہوا، میں نے انہیں سنبھالنے کی کوشش شروع کردی۔ میں کافی طاقتور تھا جبکہ وہ مجھ سے بہت کمزور تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے اندر مجھ سے کئی گنا زیادہ طاقت ہے۔

بالآخر نڈھال ہوکر میرے بازوؤں میں جھول گئے۔ "انہیں اٹھا کر لے چلیں پلیز!" ناصرہ نے ایک بار پھر مجھ سے درخواست کی۔

میں نے جھک کر اس کے ڈیڈی کو اپنے کاندھوں پر لاد لیا۔

ہم لوگ کمرے سے باہر آ گئے۔

"چلیں..... اب یہاں سے جلدی نکل چلیں۔" ناصرہ بولی۔

ہم لوگ تیزی سے چلنے لگے۔

ذرا ہی دیر بعد ہم عمارت سے باہر آ گئے۔ پھر میں نے ناصرہ کے ڈیڈی کو کار کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ ان پر اب بھی غشی طاری تھی۔ ناصرہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"چلیں..... اب اس علاقے سے جلد از جلد دور ہوجائیں۔" ناصرہ بولی۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ حسب سابق سلاموچا چا میری برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ میں نے کار اسٹارٹ کرکے تیزی سے چلا دی۔ اسی وقت دائیں جانب سے نکل کر ایک ادھیڑ عمر شخص سڑک کے وسط میں آ کھڑا ہوا۔ اس کا حلیہ عملیات وغیرہ کرنے والوں جیسا تھا۔ اس نے لمبا کالا چوغا پہن رکھا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال لمبے لمبے تھے۔ اس کے گلے میں مختلف موتیوں کی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ ہاتھوں میں دھاتی اور دیگر اقسام کے کڑے نظر آ رہے تھے۔

"اوہ..... تو یہ آ ہی گیا....." ناصرہ پریشانی سے بولی۔

"کون ہے یہ؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ ایک خطرناک عامل ہے۔" اس نے جواب

وہ کنگلا تھا۔ چھوٹی سی نیکی کرکے بنگلے کا مالک بن گیا
کسی نے اس بنگلے کی دیوار پر کوئلے سے 'کنگلے کا بنگلا'
لکھ دیا، وہ بنگلا اسی نام سے مشہور ہوگیا
دوسرے کنگلے نے بیس روپے سے بزنس کا آغاز کیا
اور 'کنگلے کا بنگلا' کرائے پر لے کر کارخانہ قائم کردیا،
اس بنگلے کا اصل مالک بھی کنگلا ہی تھا
آنکھ میں آنسو لب پہ ہنسی
ایسی تعمیری عملی کہانی صدیوں میں لکھی جاتی ہے
مار دھاڑ، عشق و محبت، مکر و فریب، جائیداد کے
چکروں سے پاک منفرد پلاٹ پر بُنا انوکھا ناول
ایمن کی چوتھی کتاب صرف 330 روپے میں

مالکانہ حقوق پر حاصل کرنے کے لیئے قریبی کتب فروش
سے رابطہ کریں نہ ملنے کی صورت میں ہمیں لکھیں
ایمن لائبریری پارسی گیٹ چنیسر گوٹھ کراچی
پوسٹ کوڈ نمبر 75460۔ (ڈاک خرچ بذمہ خریدار)
فون نمبر 02137655706، 03462211986

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ میں اس دوران کار روک چکا تھا۔ میں نے کہا۔
"اب کیا کرنا ہے؟"
"اس کے اوپر گاڑی چڑھا دو۔" وہ بولی۔
"کیا؟" میں چونک گیا۔
"ہاں..... اگر ایسا نہ کیا تو یہ ہمیں مارنے کی کوشش کرسکتا ہے۔" اس نے کہا۔
"لیکن..... اس طرح تو یہ مارا جائے گا اور اس کے قتل کے الزام میں ہم لوگ....."
"جلدی کرو، وہ منتر پڑھ رہا ہے، اگر اس نے منتر مکمل کرلیا تو ہم سب کو ایک ہی پھونک مار کر بالکل بے بس کردے گا، ہم لوگ بالکل جام ہوکر رہ جائیں گے، چاہتے ہوئے بھی حرکت نہیں کرسکیں گے، جلدی کرو، گاڑی اس پر چڑھا دو۔" وہ پریشان لہجے میں بولی۔ "وہ ہم سب کو مار ڈالے گا۔ جلدی کرو۔"
میں نے سوچا کہ جس طرح وہ بتا رہی ہے اگر ویسا ہوگیا تو پھر عامل کے ہاتھوں ہماری موت واقع ہوسکتی ہے اس لئے میں نے اپنی زندگیاں بچانے کے لئے کار کے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈال دیا۔ کار کے ٹائر چرچرائے اور کار ہوا کی طرح آگے بڑھی۔
ذرا ہی دیر بعد کار اس عامل کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ اس کے بچنے کے امکانات نہ رہے لیکن وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ فضا میں کسی گیس کے غبارے کی طرح بلند ہوگیا اور کار اس کے نیچے سے گزرتی چلی گئی۔
"بس اب تیزی سے گاڑی چلاؤ..... ابھی پانچ منٹ تک وہ واپس زمین پر نہیں اترے گا اور اس دوران وہ ہمارے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتا ہے۔" ناصرہ نے جلدی جلدی کہا اور میں کار کی رفتار بڑھاتا ہی چلا گیا۔
میں تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا رہا اور تقریباً بیس منٹ گزر گئے۔
"ٹھیک ہے..... اب رفتار مناسب کرلو، اب ہمیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ناصرہ نے کہا تو میں نے کار کی رفتار کم کرلی۔
"یہ سب کیا ہے آخر.....؟ کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی؟" میں نے بیک ویو مرمریں دیکھتے ہوئے ناصرہ سے پوچھا۔ کار میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ مجھے غیر واضح طور پر نظر آرہی تھی۔
"تم حیدر آباد ہمارے گھر چلو، میں تمہیں ساری حقیقت بتادوں گی، وہاں بھی ہمارا اپنا ایک چھوٹا سا گھر ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"کچھ تو بتاؤ ابھی؟" میں نے اصرار کیا۔
"اس وقت مشکل ہے۔" وہ بولی۔
"آخر کیوں؟"
"کوئی وجہ ہے۔"
"مجھے لگتا ہے کہ تم مجھے دھوکا دے رہی ہو؟"
"ایسا نہیں ہے۔"
"تو پھر کچھ تو بتاؤ۔"
"جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں تھوڑا بہت مزید صبر کرلو..... ہاں یہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہی ہوں۔" وہ بولی۔ اس کے لہجے سے میں یقین نہیں کرسکتا تھا کہ وہ سچ بول رہی ہے کیونکہ اس کا لہجہ کچھ کھوکھلا سا تھا۔ میں نے اسے دباؤ میں لینے کے لئے کہا۔
"اگر تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی تو میں تمہیں اور تمہارے ڈیڈی کو یہیں اتار دوں گا۔"
"یہ تمہیں مہنگا پڑے گا۔" اس نے غرا کر دھمکی دی۔
"تو تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟" میں ذرا مشتعل ہوگیا۔
"ہاں یوں ہی سمجھ لو۔" وہ بے خوفی سے بولی۔
"او کے۔" میں نے کہا اور گاڑی روک لی۔ چلو اب اتر جاؤ گاڑی سے۔"
"سیدھی طرح گاڑی چلاؤ۔" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔
"نہیں چلاؤں گا۔" میں اڑ گیا۔
"تمہیں چلانی پڑے گی گاڑی..... میں تین تک گنوں گی، اگر تم نے گاڑی نہ چلائی تو پھر تم دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے..... ایک....." اس نے گنتی گنی۔

"میں نہیں چلاؤں گا گاڑی۔" میں نے ذرا غصے سے کہا۔
"دو....." وہ آگے بڑھی۔
"کچھ بھی کرلو گاڑی نہیں چلے گی۔" میں نے کہا۔
"تین....." اس نے گنتی مکمل کی اور پھر اجنبی زبان میں کچھ بولی۔ اسی لمحے میرے گال، کان اور سر کے کچھ حصے پر زوردار ضرب لگی۔
"چلاؤ گاڑی!" وہ خون خوار انداز میں بولی۔ "میرے حکم پر ایک بدروح نے تمہیں تھپڑ مارا ہے، اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً چلاؤ گاڑی نہیں تو میں بدروح کو تمہارا خون پینے کا حکم دے دوں گی۔"
مجھے اندازہ ہوگیا کہ اب اس کا حکم مانے بغیر چارہ نہیں ہے اس لئے میں غصے سے ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا اور میں نے گاڑی چلا دی۔
"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے ہیں..... اب اگر تم اپنی اور اپنے ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو جیسا میں کہتی ہوں ویسا ہی کرو..... فی الحال سیدھے حیدر آباد چلو اور وہاں پہنچ کر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔" اس نے غرا کر کہا۔
میں غصے سے تلملا کر رہ گیا۔
سفر خاموشی سے کٹتا رہا اور بالآخر ہم حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوگئے۔
"اس طرف چلو....." اس نے ایک سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے گاڑی اس طرف ڈال دی۔
وہ مجھے ہدایات دیتی رہی اور میں گاڑی چلاتا رہا۔ بالآخر ایک محلے میں پہنچ کر اس نے کہا۔
"بس اس گلی کے دائیں جانب والے آخری مکان کے سامنے گاڑی روک لینا۔"
میں نے گاڑی واپس مکان کے سامنے روک لی۔
"چلو..... اب تم دونوں میرے ڈیڈی کو گھر کے اندر لے چلو۔" وہ بولی۔
ہم لوگ گاڑی سے اتر آئے۔ سلامو چاچا اور میں نے ناصرہ کے ڈیڈی کو اٹھایا جو کہ بالکل بے ہوش ہوچکے تھے اس دوران ناصرہ نے مکان کا تالا کھول کر دروازہ بھی کھول دیا تھا۔
ہم لوگ گھر کے اندر داخل ہوگئے۔
"اس طرف آجاؤ۔" ناصرہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر بعد ہم سب ایک کمرے میں آگئے۔ وہاں موجود ایک آرام دہ بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناصرہ نے کہا۔ "ڈیڈی کو وہاں لٹا دو۔"
ہم نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔
"بس اب تم لوگ وہاں بیٹھ جاؤ۔" اس نے ذرا دور دیوار سے لگے صوفے کی طرف اشارہ کرکے ہم سے کہا اور ہم دونوں وہاں بیٹھ گئے۔ اس نے اپنے ڈیڈی کی ٹانگیں اور بازو ہلا کر جلا کر انہیں ٹھیک طرح سے لٹایا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے زیر لب بڑبڑانا شروع کردیا۔ پھر اس نے اپنے ڈیڈی پر پھونک ماری۔ یہی عمل اس نے تین مرتبہ کیا اور غور سے ڈیڈی کو دیکھنے لگی۔ ذرا ہی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔
ناصرہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے ڈیڈی نے سر کو جنبش دے کر اس کی طرف دیکھا اور نحیف آواز میں بولے۔ "خون..... انسانی خون..... انسانی خون چاہئے مجھے۔"
ناصرہ نے ایک بار پھر بڑبڑانا شروع کردیا اور پہلے کی طرح ان پر تین مرتبہ پھونکیں ماریں۔
"آہ..... آہ..... پپ..... پانی..... پانی۔"
اس کے ڈیڈی نے کراہتے ہوئے کہا۔
ناصرہ نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہورہی تھیں۔ ایک جانب موجود ٹیبل کی طرف اشارہ کرکے اس نے مجھ سے کسی درندے کی طرح غراتی آواز میں کہا۔ "ایک گلاس پانی دو وہاں سے۔"
میں تیزی سے اٹھا اور میز پر موجود جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیل کر فوراً ناصرہ کے پاس پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ میں نے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے فوراً پکڑ لیا اور آگے ہو کر اپنے ڈیڈی سے بولی۔ ”لیں ڈیڈی!..... پانی پی لیں.....“ پھر اس نے ان کا سر اوپر کر کے احتیاط کے ساتھ انہیں پانی پلایا اور ان کا سر واپس تکیے پر رکھ کر گلاس مجھے دے دیا۔

میں گلاس واپس میز پر رکھ کر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

ناصرہ کچھ بڑبڑانے لگی اور پھر اس نے ذرا آگے ہو کر اپنے والد پر پھونک ماری۔ انہیں ایک زوردار جھٹکا لگا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ وہ ذرا تڑپے اور پھر بے حرکت ہو کر رہ گئے۔ ”آہ..... آہ..... جگدیش..... جگدیش..... مجھے بچالو..... مجھے بچالو جگدیش۔“ وہ کراہتے ہوئے بولے۔

”جگدیش اب آپ کو نہیں بچا سکتا اس لئے کہ عامل بھگوان داس نے اسے بے بس کر دیا ہے۔“ ناصرہ نے ان سے کہا۔

”اوہ..... یہ..... بھگوان داس کہاں سے آ گیا درمیان میں؟“ وہ تکلیف سے بھرپور آواز میں بولے۔

”میں نے اس سے رابطہ کیا تھا۔“ ناصرہ نے بتایا۔

”اوہ..... کیوں..... آخر کیوں؟ وہ تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔“ وہ بولے۔

”وہ خطرناک نہیں بلکہ اچھا آدمی ہے۔ خطرناک تو جگدیش ہے جس نے آپ کو اس حال میں پہنچا دیا ہے۔“ ناصرہ نے قدرے تلخی سے کہا۔

”نہیں..... وہ اچھا آدمی ہے۔“ وہ بے بس انداز میں بولے۔

ناصرہ بے بسی سے ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے تاثرات میں اشتعال کا عنصر بھی نمایاں لگا۔

”مجھے خون چاہئے۔ انسانی خون۔ مجھے خون چاہئے۔“ کچھ ہی دیر بعد ناصرہ کے ڈیڈی نے تڑپتے ہوئے کہا۔

ناصرہ انہیں غور سے دیکھتی رہی۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بے ہوش ہو کر واپس لیٹ گئے اور گہرے گہرے سانس لینے لگے جیسے بہت تھک گئے ہوں۔

رات ڈھلتی رہی اور ناصرہ کے ڈیڈی بار بار انسانی خون طلب کرتے رہے۔ بالآخر صبح ہو گئی، تب ناصرہ نے ایک گہرا سانس لیا اور گردن موڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”اب سارے خطرات ٹل چکے ہیں۔“

”کیسے خطرات..... آخر معاملہ کیا تھا؟“ میں نے اس سے دریافت کیا۔

”یہ تین دوستوں کی کہانی تھی۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر پرخیال انداز میں کہا۔ ”آج سے دس سال قبل اس کہانی کا آغاز ہوا تھا۔ میرے والد، جگدیش اور بھگوان داس نے زمین میں دفن ایک بڑے خزانے کے لئے عطیات شروع کئے تھے۔ تینوں پرانے دوست اور اچھے عامل تھے۔ اس وقت میں پندرہ سال کی تھی۔ ان میں سے جگدیش کی نیت خراب ہو گئی۔ یہ وہی جگدیش تھا جو سڑک پر ہماری کار کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے میرے والد اور بھگوان داس کو دھوکا دیا لیکن بظاہر وہ ان کا دوست ہی بنا رہا۔ ساتھ ہی اس کی نیت مجھ پر بھی خراب ہو گئی۔ اس نے میرے والد کو انسانی خون کا عادی بنا دیا اور گزشتہ رات ان کی زندگی کی آخری رات ہو سکتی تھی۔ بھگوان داس اچھا مخلص آدمی تھا۔ اسے میرے والد سے بھی ہمدردی تھی۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ جگدیش کی نیت خراب ہو گئی۔ انہوں نے اس سے بات کی تو وہ مشتعل ہو گیا اور یوں ان کے درمیان سرد جنگ چھڑ گئی۔

بھگوان داس نے مجھ پر کچھ عملیات کر کے جگدیش سے کافی حد تک محفوظ بنا دیا اور پھر ان دونوں کی جنگ چلتی رہی۔ حتیٰ کہ جگدیش نے میرے والد کو راستے سے ہٹانے کا حتمی فیصلہ کر لیا جس کے لئے اس نے گزشتہ رات منتخب کی تھی۔

یوں رات کے ہوتے ہی والد صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ ہوش و حواس میں نہ رہے اور بالآخر گاڑی لے کر نکلنے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ

روانہ ہو گئی۔ اس دوران جگدیش نے انہیں مارنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ادھر بھگوان داس ایک ویرانے میں عملیات کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ گزشتہ رات ہم سب پر بھاری ہو سکتی ہے۔ جگدیش اور ان کا سخت ترین مقابلہ ہو گا۔ جگدیش مجھے اور میرے والد کو مارنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ لیکن اگر صبح ہو گئی تو جگدیش، سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی دل پھٹ جانے کی وجہ سے مر جائے گا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”بس اب مجھے بھگوان داس کا انتظار ہے۔“

تقریباً ایک گھنٹے بعد کال بیل بجی۔ ناصرہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ جگدیش کے حلیے والا ایک آدمی تھا۔ ناصرہ نے اس کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا۔ ”یہ بھگوان داس جی ہیں۔“

بھگوان داس نے مسکرا کر سلام و چاچا اور مجھ سے ہاتھ ملایا۔ پھر ناصرہ کے والد کا جائزہ لیا اور ناصرہ سے بولا۔ ”بس اب بے فکر رہو۔ انہیں جلدی ہوش آ جائے گا۔ اب خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔ جگدیش اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔“

وہ دونوں بیٹھ گئے۔

”ناصرہ!..... تم نے تو ہمیں رات میں ڈرا ہی دیا تھا، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم خود کوئی چڑیل ہو اور ہمارا خون پی جاؤ گی۔“ میں نے ناصرہ سے کہا۔

”دراصل رات میں جگدیش اپنے عملیات کر رہا تھا۔ اس لئے ناصرہ کے ذہن پر اثرات ہو رہے تھے جبکہ میں جگدیش کا مقابلہ کر رہا تھا۔ جب جگدیش کے اثرات ہوتے تو ناصرہ عجیب و غریب باتیں اور حرکتیں کرنے لگتی ہو گی اور جب میں جگدیش کے اثرات ختم کرتا تو یہ ٹھیک ہو جاتی ہو گی۔ بہرحال اس لڑکی نے بڑی ہمت سے کام لیا اور اپنے والد کی زندگی کو بچانے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا بالآخر کامیابی نے ہمارے قدم چوم لئے۔“ بھگوان داس نے مجھ سے کہا۔

ذرا ہی دیر بعد ناصرہ کے ڈیڈی کو ہوش آ گیا۔ بھگوان داس نے ان سے کہا۔ ”اب تم بالکل ٹھیک ہو۔ اٹھ کر نہا دھو اور پھر ہم ناشتہ کریں گے۔“

کچھ ہی دیر بعد ہم سب ناشتے کی میز پر تھے۔ ناصرہ اس کے والد اور بھگوان داس ہمارے تعاون کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور ناصرہ کے ڈیڈی سے بولا۔ ”میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔“

”ارے بولو بولو بیٹا کیا بات ہے؟“ وہ شفقت سے بولے۔ ”دراصل میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔ میرا اپنا بنگلہ اور بڑا کاروبار ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو.....“ میں جھجک گیا اور مزید کچھ نہ کہہ پایا۔

”کیا ناصرہ کو بیوی بنانا چاہتے ہو؟“ بھگوان داس نے کیتلی میں سے چائے انڈیلتے ہوئے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

”جی..... ہاں.....“ میں نے فوراً جواب دیا۔ اس وقت میری نظر ناصرہ پر پڑی۔ ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی آ گئی تھی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

”بھئی!..... ناصرہ میری بھی بیٹی ہے اس لئے میں تمہاری درخواست قبول کرتا ہوں۔“ بھگوان داس نے مجھ سے کہا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے ناصرہ کے ڈیڈی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولے۔

”بھگوان داس اور مجھے تو یہ رشتہ قبول ہے، بس ناصرہ سے پوچھنا ہے۔“ انہوں نے ناصرہ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ہوئے تھی۔ ”ناصرہ بیٹی تمہاری کیا رائے ہے؟“

”وہ نظریں نیچی کر کے کھنکھارتے ہوئے بولی۔ ”م..... مجھے بھی قبول ہے۔“ اور پھر وہ تیزی سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگی۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

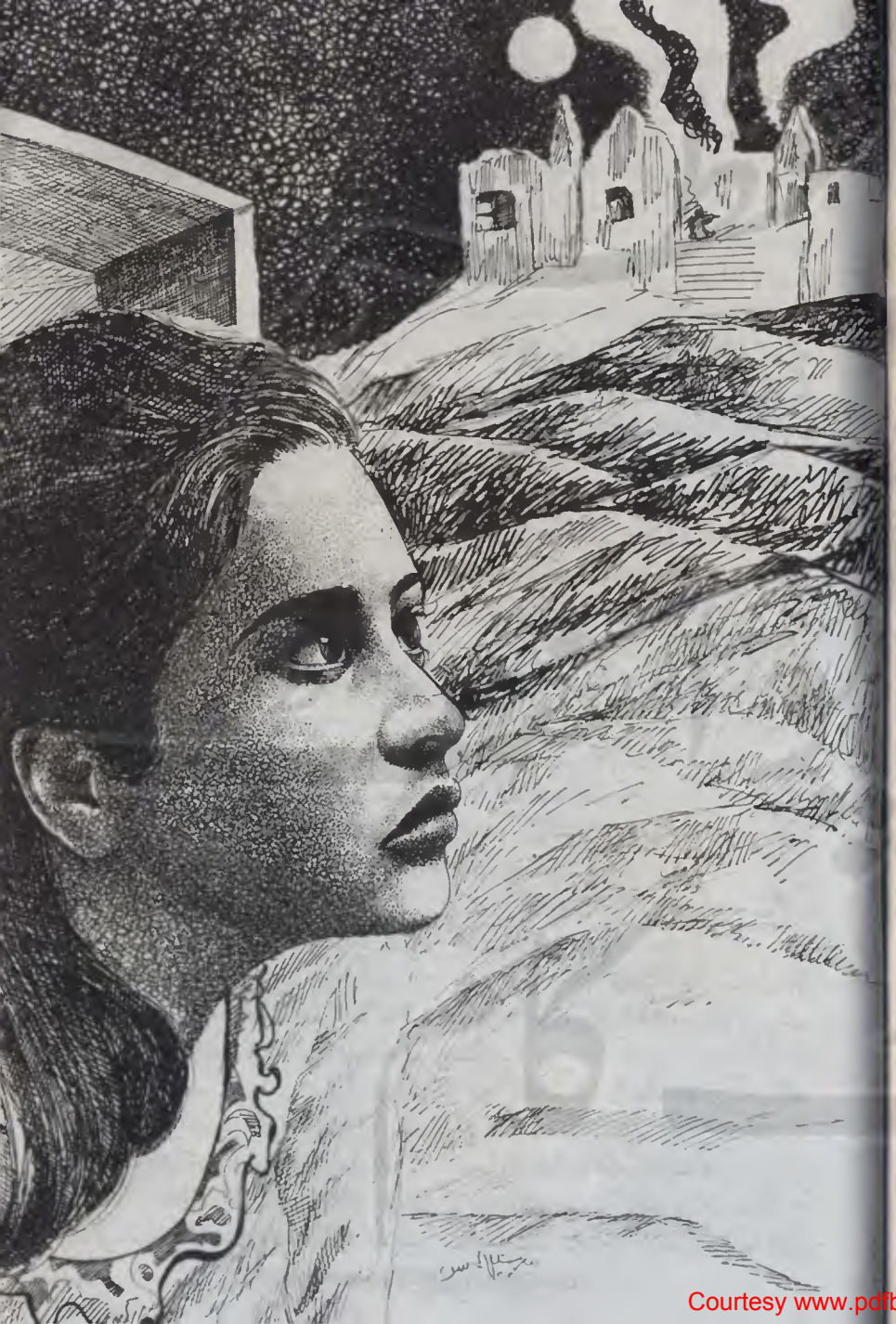

سچی پکار

انوری رمضان-پنڈ دادنخان

خوبرو حسینہ کے سامنے ایک ہیولہ نما وجود ظاہر ہوا اور بولا چل میرے ساتھ، اس کے ہاتھوں سے شعاعیں نکل کر حسینہ کے جسم میں پیوست ہونے لگیں اور پھر.....

اچھی کہانیوں کے دلدادہ لوگوں کے لئے عقیدت کے افق پر جھلمل کرتی کہانی

آج پھر وہ چلاتا ہوا اٹھ بیٹھا، اس کے رونگٹے کھڑے ہو چکے تھے، سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ اس کے تیز تیز سانس لینے کی آواز واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی، مگر کمرے میں اس کے علاوہ تھا ہی کون؟ جو اس کی ڈگمگاتی دھڑکنوں کو متوازن کرتا۔ خوف سے پڑتے پیلے چہرے کے ساتھ اس نے وال کلاک کی جانب نگاہیں اٹھائیں۔ ''مالا.....'' اس نے سرعت سے کہا اور کمبل وہیں پھینک کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا وہ اپنی چھوٹی بہن مالا کے کمرے میں آیا۔

دروازہ کھول کر دیکھا تو سترہ سالہ مالا کمبل اوڑھے مزے سے نیند کی وادیوں میں گم تھی۔ سکون کا سانس بھرتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

یہ آکاش کے ساتھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ اس قسم کے خواب اکثر اس کا پیچھا کرتے۔ اور حیرت انگیز طور پر ہمیشہ ایسے خواب اسے پونم کی راتوں میں نظر آتے۔ پونم کی آنے والی پہلی رات ہی وہ واہموں کا شکار ہونے لگتا، اور خوفناک بات جو اس نے ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ ان خوابوں کا مرکز ہمیشہ اس کی چھوٹی بہن مالا ہوتی تھی۔

مالا کو کوئی نادیدہ قوت اٹھا کر لے جاتی تو کبھی مالا بے یار و مددگار چلا رہی ہوتی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مالا گہرے پانی میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ اس پانی کا رنگ حیرت انگیز طور پر سیاہ تھا۔ اور مالا سیاہ پانی کی اس دلدل میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔ بہر حال خوف و ہراس میں رات گزر گئی۔

''کیا بات ہے پتا جی! آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' آکاش صبح کے وقت ناشتے کی میز پر آیا تو اپنے پتا راج ملہوترا کو بریف کیس میں کاغذات ڈالتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں بیٹا! مجھے فوراً کان پور جانا ہے، اپنی فیکٹری کی نئی برانچ وہیں پر کھول رہا ہوں۔ بس اسی سلسلے میں جا رہا ہوں۔'' انہوں نے کھڑے کھڑے چائے کا مگ منہ سے لگایا۔

''آپ واپس کب تک آئیں گے پتا جی؟'' مالا ہاف فرائی انڈے کو کانٹے سے کاٹتے ہوئے بولی۔

''پرسوں تک، اصل میں برانچ کے لئے لی گئی زمین کا معائنہ، نئے لوگوں کا انتخاب..... بہت سارے معاملات ادھورے پڑے ہیں۔ جنہیں نمٹانا ہیں۔ راج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملہوترا نے پیار سے مالا کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

تو آکاش ایکدم بول پڑا۔

"آپ ہمیشہ اسی کے ساتھ رہتے ہیں پتا جی، اسی کی فکر رہتی ہے آپ کو۔ کیا میں آپ کا بیٹا نہیں؟" آکاش کے لہجے میں ہلکا سا مصنوعی احتجاج تھا ورنہ مالا تو اسے بھی بہت پیاری تھی۔

"نہیں، تم میرے بیٹے ہو، میرے بازو ہو تم! میرے بڑھاپے کا سہارا ہو۔" راج ملہوترا نے مسکراتے ہوئے پیار سے کہا تو آکاش کے چہرے پر موجود مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

آکاش چودہ سال اور مالا بارہ سال کی تھی جب ان کی ماں شریتا انہیں چھوڑ گئی تھی، کورٹ کے ذریعہ ان کے باپ سے طلاق لے لی تھی۔ دونوں بچے اپنے باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے تھے۔ کیونکہ شریتا دوسری شادی کر چکی تھی۔ راج ملہوترا نے اپنے دونوں بچوں کی پرورش بہت احسن انداز سے کی۔ ہفتے میں دو یا تین مرتبہ ضرور مندر کا چکر لگاتے۔ اور اپنے بچوں کی لمبی عمروں کی پرارتھنا کرتے تھے۔

ایک دن دسمبر کی سرد شام کے دھندلکے ہولے ہولے پھیل رہے تھے۔ افق کی سرخی اب شام کے سرمئی اندھیروں میں بدلنے لگی تھی۔ دن بھر کی محنت اور رزق کی تلاش کے بعد پرندے بھی اب اپنے اپنے آشیانوں کو واپس لوٹ رہے تھے۔

اپنے سرسبز لان میں جھولا جھولتے ہوئے مالا اپنی نوکرانی گنگا کو مسلسل آوازیں دیئے جا رہی تھی۔

"گنگا کے پتی کی طبیعت بہت خراب ہے، وہ ہسپتال گئی ہے۔" آکاش کافی کا گرم گرم مگ اٹھائے وہیں لان میں آ گیا۔

"اور تم نے اسے چھٹی دے دی؟" مالا نے جھولا روک کر پیر زمین پر ٹکائے۔

"اگر کسی کی مدد کر دی جائے تو اس میں خرابی کیا ہے اور اس میں کون سی بری بات ہے؟" آکاش مگ تھامے وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہم گھر میں بالکل اکیلے ہیں آکاش۔ شنکر ماما تو دو دن سے چھٹی پر ہیں۔ ایک یہ گنگا رہ گئی تھی۔ اسے بھی تم نے بھیج دیا۔ ہمیں ڈر لگے گا۔" مالا روہانسی صورت بنا کر بولی۔

"اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے۔ تم تو ایسی بات کر رہی ہو جیسے کلاس تھری کی بچی ہو۔" آکاش نے اسے چڑایا اور ساتھ ہی تیزی سے اندر کی جانب بھاگا کیونکہ آسمان پر گہرے سیاہ بادل منڈلانا شروع ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی تیز ہواؤں کے جھکڑ کی آمد بھی شروع ہو گئی تھی اور ساتھ ہی بارش کی بہت ہلکی ہلکی پھوار شروع ہو چکی تھی۔ موسم اچھا خاصا سرد ہو چلا تھا۔

"مالا..... چلو رسوئی میں چلتے ہیں۔ مزے مزے کے گرم گرم پکوڑے بناتے ہیں۔" آکاش کمبل میں دبکی، مزے سے ناول پڑھتی مالا سے بولا۔ اس کا اکثر اس موسم میں چٹ پٹے کھانا کھانے کو دل کرتا تھا۔

"دو ہی کام ہیں تمہارے۔ یا تو کمپیوٹر پر دیر تک بیٹھے رہنا یا پھر نت نئے کھانے سے مزے اڑانا۔ کبھی تھوڑا ٹائم اپنی اسٹڈی کو بھی دے دیا کرو۔ اور ویسے بھی میں یہ رسوئی وغیرہ کا کام نہیں کر سکتی۔" مالا دوبارہ ناول کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیا تم میری پیاری بہن نہیں ہو.....؟" آکاش منت پر اتر آیا۔

"نہیں ہوں۔" مالا نے ناول اوپر کر کے مکمل طور پر اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"پیاری تو تم واقعی ہو۔" آکاش نے ناول جھپٹا اور پرے اچھال دیا، اور مالا کو بازو سے پکڑ کر کچن میں لے آیا۔

"عجیب مسئلے میں ڈالتے ہو بھائی تم۔ اب مجھے کیا پتہ پکوڑے کیسے بنتے ہیں؟ مجھے تو صرف کھانا آتا ہے۔" مالا بیسن میں ہاتھ بھرتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتہ ہے۔" ایک بار میں نے گنگا کو پکوڑے بناتے دیکھا تھا۔ اس میں نمک، زیرہ، ہلدی

اور بھی کچھ مصالحے ڈالا کرتے ہیں۔" آکاش کچن کے دراز کھولنے لگا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور آکاش فون سننے چلا گیا۔

بیسن میں آکاش کے بتائے گئے مصالحے مکس کرتے ہوئے مالا کی نظر شیلف کے نیچے پڑی جہاں ایک کالی سیاہ دیوہیکل بلی بیٹھی تھی۔ جس نے اپنی انگارہ نما آنکھیں مالا ہی پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ دفعتاً وہ بلی کھڑی ہو گئی۔ اور نظر جھپکتے ہی مالا پر چھلانگ لگا دی۔ مالا بیسن کے باؤل سمیت نیچے گری۔ معاً اس نے دیکھا کہ بلی کے جسم سے دو انسانی ہاتھ نمودار ہوئے اور انہوں نے مالا کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ یہ سب کرتے ہوئے سیاہ بلی کے ہونٹ کھلتے جا رہے تھے۔ اور وہ ہنسنے لگی۔ ایک انسان کی طرح آواز دار ہنسی۔

خون مالا کے گلے سے رس رس کر ماربل کے بنے فرش کو رنگ دار کر رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے آکاش کچن میں داخل ہو چکا تھا۔ اور بیسن میں لت پت مالا زمین پر پڑی چلا رہی تھی۔

"مالا..... مالا! ہوش کرو، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" آکاش نے آگے بڑھ کر مالا کو اٹھایا۔

"وہ..... وہ..... وہ بلی....." نامکمل بے ربط فقرے بولتی مالا نے اپنے کانپتے ہاتھ گردن کو لگائے تو بھونچکا رہ گئی۔ ایسا کچھ بھی وہاں نہ تھا۔ نہ خون..... نہ بلی.....

"ایکدم بچوں والی حرکت کرتی ہو مالا تم بھی۔" آکاش نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور سنک تک لا کر اس کے بیسن بھرے ہاتھ دھلوانے لگا۔

اب جلدی سے پکوڑے تل کر اوپر لے آؤ۔ میں اتنے میں نیٹ سے سنو وائٹ والی مووی ڈاؤن لوڈ کرتا ہوں، مل کر دیکھیں گے۔" آکاش نے فریج کھول کر کیچپ کا پیکٹ نکال کر ٹرے میں رکھا۔ پھر آم اور انار کی چٹنیاں، چھوٹی پیالیوں میں ڈال کر ٹرے میں سجائیں اور اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اتنی چھوٹی مدد تو وہ اپنی بہن کی ہمیشہ کرتا تھا۔ تھوڑی دیر میں مالا پکوڑے بنا کر لے آئی۔

"یہ کیا ہے.....؟" آکاش نے جلا ہوا بے ذائقہ پکوڑا اٹھا کر کہا۔ مالا جو فخر سے پکوڑوں کی تعریف وصول کرنے کے لئے تیار تھی، فوراً ہی ناک سکوڑنے لگی۔

"اس میں تو بالکل سواد نہیں ہے، اگلے گھر جا کر تم ہماری ناک کٹواؤ گی۔" جلے بھنے سے آکاش نے پکوڑوں کی ٹرے ایک طرف کھسکا دی۔ مگر پھر اچانک ہی مالا پر نظر پڑی، جو کافی افسردہ ہو چکی تھی۔ "چل آ جا ادھر، تجھے سنو وائٹ دکھاتا ہوں، بالکل تیرے جیسی ہے۔" مالا کا موڈ فریش کرنے کے لئے اس نے بات بنائی۔

"مجھے نہیں دیکھنی..... سنو وائٹ۔" مالا بھی اتنی آسانی سے کہاں ماننے والی تھی اور ویسے بھی اتنی محبت کرنے والے بھائیوں کے آگے تو بہنیں اتر اجاتی ہیں۔

"ارے دیکھو تو سہی مالا، وہ واقعی میں تم جیسی ہے۔ مگر ایک فرق ہے تم دونوں میں۔ جب سنو وائٹ گانا گاتی ہے تو چڑیاں بھی اس کے ساتھ گانے لگتی ہیں مگر جب تم گانا گاتی ہو تو چڑیاں سہم جاتی ہیں۔" آکاش بھی کہاں باز آنے والا تھا۔

"ہاں ہاں..... اور یہ جو ہیروں کی دکان سے سات بونوں کی لمبی قطار نکل رہی ہے ناں، ان میں سب سے آگے والا بڈھا بونا تم ہو۔" مالا نے بھی نہلے پر دہلا مارا۔ جس پر آکاش نے اسے کشن کھینچ کے مارا.....

"سنو وائٹ اینڈ سیون ڈوارف" چل رہی تھی اور یہ دونوں بہن بھائی خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ معاً انہیں چھت پر کسی کے کودنے کی آواز آئی۔ آکاش اور مالا کی مسکراہٹوں کو بریک اپنے آپ لگ گیا۔

"تم نے کوئی آواز سنی بھائی؟" مالا کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"رکو..... میں دیکھتا ہوں۔" آکاش نے ریموٹ ایک طرف رکھا اور کھڑکی کی طرف لپکا۔

ان کا کمرہ سیکنڈ فلور پر تھا۔ آوازوں سے اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا کہ کوئی چھت پر ابھی بھی موجود ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔چہل پہل کی آوازیں بخوبی سنی جاسکتی تھیں۔

''مالا..... ہمیں چھت پر جاکر دیکھنا ہوگا۔'' آکاش نے کہا۔

''مگر بھائی.....'' مالا کی شکل پر 180 کے زاویے بننے لگے۔

''چلو میرے ساتھ..... ڈرو نہیں، بھگوان کی کرپا ہمارے ساتھ ہے۔'' آکاش نے مالا کا ہاتھ تھاما اور دونوں بہن بھائی باہر نکل آئے۔

''مجھے لگتا ہے، آوازیں آنا بند ہوگئی ہیں۔'' چھت کی طرف جاتی بل کھاتی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر مالا نے آہستگی سے کہا۔

''دیکھنا تو بہرحال ہوگا۔'' آکاش نے کہا اور دونوں سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ ابھی انہوں نے دو تین سیڑھیاں ہی کراس کی تھیں کہ ''اوہ'' کی آواز کے ساتھ ہی آکاش وہیں بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا بھائی؟'' مالا نے گھبرا کر لائٹ آکاش پر کی۔

''کچھ نہیں! لگتا ہے کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ مالا تم اوپر جاکر ذرا بلب آن کرو۔ مجھے لگتا ہے یہاں کافی کیڑے ہیں۔ گرمیوں کی راتیں بھی بہت پریشان کن ہوتی ہیں، ذرا سا اندھیرا کیا ہوا، فوراً کیڑے مکوڑے جمع ہونا شروع.....'' خفگی سے کہتا آکاش پاؤں سہلا رہا تھا۔ اندھیرے سے گھبرائی مالا کو چارونا چار ٹارچ لے کر آگے بڑھنا پڑا۔

''پتاجی بھی الٹا سسٹم کرواتے ہیں۔ کوئی تو لائٹ آن کرنے کے لئے سوئچ سیڑھیوں کے شروع میں لگواتے۔ جبکہ ہمارے پتاجی نے سوئچ سیڑھیوں کے بالکل آخر میں لگوایا ہوا ہے۔ چاہے اس منہ پھاڑ اندھیرے میں کوئی بھی اوپری شکتی ظاہر ہوجائے۔'' غصے میں بڑبڑاتی مالا اب اوپر پہنچ کر بٹن تلاش کررہی تھی۔

''ادھر ہی ہے لیفٹ سائیڈ پر .....'' نیچے سیڑھیوں پر بیٹھے، زخمی پیر کو ہاتھ میں تھامے آکاش نے سوئچ کی نشاندہی کی۔

ٹارچ کی مدھم سی روشنی میں مالا ابھی سوئچ تلاش کررہی تھی کہ ایکدم اسے انجانا سا احساس ہوا۔ اس کے پاؤں سیڑھیوں کے پختہ فرش کے بجائے کسی نرم گداز چیز پر تھے۔ نرماہٹ کی وجہ سے اس کے پیر اندر دھنستے جارہے تھے۔ اس کا اپنے توازن پر کنٹرول مشکل ہورہا تھا۔ ٹارچ کی لائٹ اس نے نیچے کی جانب کی تو ایک چیخ اس کے منہ سے نکلی۔

نیچے سفید رنگ کے کپڑے پہنے کوئی لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اور اس کے پاؤں اس لڑکی کے پیٹ پر تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنا بیلنس نہیں رکھ پارہی تھی۔

وہ لڑکی غصے سے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں کھولے مالا کو ہی گھور رہی تھی۔ جیسے مالا نے اسے نیند سے ڈسٹرب کردیا ہو۔ اس کے لمبے بال اچانک سے بڑھنا شروع ہوگئے۔ اور سیڑھیوں پر پانی کی آبشار کی طرح پھیلتے ہوئے، نیچے بیٹھے آکاش کی جانب تیزی سے جارہے تھے۔ یوں گمان ہورہا تھا کہ کوئی سیاہ ناگن سیڑھیوں پر بل کھاتی، آکاش کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہو۔

مالا کے منہ سے ایک اور دلخراش چیخ نکلی اور ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری۔ اس نے اپنے بھائی کو بچانے کے لئے اندھیرے میں ہی پاؤں آگے دھر دیئے۔ جس کی وجہ سے وہ اوندھے منہ سیڑھیوں پر گری اور الٹ پلٹ ہوتی ہوئی نیچے آنے لگی۔

''مالا..... مالا.....'' آکاش کو اندھیرے میں کوئی بہت بڑی چیز اپنی طرف لڑھکتی ہوئی آتی محسوس ہوئی۔ زخمی پیر کی پرواہ کئے بناء وہ تیزی سے اس چیز کی طرف لپکا، جس کے بارے میں اسے سو فیصد یقین تھا کہ یہ مالا ہی ہے۔

☆.....☆.....☆

''تھینک گاڈ! مالا، تم کئی دن بعد آج کالج آئی ہو۔ ورنہ ہم تو تمہاری طرف سے مایوس ہی ہوچکے تھے۔ جینز اور ٹاپ میں ملبوس یہ مالا کی دوست سنبل تھی۔ جس کے بالوں میں پنک، ریڈ اور گرین کلر کی ایکسٹینشن

لگی تھیں۔ چندلٹوں کی پتلی پتلی چوٹیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ کلائی میں پتھروں سے بھرے بہت سارے کڑے تھے۔ اس کے نیلے ٹاپ کے اوپر بڑا سا ڈھانچہ بنا ہوا تھا جو گٹار بجا رہا تھا۔

''بس بھگوان کی کرپا ہوگئی مجھ پر، جو میں بالکل سور کھشت رہی ورنہ تو.....'' مالا نے بات ادھوری چھوڑ دی اور وہیں گھاس پر دوزانو ہوکر بیٹھ گئی۔

''پھر تو تمہیں اپنے گاڈ کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' سنبل بیگ کی زپ کھولنے لگی۔

''تم نے کبھی کیا؟'' مالا کی طرف سے سوال آیا۔

''بھئی ہم لوگ ذرا ماڈرن قسم کے ہیں۔ مذہب کی طرف کم ہی ہیں۔'' سنبل ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔ جس سے اس کے گالوں کا ڈمپل مزید واضح ہوگیا تھا۔

''میں بھی تم ہی جیسی ہوں کیونکہ میں بھی کبھی مندر بھگوان کا دھنے واد کرنے نہیں گئی۔'' مالا نے مسکراتے ہوئے کہا اور مذہب سے دور یہ دونوں دوستیں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔

کالج سے گھر پہنچ کر مالا بولی۔ ''مجھے اس رات والے واقعے پر آج تک وشواس نہیں ہوتا بھائی۔'' آکاش سے فزکس کے نومیریکل سمجھتے ہوئے مالا کو اچانک اس رات کی یاد آگئی۔

''سچ پوچھو تو مجھے سپنوں پر وشواس نہیں ہوتا۔ ایسے سپنے، جس میں تم ہمیشہ دور گھٹنا میں ہوتی ہو۔ میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں پر بچا نہیں پاتا۔'' فزکس کی کاپی پر جھکی مالا کے معصوم چہرے کو نظروں کی زد میں کئے آکاش سوچنے لگا۔

''مالا! میرے ذہن میں ایک سوچنا آئی ہے۔'' آکاش ایکدم بولا۔

''کیا؟'' مالا آنکھیں پٹ پٹانے لگی۔

''ہم روز مندر جایا کریں گے۔ بھگوان کے چرنوں میں بیٹھا کریں گے۔ جو بھی شکتی ہمارے پیچھے ہے، وہ ہم سے برا تیا چار نہیں کرسکے گی۔'' آکاش کافی پرامید تھا۔

''نہیں! مجھ سے مندر نہیں جایا جائے گا۔ گھنٹوں بیٹھ کر بھجن سننا، رسمیں کرنا اور پھر آخر میں لائن میں لگ کر پرشاد وصول کرنا..... نہ بابا ناں، میرے بس کے یہ کام نہیں۔'' مالا نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکائیں۔ جس پر آکاش نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''ویسے مالا! کبھی کبھی مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ تم نے سنبل جیسی مسلم لڑکی سے اتنی گہری دوستی کیوں کررکھی ہے؟ وہ بھی پتاجی کے منع کرنے کے باوجود۔ اس کا جواب یہی ہے ناں کہ نہ وہ اپنے مذہب کی بھاوناؤں کا خیال رکھتی ہے، نہ تم.....ہے ناں؟'' آکاش فوراً ہی چپ ہوگیا کہ اس کی پتا آرہے تھے۔

''بھئی آج تو بڑا اشبھ دن ہے۔ تم دونوں بغیر لڑے جھگڑے شانتی سے بیٹھے ہو۔'' راج ملہوترا خوش دلی سے کہتے ہوئے آکاش کے برابر میں ہلکے گرے رنگ کے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''کچھ نہیں پتاجی! میں بھائی سے نومیریکل سیکھ رہی تھی۔'' مالا نے بات بنائی کیونکہ دونوں بہن بھائی یہ طے کرچکے تھے کہ اپنے پتا کو اپنے ساتھ بیتے حالات کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ مبادا کہ وہ پریشان نہ ہوجائیں۔

''دیوالی قریب آرہی ہے بیٹا، کل سے مندر میں خاص پوجا شروع ہورہی ہے۔ پنڈت جی کی طرف سے نیوتا آیا ہے شرکت کے لئے، میں چاہ رہا ہوں کہ تم دونوں وہاں جاؤ اور اپنے دھرم کے بارے میں جانو۔'' راج ملہوترا نے رسانی سے بات سمجھائی۔

''نہیں پتاجی! کل تو میں اپنی فرینڈ کے ساتھ پکنک پر جارہی ہوں، بعد میں دیکھی جائے گی۔ باپ کے خاص لاڈ پیار کی وجہ سے مالا کافی خودسر ہوگئی تھی۔ اسی لئے اپنی منوانے میں پل بھر کی بھی دیر نہیں لگاتی تھی۔

''جب مالا آئے گی میں بھی تبھی جاؤں گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مندر۔'' آکاش نے بھی بہن کا سہارا لیا۔ راج ملہوترا اپنے دونوں بچوں کے سامنے بے بس سے ہو کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

''لیفٹ سائیڈ پہ موڑو گاڑی۔'' تارکول کی لمبی سیاہ سڑک پر دوڑتی کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان سنبل کو مسلسل ہدایات مل رہی تھیں۔

''ویسے اچھا ہوتا اگر ہم تاج محل دیکھنے کے لئے اپنے ساتھ کسی اور کو بھی لے چلتے؟'' مالا فرنٹ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں..... ہرگز نہیں..... آئی آئی ڈونٹ لائیک، کہ کوئی ہم دونوں کے اس پروگرام میں شریک ہو، سنبل نے گیئر بدلا۔ آج اس نے اپنی آنکھوں میں کڑکتے ہوئے نیلے رنگ کے لینسز لگا رکھے تھے۔ اس پر افتاد، مسکارا لگی گھنی گھنی پلکیں..... وہ بلاشبہ آج بہت حسین لگ رہی تھی۔

''ویسے سنبل! تمہیں نہیں لگتا کہ فیشن کی حد تم پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تمہارے دھرم میں اس کی اجازت نہیں۔'' مالا نے سنبل کے حلیے پر ایک نظر ڈالی۔ بلیک کلر کی جینز پر بلیو لانگ شرٹ پہنے، لمبے ناخنوں پر گہرے نیلے رنگ کی نیل پالش لگائے، جدید فیشن کے تقاضوں کے عین مطابق پتلی کمان سی آئی بروز کے دہانے پر اڑسے ہوئے سفید جگمگاتے ہوئے موتی، کان کی لو پر پھیلتی چھیدوں کی لمبی قطار اور ان میں موجود ان گنت ناپس اور چھوٹی چھوٹی بالیاں، بھی نیلے رنگ کی چھلوں سے مزین تھیں۔ وہ پہلی نظر میں ہی فیشن کی پرکالہ لگتی تھی۔

''فیشن کی حد مجھ پر ختم نہیں، مجھ سے شروع ہوتی ہے۔ تم نے میری کزن صباء کو نہیں دیکھا، وہ تو فیشن میں میڈونا کو بھی مات دیتی ہے۔ میں تمہیں ایک واقعہ بتاتی ہوں۔''

ایک مرتبہ اس کے کالج میں فنکشن تھا۔ وہ معمول کے مطابق تیار ہوئی۔ امپورٹڈ جوتے، امپورٹڈ جیولری، جدید تراش خراش سے مزین فراک.....''

سنبل اتنے انہماک سے قصہ سنا رہی تھی کہ اسے گاڑی کی اسپیڈ کم کرنا یاد نہ رہا۔ گاڑی ایک خطرناک موڑ کاٹ رہی تھی، جس کے فوراً بعد چڑھائی شروع ہو رہی تھی۔ مالا تو ڈرائیونگ کے معاملے میں بالکل بدھو تھی۔

سنبل اپنی گہری نیلی انگوٹھیوں سے سجے ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے، مالا کی طرف رخ کئے قصہ سنا رہی تھی کہ ایک زوردار جمپ کے ساتھ اچھلی اور بے قابو ہو گئی۔ سنبل نے گھبرا کر کار کو کنٹرول میں کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ تیزی سے گول گول چکر میں گھومتی کار اب بجلی کی سی تیزی سے چڑھائی پر دوڑنے لگی۔

گاڑی میں سنبل اور مالا کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ چڑھائی پر چڑھتے وقت گاڑی نے ایک اور جمپ لیا اور روڈ سے ملحق کھائی میں اترنے لگی۔ کھائی نہایت گہری تھی۔ اس کے کئی نوکیلے حصوں سے ٹکرانے کی وجہ سے کار میں آگ لگ چکی تھی۔ اور یوں یہ آگ کا بہت بڑا گولہ کھائی میں مسلسل اترتا جا رہا تھا۔

''یا اللہ.....'' گاڑی کے انجن سے نکلتی بھڑکتی آگ کے شعلوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر، آج سنبل نے پہلی بار اپنے خالق، اپنے مالک، اپنے اللہ کو سچی پکار کے ساتھ پکارا تھا۔

وہ اللہ..... جو اپنے بندے کی سچی پکار پر متوجہ ہوا اٹھتا ہے۔

''اے کرشن بھگوان! میری رکھشا کرنا۔'' سنبل کی دیکھا دیکھی مالا نے بھی دہائی دی۔ اور بے شک اس نے بھی پہلی بار اپنے بھگوان سے مدد طلب کی تھی۔

☆.....☆.....☆

''مریضہ کے جسم کا چالیس فی صد حصہ جل چکا ہے۔ بہت بیڈ کنڈیشن ہے۔ ہاتھ کی اور پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہیں۔ تاہم ہم کوشش کر رہے ہیں، آپ امید رکھئے۔ ڈاکٹر عاصم نے رسمی طور پر راج ملہوترا کے کندھے پر تھپکی دی۔ برابر میں کھڑے آکاش کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

بارہ گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد بالآخر ڈاکٹرز کے پینل نے یہ خوشخبری دی کہ آپریشن خیریت سے مکمل ہو گیا ہے۔ مالا کو ہوش آنے پر ملاقات ہو سکتی ہے۔

آکاش جوش میں ڈاکٹر عاصم سے لپٹ گیا۔ پھر فوراً ہی جیب سے نقدی نکال کر نرسز اور ہاسپٹل میں بیٹھے غریب افراد کی طرف بھاگا۔

''ملہوترا صاحب! میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ یہ بات کیسے شروع کروں؟ مجھے نہیں لگتا کہ جو بات میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں، وہ سن کر آپ کی خوشی برقرار رہے گی۔'' ڈاکٹر عاصم پرسوچ انداز میں کہا۔

''آپ کہیے ڈاکٹر صاحب! میں سن رہا ہوں۔'' راج ملہوترا کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

''مالا کی کنڈیشن بہت بری تھی۔ ہمیں انہیں بچانے کے لئے مجبوراً ان کی دونوں ٹانگیں اور دونوں بازو کاٹنے پڑے ہیں۔ ہڈیاں چور چور ہو کر بلڈ ویسلز میں گھس گئی تھیں۔ جس سے آرٹریز کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ مالا کی جان بچانے کے لئے ہمیں ایسا کرنا پڑا۔'' ڈاکٹر عاصم نے تفصیلاً سب کچھ بتایا اور آفیشل طریقے سے تسلی دینے کے بعد چل پڑا۔ جبکہ راج ملہوترا دیوار کے ساتھ لگے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

''مریضہ کو ہوش آ گیا ہے۔ آپ مل سکتے ہیں۔'' نرس نے جونہی آ کر بتایا، آکاش فوراً مالا کے روم کی طرف بھاگا۔ راج ملہوترا خالی نظروں سے آکاش کو جاتا دیکھتے رہے۔ ان میں اپنی اپاہج بیٹی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

''بھم..... بھم..... بھائی.....'' مالا نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا کئے۔

''مالا..... کیسی ہو تم؟'' وہ مالا کے سرہانے آ بیٹھا۔

''سس..... سس..... سنبل..... کک کیسی ہے؟'' وہ ہکلا رہی تھی۔

''وہ بالکل ٹھیک ہے مالا، بس کمر اور کندھوں کے درمیان معمولی سا فریکچر آیا ہے۔ وہ اصل میں اس کی طرف والا ڈور پتہ نہیں کیسے کھل گیا تھا، حالانکہ ایسی سچویشن میں تو گاڑی کے دروازے بالکل جام ہو جاتے ہیں۔ زوردار دھکا لگ کر، وہ باہر گرنے کو ہی تھی کہ اس نے کھائی کا قدرے باہر کو ابھرا ہوا نوکیلا حصہ مضبوطی سے تھام لیا اور وہیں ٹک گئی۔ جبکہ تم گاڑی سمیت نیچے کھائی میں جا گری تھی۔ اتنے تک ایمبولینس سروس وہاں پہنچی۔ سنبل کو بحفاظت اوپر لایا گیا۔ اور پھر تمہیں..... خیر چھوڑو، اس کے کرم اچھے تھے اور تمہارے کرموں میں یہ سب لکھا تھا۔'' آکاش نے بات کو آئی گئی ٹھہرایا۔

''اس کے کرم اچھے نہیں تھے بھائی، اس کے بھگوان نے اس کی رکھشا کی تھی۔'' ذہن کی گہرائیوں میں ایک خیال کوندا اور مالا نے آنکھیں موند لیں۔

آکاش دوسرے دن اپنے پتا سے بولا۔ ''پتا جی! مالا کو گھر لے کر آئیں۔ میرا دل بالکل نہیں لگ رہا۔'' کھانے کی میز پر آکاش نے اپنے پتا سے اصرار کیا۔

''ابھی اس کا ٹریٹ منٹ چل رہا ہے۔ دس بارہ دنوں کی تو بات ہے، پھر وہ آ جائے گی۔ تم شانتی سے بھوجن کھاؤ۔'' راج ملہوترا بولے۔

آکاش کھانا زہر مار کر کے اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔ آج موسم دوپہر ہی سے بہت ٹھنڈا تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی بھی بڑھ رہی تھی۔ آکاش نیٹ آن کر کے بیٹھ گیا اور گوگل کی ویب سائٹ کھول کر مختلف چیزیں سرچ کرنے لگا۔ دو تین گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ بالآخر اس پر نیند کا غلبہ ہوا تو اپنے بیڈ پر آ دھمکا اور دیکھتے ہی دیکھتے نیند کی وادی میں کھو گیا۔

ابھی اسے سوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اسے کھڑکی پر ہلکی دستک کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو وہاں کسی وجود کا سایہ سا لہرایا۔

وہ گھبرا کر اٹھا اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ نیچے لان میں کوئی لڑکی تھی۔ جو چہل قدمی کر رہی تھی۔ ''یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی یہاں کہاں سے آ گئی؟'' آکاش کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

اس نے جلدی سے کھڑکی بند کی اور تیزی سے بھاگتا ہوا نیچے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ لان میں آ کر دیکھا تو لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ تاہم اس کی دھیمی دھیمی ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آواز کی سمت میں چاروں طرف بھاگنے لگا مگر لڑکی تھی یا چھلاوہ؟ نظر آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

دفعتاً اسے آواز مین گیٹ سے باہر نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ گیٹ عبور کر کے باہر نکل آیا۔ ہنسنے کی آوازیں اب گلی میں آگے کی طرف جا رہی تھیں۔ آکاش میکانکی انداز میں آواز کے پیچھے چلتا جا رہا تھا۔ رات کے اس پہر گلیاں مکمل طور پر سنسان ہو چکی تھیں۔ مختلف گلیوں کا فاصلہ عبور کرنے کے بعد اب وہ ہاسپٹل کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ ہنسی بہت جاندار تھی...... آواز کی تال پر رقص کرتی مترنم ہنسی......

اب وہ لڑکی آکاش کے سامنے آ چکی تھی۔ جسے آکاش ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ سیاہ کلر کی میکسی زیب تن کئے، سیاہ بال پشت پر بکھرائے وہ مالا ہی تھی۔

مالا ہاتھ کے اشارے سے آکاش کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ مگر جوں جوں آکاش اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اندر کمروں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس مدھر تان پر اڑتی ہنسی کا یہ عالم تھا کہ آکاش کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ مالا تو مکمل طور پر مفلوج ہو چکی ہے۔ اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی گئی ہیں۔ وہ چل پھر نہیں سکتی۔ وہ لڑکی مالا کے کمرے کے عین دروازے پر پہنچ کر غائب ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی آکاش کو بجلی کا جھٹکا سا لگا اور جیسے وہ ہوش کی دنیا میں آ گیا۔

پہلے تو وہ اپنے آپ کو رات کے اس پہر ہاسپٹل میں پا کر بے حد حیران ہوا۔ مگر جب مالا کے روم پر نظر پڑی تو بے اختیار دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مالا کی سانس بری طرح سے اکھڑ رہی تھی۔ اس کا آکسیجن ماسک ڈھلکا ہوا تھا۔ آکاش بھاگ کر اس کے پاس گیا۔ ماسک دوبارہ لگانے کی کوشش کرنے لگا۔ مالا کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ دہشت کی وجہ سے اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اس کا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔

''میں ہوں نا مالا تمہارے پاس...... ڈرو نہیں...... سو جاؤ۔'' آکاش بہن کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ مگر ساتھ ہی وہ اپنے ساتھ تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وہ لڑکی...... اس کی مدھر ہنسی...... پھر ایک خاص اثر کے تحت اس کا یہاں تک آنا...... آخر وہ سب کیا تھا؟

☆......☆......☆

''بھائی! سنبل کا بھگوان ہمارے بھگوان سے زیادہ طاقتور ہے ناں؟'' مالا نے دل میں مچلتی کئی دن کی خلش کا اظہار بالآخر آکاش سے کر ہی دیا۔

''یہ کس نے کہا تم سے؟'' آکاش نے سوپ کا چمچ بھر کر مالا کے منہ میں انڈیلا۔

''ہم دونوں نے ایک ہی دن، ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز مانگی تھی، سنبل کو اس کے بھگوان نے دے دی۔ مگر میں...... اگر میں اپنے کرشن بھگوان کی پوجا نہیں کرتی تھی۔ تو سنبل بھی تو عبادت نہیں کرتی تھی ناں...... میں اگر اپنے دھرم سے دور تھی تو سنبل بھی صرف نام کی مسلمان تھی۔ ہم دونوں نے ہی اپنے اپنے بھگوان سے بس ایک ہی چیز مانگی تھی۔ اور وہ تھا ''جیون۔'' پھر سنبل کو جیون کیوں دے دیا گیا؟ اس کے بھگوان نے اس پر دیا کیوں کی؟ میرے بھگوان نے میرا وشواس کیوں توڑا؟'' مالا روہانسی ہو گئی۔

''مالا...... میری جان۔'' عین اسی لمحے راج ملہوترا اندر داخل ہوئے تھے۔ کیا ہوا مالا کو......؟'' راج ملہوترا نے تشویش سے آکاش کی طرف دیکھا۔

''وہ پتا جی! یہ سوپ نہیں پی رہی تھی۔ میں نے ڈانٹ دیا تو رونے لگ گئی۔'' آکاش نے بات بدلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ مالا نے اسے کچھ نہ بتانے کا اشارہ کر دیا تھا۔

''مالا ڈکری! یہ دیکھو تمہاری رپورٹس..... آج سے ٹھیک دو دن بعد تم ڈسچارج ہو جاؤ گی۔ راج ملہوترا نے لمحہ بھر کا توقف کیا، پھر ہمت کر کے گویا ہوئے۔'' وہ..... وہیل چیئر کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔ مالا بیٹا، تم سوپ پیو، میں ڈاکٹر عاصم سے مل کر آتا ہوں۔'' راج ملہوترا رپورٹس اٹھائے باہر نکل گئے۔

''میں شاید اب زندہ حالت میں گھر نہ جا سکوں۔'' مالا خلاؤں میں گھورنے لگی۔

''کیوں کرتی ہو ایسی باتیں تم؟'' آکاش تڑپ کر اس کے سرہانے آ بیٹھا تھا۔

''وہ مجھے لے جائے گا..... وہ روز رات کو میرے پاس آتا ہے۔ کہتا ہے، چاند کی بارہ تاریخ کو تمہیں لے جاؤں گا۔'' میں تم سے اور پتا جی سے بہت دور چلی جاؤں گی۔ کبھی واپس نہیں آؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں بچا پائے گا۔ میرا بھگوان بھی نہیں..... اور بھگوان مجھے بچائے گا بھی کیوں؟ اس نے تو مجھے اس دن نہیں بچایا تھا، جب میں نے اس سے دیا کی بھیک مانگی تھی۔ ہاں مگر شاید سنبل کا بھگوان..... مگر وہ مجھ پر دیا کیوں کرے گا؟ وہ تو سنبل کا بھگوان ہے۔ میں اسے نہیں مان سکتی۔'' مالا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آکاش میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اسے دلاسا دے سکے۔ وہ تو سکتے کی حالت میں تھی کیونکہ اسے پتہ تھا کہ چاند کی بارہ تاریخ تو کل ہے۔

''آکاش پتر..... چلو گھر چلتے ہیں۔ مالا کے ریسٹ کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' راج ملہوترا شام کے وقت گھر واپس لوٹنے لگے تو آکاش نے ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا۔

''مگر کیوں پتر؟ کل تو مالا نے ویسے بھی گھر آ جانا ہے۔ تم آج رات یہاں رک کر کیا کرو گے۔'' راج ملہوترا نے استفسار کیا۔

''میں نے کہاں ناں پتا جی! میں آج رات مالا کے پاس ہی رکوں گا۔'' زندگی میں آج پہلی بار آکاش ضد پر اتر آیا تھا۔

''او کے پتر! جیسے تمہاری مرضی۔'' راج ملہوترا نے کندھے اچکائے۔ مالا کی پیشانی پر پیار کیا۔ آکاش کو گلے لگایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اوم جے جگدیش ہرے
اوم جے جگدیش ہرے
سارے درد اور دکھ
پل میں دور کرے
اوم جے جگدیش ہرے

بھجن گاتا ہوا آکاش آرتی کا پوتر دھواں مالا کے پورے کمرے میں پھیلا رہا تھا۔ ابھی وہ آرتی کی تھالی لے کر مالا کے قریب ہی آیا تھا کہ ایک جھٹکے سے مالا کی آنکھ کھل گئی۔

''اسے رہنے دو بھائی! میں بھگوان پر وشواس ہار چکی ہوں۔ اس نے میری اچھا پوری نہیں کی۔ ایسی حالت میں جیون گزارنے سے کہیں بہتر ہے کہ میں آتما ہتھیا کر لوں۔'' مالا آج کافی تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

''میں تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گا مالا۔ کسی بھی شکتی کو تم تک پہنچنے سے پہلے میری چتا سے گزر کر جانا ہوگا۔'' آکاش کی آواز بھرا گئی۔

''ایک کام کرو گے بھائی؟'' مالا کی آنکھیں نیم بے جان سی ہونے لگیں۔

''ہاں بولو۔'' آکاش مالا کے منہ سے نکلنے والے تھوک کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے بولا۔

''تم پتا جی یا کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے اور میری بات بھی مانو گے۔ میری سوگند کھاؤ۔'' مالا نحیف سی آواز میں بولی۔

''تیری سوگند مالا۔'' آکاش نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''مم..... میں..... مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔'' مالا کے الفاظ کیا تھے۔ ایک دھماکہ تھا جو اٹیم بم بن کر آکاش پر برسا۔

ہاں بھائی! میں مسلم ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے سنبل

کا بھگوان اچھا لگنے لگا ہے۔ وشواس ہونے لگا ہے اس پر..... کوئی ہے..... جو میرے اندر ہے..... جو مجھے یہ کہہ رہا ہے کہ میں اسلام کی طرف جاؤں..... وہ شانتی کا پرچار کرتا ہے..... مجھے مسلم ہونے دو بھائی..... تاکہ مرنے کے بعد مجھے مکتی مل سکے۔'' مالا کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔

''تم اپنے آپ کو سنبھالو مالا..... مم..... میں کچھ کرتا ہوں۔'' آکاش نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ باہر تیز جھکڑ شروع ہو چکا تھا، اور یہ بات آکاش کے مزید ہوش اڑا رہی تھی کہ آج چاند کی بارہ تاریخ تھی کچھ تھا..... جو وقوع پذیر ہونے کو تھا۔

رات کا ایک بج چکا تھا، آکاش کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ باقی کی رات آرام سے گزر جائے اور وہ دونوں شانتی سے گھر لوٹ سکیں۔

''بھائی..... میرا..... میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' مالا کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔ آکاش نے مالا کی گردن کی طرف نظر کی تو اس کا گلا بری طرح تھرتھرا رہا تھا۔ مالا نے منہ اوپر کو اٹھایا ہوا تھا۔ اسے سانس لینے میں بہت دقت ہو رہی تھی۔

''میں ڈاکٹر عاصم کو بلاتا ہوں۔'' آکاش باہر کی طرف بھاگنے کو تھا کہ مالا کی چیختی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔ ''بھائی..... ڈاکٹر کو مت بلاؤ..... سنبل کو بلا دو، وہ مجھے مسلم کر دے گی۔'' مالا کے لہجے میں التجا تھی۔

''واٹ.....؟ سنبل تمہیں مسلم کرے گی؟ وہ تو خود مسلم پن سے دور ہے۔'' آکاش جیسے چلایا۔

''یہی تو بات میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں بھائی۔ وہ اپنے خدا کی بالکل عبادت نہیں کرتی، اس کے باوجود اس کے خدا نے اس کی رکھشا کی۔ میرے من میں بس وہی بس گیا ہے بھائی۔ سنبل کو جلدی بلاؤ۔ اور اس کے علاوہ یہ کام کسی سے بھی مت لینا، مجھے سنبل کے علاوہ کسی پر وشواس نہیں ہے۔'' مالا کی سانسیں ڈوبنے لگیں۔ ''پتہ نہیں! وہ کہاں ہوگی؟ میں تو ایکسڈنٹ کے بعد سے اس سے ابھی تک نہیں ملا، خیر میں اس کو کال کرتا ہوں۔'' آکاش نے سیل فون نکالا۔

''مالا! یہاں سگنل نہیں آ رہے، میں ذرا باہر جا کر کال کرتا ہوں۔'' تم دھیرج رکھو! تمہاری اچھا ضرور پوری ہوگی۔ آکاش روم سے باہر نکل آیا۔ سگنلز کی تلاش کرتا کرتا وہ ہاسپٹل کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ یہاں ایک گیٹ سڑک کی طرف کھلتا تھا۔

سنبل کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا۔ مالا کی دوستوں میں وہ صرف سنبل کو ہی جانتا تھا۔ اس لئے کسی اور سے مدد کا تصور بھی محال تھا۔

''بیٹا! مجھے یہ پرچی والی دوائیاں تو لا دو، اگر یہ ابھی نہ ملیں تو میرا بچہ مر جائے گا۔ جا بیٹا! بھاگ کے لے آ۔'' چادر میں لپٹی ہوئی ایک فربہی مائل عورت آکاش سے مخاطب تھی۔

''مگر اماں! اس سے تو ساری دکانیں بند ہوتی ہیں۔ اور جو کھلی ہیں، وہ یہاں سے بہت دور ہیں۔'' آکاش نے معذرت چاہی۔

''میں تیرے پیر پکڑتی ہوں بیٹا! مجھے یہ دوائیاں لا دے ورنہ میرا بچہ مر جائے گا۔'' عورت نے جھک کر آکاش کے پیر پکڑنے چاہے مگر آکاش جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ ''اچھا اماں! لاؤ ادھر دو پرچی۔'' آکاش نے پیسے اور پرچی پکڑی اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔

جاتے ہوئے آکاش کی پشت کو دیکھتی، فربہی مائل عورت معنی خیز انداز میں مسکرائی اور ایک طرف کو لگے پیپل کے پرانے پیڑ کی طرف بڑھنے لگی۔ رات کے اس سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ پیپل کے پرانے پیڑ کی طرف بڑھتی اس عورت کے پاؤں الٹے تھے۔

بغیر کوئی آواز پیدا کئے کنڈی مسلسل سرک رہی تھی بالآخر۔ ''کڑچ'' کی آواز کے ساتھ ہی لاک لگ چکا تھا۔ مالا نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اس کے بیڈ کی پچھلی سائیڈ پر کوئی وجود کھڑا تھا مگر وہ اس قابل کہاں تھی کہ اٹھ کر دیکھ سکتی۔ بس پڑے پڑے ہی لاحاصل ادھر ادھر گردنیں مارنے لگی۔

اب وہ وجود سرک کر ہولے ہولے اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے آرہا تھا۔ اس کے بھاری قدموں کی چاپ میں چرچراہٹ کی آواز پنہاں تھی۔

وہ سامنے آیا تو مالا کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کا حلیہ ہی اتنا عجیب تھا۔ چمکتی دمکتی نڈ کے عین بیچوں بیچ، بالوں کا گھنا سا جوڑا پتہ نہیں کہاں سے آ گیا تھا؟ کانوں میں دھات کے مڑے تڑے بالے پہن رکھے تھے۔ ماتھے پر سیندور کے رنگ کا ٹیکا لگا رکھا تھا۔ اس کے ارادے بہت خطرناک لگتے تھے۔

''آج چاند کی بارہ تاریخ ہے۔ میں تجھے ''کالکا'' کے حکم پر لینے آیا ہوں۔ تجھے یاد ہے؟ آج سے ٹھیک سترہ برس پہلے جب تو اس سنسار میں آنکھ کھولنے والی تھی، تو تیری ماتا کی ہسپتال جاتے ہوئے گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ تیری ماتا کو اسٹریچر پر ڈال کر باقی کا فاصلہ پیدل طے کیا تھا۔ اس رات بہت آندھی تھی۔ وہ پونم کی رات تھی۔ آج بھی پونم کی وہی رات ہے۔ کالکا کے چیلے وہیں درختوں کی شاخوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک کی نظر تیری ماں پر پڑی۔ یوں کالکا نے اپنی شکتی بڑھانے کے لئے کئے گئے مہان جاپ کی بلی کے لئے اس بچی کا چناؤ کرلیا، جس نے کچھ منٹ بعد اس سنسار میں آنا تھا۔

میں تو ایک کارن ہوں، تجھے کالکا تک لے جانے کا..... اس کے بعد میرا کام ختم.....'' اس عجیب وغریب انسان نے اپنا ہاتھ مالا کی طرف کیا۔ اس کے ہاتھ سے عجیب طرح کی شعاعیں نکلنے لگیں اور پھر وہ شعاعیں مالا میں جا کر پیوست ہونے لگیں۔ اسے اپنے بدن میں جھٹکے سے لگتے محسوس ہوئے۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے دھڑ کو ایک طرف کھسکانا شروع کردیا۔ مگر یہ سب اتنا آسان کب تھا؟ وہ کسی بے جان لوتھڑے کی مانند نیچے زمین پر آ گری اور اس میں اٹھنے اور کروٹ بدلنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اور پھر اس وجود نے اپنی مٹھی بند کر کے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنے لگا جیسے کسی چیز کو اپنے وش میں کر رہا ہو۔ مالا کی ناک سے سفید دھواں نکلا اور اس وجود کی مٹھی میں سما گیا۔

یوں وہ کلی مرجھا گئی۔ جس نے سترہ سال تک اپنے باپ راج ملہوترا، بھائی آکاش ملہوترا کے آنگن کو اپنی خوشبوؤں سے مہکائے رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

شمشان گھاٹ پر ایک رقت طاری تھی۔ تمام لوگ افسردہ کھڑے تھے۔ لکڑیاں سیٹ کی جا رہی تھیں۔ لال جوڑے میں ملبوس، میک اپ سے سجی سنوری مالا یوں لگ رہی تھی، جیسے ابھی آنکھیں کھول دے گی۔

سفید چادر کندھوں پر ڈالے، انیس سالہ آکاش ایک طرف کو بالکل ساکت کھڑا تھا۔ آج وہ بہت اجڑا ہوا لگ رہا تھا۔

مالا کی چتا کو لکڑیوں پر رکھ کر اب اس کے اوپر مزید لکڑیاں رکھی جا رہی تھیں۔

''چتا کو آگ دے دی جائے۔'' پنڈت نے کہا اور اس کے ساتھ ہی مختلف قسم کے اشلوک پڑھنا شروع کردیئے۔

راج ملہوترا وہیں زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کی چتا کو آگ دیتے۔ اس لئے اب یہ ادھیکار آکاش کے پاس آیا تھا۔

آکاش نے میکانکی انداز میں شعلہ بھڑکتی لکڑی تھامی اور مالا کی چتا کی طرف بڑھنے لگا۔

''یہ جو ہیروں کی کان سے نکلتا ہوا، سب سے پہلے نمبر پر بڈھا بونا ہے ناں۔ یہ تم ہو بھائی۔''

''تمہارے تو بھائی بس دو ہی کام ہیں۔ یا تو کمپیوٹر پر بیٹھے رہنا، یا پھر مزے مزے کے بھوجن کھانا، میں نے نہیں بنانے پکوڑے۔''

''نہیں ہوں میں پیاری بہن.....''

''مم..... میں..... مسلم ہونا چاہتی ہوں بھائی۔''

مالا کی آوازیں اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گونج رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں فضا میں مالا کی چتا کے جلنے کی بو آ رہی تھی۔ لوگ شمشان گھاٹ سے واپس لوٹ رہے تھے۔ آکاش بھی ٹوٹا بکھرا سا، بے جان قدموں سے باہر آ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بلیک گاڑی میں بیٹھی ایک لڑکی پر پڑی جو زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ وہ لڑکی آکاش کو کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ سیاہ گاؤن میں ملبوس، سفید دمکتے نورانی چہرے کو سیاہ رنگ کے اسکارف میں قید کئے وہ کوئی اور نہیں ''سنبل'' ہی تھی۔ اس کے لمبے ناخن سرے سے ہی غائب تھے۔ بھنوؤں کے کنارے جڑے موتی بھی اتروا دیئے گئے تھے۔ لپ اسٹک سے بے نیاز، قدرتی عنابی ہونٹ..... اس نے آکاش کو دیکھا تو گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

آکاش کے ڈھیروں گلے شکوے کرنے کے بعد بالآخر وہ گویا ہوئی۔

''میں نے موبائل فون کا استعمال ترک کردیا ہے آکاش۔ ایکسیڈنٹ کے بعد میں الہدیٰ سینٹر چلی گئی تھی۔ وہاں ''الہدیٰ'' سینٹر سے تربیت لی۔

پتہ ہے آکاش؟ ہماری ایک بہت معتبر ہستی ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کا ایک قول ہے۔

''میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔''

میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب میں اپنی زندگی کھونے کو تھی، تب مجھے اپنے رب کی یاد آئی۔ اور اس نے میری جان بچا کر مجھ پر یہ ثابت کردیا کہ وہ میرا رب ہے۔ جو کہ ہر چیز پر قادر ہے جو سب کی ہر وقت سنتا ہے۔'' سنبل اپنی آنکھوں میں نمی لائے اور بھی نہ جانے کیا کیا بولتی رہی مگر آکاش آگے بڑھنے کو ہی تھا کہ ایک بھاری آواز نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔ نوری علم کے ماہر پروفیسر جلال الدین تھے، جو سنبل سے لفٹ لے کر اپنے گھر جا رہے تھے۔

''مجھے ایسا کیوں لگتا ہے؟ کہ مالا کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے تو ہسپتال سے ڈسچارج ہو جانا تھا ناں۔

نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی اور سیرت پر بچوں کے لیے اچھی اور آسان کتاب

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف

اقبال احمد مدنی

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے یعنی مدرسہ یا کتب میں کہیں تعلیم نہیں پائی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ آپ کا معلم تھا۔ قرآن کریم آپ پر نازل ہوا جو ساری دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم سب قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں۔ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم تک پہنچا ہے اور تمام نبیوں کی آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں آج تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

قیمت -/30 روپے

اپنے قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

شمع بک ایجنسی
نوید اسکوائر اردو بازار کراچی
Ph:2773302

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اچانک ایسا کیوں ہوا؟ آکاش بولا۔

جلال الدین گاڑی سے باہر نکل آئے۔ جواباً آکاش نے نظر بھر کر جلال الدین کو دیکھا اور آگے چل دیا۔ وہ اپنے معاملوں میں اپنے دھرم سے الگ لوگوں پر یقین نہیں کرسکتا تھا۔

''بہت دکھی ہے یہ سر! بہت پیار کرتا تھا اپنی بہن سے۔'' سنبل نے جلال الدین کو بتایا۔

''آج رات میں اس کی بہن کی موت کا سبب جاننے کی کوشش کروں گا، کل تم اس لڑکے کو میرے پاس یاد سے بھیجنا۔'' جلال الدین پرسوچ انداز میں بولے جبکہ سنبل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں آپ کی بات کا وشواس کیسے کروں؟'' آکاش نے تمام ماجرا جان لینے کے بعد جلال الدین سے استفسار کیا تھا۔

''میرا علم..... میری بات کا ثبوت ہے۔'' جلال الدین نے مان سے کہا۔

''اگر یہ سچ ہوا تو میں کالے علم کے پجاری کالکا کا خون کردوں گا۔'' آکاش نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''کالکا نامی وہ شخص یہاں سے کوسوں دور ''دھراوی جھونپڑ بستی'' میں رہتا ہے۔ اسے ڈھونڈ لینا آسان کام نہیں۔ وہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی جھونپڑ بستی ہے، جہاں چھ سے آٹھ لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ اتنے بندوں میں کالکا کو ڈھونڈ نکالنا انتہائی مشکل کام ہوگا۔'' جلال الدین نے تفصیل سے سمجھایا۔

''میں اپنی بہن کے قاتل کو زمین کے پاتال سے بھی نکال لوں گا، بس آپ مجھے دھراوی جھونپڑ بستی کا راستہ سمجھا دیں۔'' آکاش فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوا۔

''بمبئی کے قریبی علاقوں ماہم، باندرہ، دادر اور سون کے قریب ہی دھراوی جھونپڑ بستی شروع ہوجاتی ہے۔'' جلال الدین نے جواب دیا۔

''آپ کا بہت دھنے واد..... میں ابھی وہاں کے لئے نکل رہا ہوں، اگر بھگوان نے چاہا تو پھل ہو کر ہی لوٹوں گا۔'' آکاش اٹھ کھڑا ہوا۔

''جاؤ بیٹا! اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔'' جلال الدین نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''آپ کا اللہ تو آپ کا رب ہے ناں؟ وہ میری مدد کیسے کرسکتا ہے؟'' آکاش بولا۔

''نہیں بیٹا! ہماری مقدس کتاب قرآن مجید میں ہمارا رب کہتا ہے کہ ''وہ تمام جہانوں کا مالک ہے، تمام مخلوقات اسی کی ہیں۔ وہ سب کا رب ہے۔ جو اس کو مانتے ہیں ان کا بھی..... جو اس کے نہیں مانتے، ان کا بھی..... ہاں مگر اس کی رحمت اس کی رضا کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کو پکارنے کے لئے سچا من چاہیے، سچی پکار کو وہ ضرور سنتا ہے۔'' جلال الدین مسکراتے ہوئے یہ سب کہہ رہے تھے اور آکاش نظریں چراتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

دھراوی جھونپڑ بستی میں انسانوں کا ایک جنگل بسا پڑا تھا۔ ایک پل کے لئے آکاش کو یوں لگا، جیسے اس نے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کردی ہو۔ وہ کبھی کالکا کو نہیں دیکھ سکے گا۔ مگر پھر بھی اس نے ہمت جمع کی۔ اور سارا دن بستی میں خوار ہوتا رہا۔ ایک بات تو اس نے طے کر رکھی تھی کہ وہ یہاں سے اپنے مقصد کو حاصل کئے بنا نہیں جائے گا۔

''بابا جی! پانی ملے گا؟'' جانے کیوں اس کے دل نے اسے اس جھونپڑی کے پاس آرکنے پر مجبور کیا تھا۔ بعض دفعہ ہماری چھٹی حس ہمارا بہت ساتھ دیتی ہے۔ آکاش جواب کا منتظر رہا، مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ مجبوراً وہ پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔

اندر ایک گھسی پٹی سی چٹائی پر ایک سوکھا سڑا سا آدمی لیٹا تھا۔ اس کے جسم پر سوائے ایک سیاہ لنگوٹ کے کچھ بھی نہ تھا۔ اس کی پسلیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ پروفیسر جلال الدین نے کالکا کی جو جو نشانیاں بتائی تھیں وہ ساری اس آدمی پر اترتی تھیں۔ آکاش نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سامنے پڑا ترشول اٹھا لیا اور اس شخص کے سینے

میں گھونپ دیا، خون کا ایک فوارہ بلند ہوا۔ وہ مطمئن سا ہوکر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہی تھا کہ اسے کسی کی مکروہ ہنسی کی آواز آئی۔

''تو کیا سمجھتا ہے؟ مجھے مارنا اتنا آسان کام ہے؟ برسوں کی تپسیا کی ہے میں نے..... مہان شکتی ہے مجھ میں۔'' کالکا ہنسی کٹی حالت میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

آکاش دیوانوں کی طرح اس کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ وہاں سے غائب ہوچکا تھا۔ اس نے باہر جانے کے لئے رخ کیا تو جھونپڑی چاروں طرف سے بند ہوگئی تھی۔ باہر جانے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کچھ دیر وہ یونہی گومگو کی کیفیت میں کھڑا رہا۔ بالآخر جوش میں آکر جھونپڑی کی حالت بگاڑنا شروع کردی۔ جگہ جگہ لگے انسانی ڈھانچے اور ان کے سر نوچ پھینکے۔ مٹی کی ہنڈیاں، جن میں سات قسم کی دالیں پڑی تھیں، وہ بھی توڑ ڈالیں۔ انسانی پتلے بھی ریزہ ریزہ کردیئے اور ایک بکس، جس میں ڈھیر سارے لیموں میں خون آلود سوئیاں گھسی پڑی تھیں، وہ بکس بھی تہس نہس کردیا۔ ان سب کا اثر یہ ہوا کہ جادو کا زور کم ہوگیا تھا۔ اب اسے باہر نکلنے کا راستہ نظر آرہا تھا۔ باہر ایک ویرانی کا عالم تھا۔ شاید سب لوگ گہری نیندوں میں تھے۔

اس نے دیکھا، کالکا ایک ٹانگ پر لنگڑاتا ہوا تیزی سے اس کی طرف آرہا تھا۔ آکاش نے جھک کر ایک اینٹ اٹھائی اور اس کے منہ کا نشانہ لے کر دے ماری۔

وہ اس حملے پر آپے سے باہر ہوگیا۔ اور منہ ہی منہ میں جانے کیا پڑھ پڑھ کر اپنے گرد اپنے بیر حاضر کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر آکاش حیرت زدہ رہ گیا کہ ان میں وہ سیاہ میکسی والی لڑکی بھی تھی جو اسے مالا کے روپ میں نظر آئی تھی۔ اور وہ دوائیوں کی پرچی والی عورت بھی تھی۔

آکاش نے سرپٹ دوڑ لگا دی۔ وہ سب اس کے پیچھے..... ''ہاوہو..... ہاوہو۔'' کی آوازیں لگاتے دوڑ رہے تھے۔

کالکا کی جھونپڑی بستی کی اوائل حدود میں ہی تھی۔ اسی لئے وہ جلد ہی بستی سے نکل آیا۔ اس کے پیروں سے جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔ وہ ایک درخت کے پاس سے گزرا تو کسی کی ٹانگوں میں الجھ کر گر پڑا۔ وہ ٹانگیں اوپر درخت کی ٹہنی پر بیٹھے کالکا کی ٹانگیں زمین تک آرہی تھیں۔

ان ٹانگوں نے سانپ کی طرح اس کی کمر کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا۔ آکاش کو پتہ ہی نہ چلا کہ کب اس کے ہاتھ کی انگلی میں موجود لوہے کی انگوٹھی ان ٹانگوں سے ٹکرائی اور کالکا کی ٹانگیں فوراً ہی غائب ہوگئیں۔ دم گھٹنے کی وجہ سے اس کے منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہوگیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ لڑکھڑاتا ہوا، بے جان قدموں سے آگے کی طرف بھاگا۔

وہ سب ابھی بھی آکاش کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ شاید وہ اس کی زندگی کا تماشا بنانا چاہ رہے تھے..... آکاش کو بھگا بھگا کر تھکا دینا چاہتے تھے..... مگر وہ زندگی کی چاہ میں دوڑے جارہا تھا..... ان سب میں سب سے آگے کالکا تھا۔

''لگتا ہے، تجھے اپنی بہن کی بہت یاد آرہی ہے؟'' تجھے اس کے پاس بھیجتا ہوں۔'' کالکا اپنی مکروہ آواز میں بولا اور ہنسنے لگا۔

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہوگئی تھی۔ آکاش کی طاقت ناگفتہ تھی، وہ بالکل نڈھال ہوچکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے اس کی نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر موجود ایک مسجد پر پڑی۔ جس کے اونچے مینار دور سے ہی نظر آرہے تھے۔

وہ کون تھا؟ جس نے اندھا دھند بھاگتے آکاش کا رخ مسجد کی طرف کیا تھا۔

وہ کون تھا؟ جس نے اپنی چاہت اور عظمت، مالا کے دل میں ڈال دی تھی۔

وہ کوئی تو تھا..... جو آکاش کی سچی پکار کا منتظر تھا۔

''بھائی..... م..... میں مسلم ہونا چاہتی ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبل کا بھگوان میرے من میں آ کر بس گیا ہے۔'' مالا کے آخری الفاظ آکاش کو یاد آنے لگے۔اس کی نظروں کے سامنے مسجد کے بلند وبالا مینار تھے۔اور اس کے پیچھے شیطانی طاقتیں تھیں۔

''وہ تمام مخلوقات کا رب ہے...... ان کا بھی، جو اس کو مانتے ہیں...... اور ان کا بھی، جو اس کو نہیں مانتے...... شرط بس یہ ہے کہ اس کو من کی سچی پکار سے پکارا جائے۔''

پروفیسر جلال الدین کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔اس نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور ''گیتا'' کا مقدس باب، جو اسے ازبر تھا، پڑھنے لگا۔ اس اثناء میں کالکا کا ہاتھ لمبا ہوا اور آکاش کی گردن دبوچ لی، آکاش کی آنکھیں باہر ابل پڑی تھیں۔

''تجھے میں زندہ نہیں چھوڑ سکتا، تو میرے لئے کچھ بھی اشکن کر سکتا ہے۔'' کالکا کی مکروہ آواز گونجنے لگی تھی، سیاہ میکسی والی لڑکی بھی اس کے سامنے آ گئی تھی۔اس نے کالکا کا ہاتھ ہٹانے کے لئے اپنا ہاتھ کالکا کے ہاتھوں پر رکھ کر اسے ہٹانے کی کوشش کی۔سیاہ میکسی والی لڑکی نے وہیں کھڑے کھڑے منہ کھولا اور اس کے دانت وہیں سے نوکیلے اور لمبے ہو کر، آکاش کے ہاتھوں میں پیوست ہو گئے۔

آکاش کی چیخیں فضا کو پھاڑ رہی تھیں

یکا یک اسے یاد آیا کہ اس کی لوہے کی انگوٹھی نے اس کا ساتھ دیا تھا۔اس نے فوراً اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔مگر انگوٹھی تو انگلی سے غائب ہو چکی تھی۔

وہ مسجد کے بالکل سامنے تھا مگر اندر جانے کی ہمت وطاقت نہ تھی۔وہ وہیں بے دم سا ہو کر ڈھے گیا تھا۔کالکا کے پیر اس کے اوپر چڑھ کر کودنے لگے۔جیسے اپنی جیت کا جشن منا رہے ہوں۔اس کی سانسیں اس کے سینے میں اٹکنے لگی تھیں۔

کالکا اس کی گردن پر جھکنے لگا۔کہ کالے علم کی بدولت اب اس کے لئے انسانی خون پینا معمول بن گیا تھا۔درد اور تکلیف سے بوجھل آنکھوں سے آکاش نے دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے، شانوں پر کالی زلفیں بکھرائے اس کی بہن ''مالا'' دونوں بازو کھولے مسکراتے ہوئے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

آکاش نے اپنے بے جان ہوتے جسم کو تھوڑا سا آگے کی طرف کھسکایا۔اور اپنی پوری ہمت جمع کر کے اپنا کٹا پھٹا، خون آلود ہاتھ مسجد کی پہلی سیڑھی پر رکھ دیا اور اس کے منہ سے اچانک نکلا۔''اللہ اکبر'' ...... اس کے بعد اس نے گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔تاہم بے ہوش ہونے سے قبل اس نے بہت ساری چیخوں کی آوازیں سنی تھیں۔

''سب توڑ تانا بانا...... لے نال تجھ کو جانا...... آسمان سے پرے......'' گانے کی مدھر تان پر گردن ہلاتی، چیونگم چباتی، مدھو شرما'' گاڑی سڑک پر دوڑائے جا رہی تھی۔

''آکاش......؟'' وہ حیرت سے چلائی اور گاڑی ریورس کی، جہاں اس کا ماموں زاد آکاش اپنی قمیض کی آستین کہنیوں تک فولڈ کئے کھڑا تھا۔

''آکاش کے بچے......! تجھے پتہ ہے؟ ماما جی تیرے بناء کس دور گھٹنا سے گزر رہے ہیں۔اور تو پتہ نہیں کہاں غائب تھا؟ چل میرے ساتھ، ماما جی تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔'' مدھو نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔

''آکاش نہیں...... محمد علی نام ہے میرا......'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''محمد علی......؟'' یہ سن کر مدھو پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔

مگر وہ اردگرد کے ماحول سے لاتعلق سا ہو کر، سڑک کے قریب بہتی ندی کے کنارے بیٹھ کر وضو کی تیاری کرنے لگا۔

''اللہ اکبر...... اللہ اکبر......'' فضاء میں عصر کی اذانیں گونج رہی تھیں۔

سب سے پہلے تو اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر کیا جائے وہ کم ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مجھ معمولی لکھنے والے کی تحریر کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ چھپتے ہی جوق در جوق فون آنے لگے۔کوئی ملاقات کے لئے سرکار سے وقت مانگ رہا ہے، تو کسی کو اپنے خواب کی تعبیر جاننے کی فکر پڑی ہے تو کوئی اولاد نرینہ کے لئے بے حال و پریشان ہے، تو کسی کو اپنی روٹھی ہوئی بیگم کو گھر لانے کی فکر ستا رہی ہے، تو کوئی کہہ رہا ہے سرکار میری بچی کی شادی کے لئے دعا کر دیں۔کسی کو فکر ہے کہ کاروبار تباہ ہے۔گھر میں فاقے پڑے ہیں۔بس سرکار ایک بار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیں۔بے شمار دوستوں نے مبارکباد دی کہ سرکار کی خدمت میں اتنے برس ہو گئے ہیں واقعات تو چند ہی لکھے ہیں کئی مریدین بھی ناراض کہ ہمارا واقعہ کیوں نہیں لکھا۔اب کیا بتاؤں کہ لکھتے وقت بہت سی گفتنی ناگفتنی رہ جاتی ہے۔سرکار کو میگزین دکھایا تو مسکرائے اور پھر بولے ''رہے نام اللہ کا۔!'' سبحان اللہ نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پرواہ۔ایسی بے نیازی اللہ والوں کو ہی زیبا ہے کہ بس لگے جا رہے ہیں خلق خدا کی خدمت میں، اور خلق کا آقا بھی اپنے فضل وکرم کا دریا بہائے جا رہا ہے۔آؤ پیارو! آؤ! لوٹ لو رحمت کے ساون کے موتی۔سرکار سے اجازت لی کہ اگر ہر ماہ ہی یہ محفل سجائی جائے تو کیسا رہے گا؟۔دوسری طرف برادرم خالد کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر خلق خدا کو کچھ فائدہ ہے ان کی صحیح راہ نمائی ہو رہی ہے تو اس سلسلے کو جاری و ساری رہنا چاہئے تا کہ آخرت کے لئے اعمال کی کھیتی چلتی جائے۔الٰہی آمین۔

محفل کے آغاز سے قبل 11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر سرکار مدینہ کا حق ادا کریں کہ رونق کائنات، مقصود زندگی آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہے۔انشاء اللہ

پہلی سطور میں اسلام آباد کی رابعہ جلیل، کراچی خولہ ادریس، محمد جمیل، پاکپتن شریف سے محمد انوار، سیالکوٹ سے شریف احمد نے سرکار کے لئے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ تحفے تحائف بھیجے ہیں۔سرکار کا جواباً آپ اور آپ سب کے اہل خانہ کے لئے بہت دعائیں اور پیار۔اسی طرح ریحانہ رضوی گوجرانوالہ، عذرا بتول حیدر آباد، غلام ابڑو لاڑکانہ سندھ نے بھی بہت عقیدت اور محبت سے مرید بننے کے لئے سرکار کے حضور درخواست گذاری ہے۔مبارکباد آپ سب کو کہ قادری سرکار نے آپ سب کو اپنی بیعت میں داخل فرمالیا ہے اور آپ سب کو باقاعدہ وظیفے ارسال کئے جا رہے ہیں ان کا ورد کرتے رہئے۔اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں کامیاب فرمائے۔الٰہی آمین۔بہن بشریٰ بھٹی نے گجرات اور بھائی سعید اختر نے محمد کوٹ سے اپنے اپنے تجربات کا اظہار کیا ہے۔تصور ذات کے حوالے سے سنا تھا کہ اسم ذات کا مراقبہ کرنا چاہیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کا قادری سرکار کے متعلق مضمون اتفاقاً دیکھا پڑھا تو نجانے کیوں دل نے سوچا کہ اسم ذات کی منزل سے پہلے اگر تصور شیخ کا مراقبہ کیا جائے تو کیسا رہے۔ میں نے اپنے مرشد پاک کا تصور کیا تو رات میں خواب دیکھا کہ مرشد فرما رہے ہیں کہ اب تمہارا حصہ قادری سرکار کے پاس ہے۔ سبحان اللہ! میرے مرشد کی گواہی نے تو قادری سرکار کے مقام اور مرتبے کو ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ بہن بشریٰ اور بھائی سعید اختر صاحب یہ تو دنیا ہی اور ہے یہاں سب ایک ہیں۔ محبت ہے، نور ہے، پیار ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کے مرشد کو سلامت رکھے۔ آمین

ریحانہ بیگ نے راولپنڈی سے خط لکھا ہے کہ ان کی بیٹی کی عمر ماشاء اللہ 27 برس ہو گئی ہے مگر ابھی تک کوئی سبیل رشتے کی نہیں بن رہی ہے۔ امام بری سرکار کے روضے کی زیارت کے دوران وہاں ایک بزرگ نے بتایا کہ بچی اوپری نظر کا شکار ہے۔ جس کے باعث اس کی شادی کا مسئلہ اٹکا ہوا ہے۔ ہزار کوشش کی ہے مگر اس کے باوجود کوئی معاملہ نہیں بنا۔ قادری سرکار سے دعا کی التجا ہے۔ بچی کے گلے میں ڈالنے کے لئے کوئی تعویز بھی عنایت ہو جائے تو کرم ہوگا۔ بہن پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے سرکار فرماتے ہیں کہ "یا لطیف یا فتاح" ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ پڑھیں معہ اول آخر درود شریف۔ اور خوب گڑگڑا کے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ضرور رشتے کا سبب بنے گا اور حسب توفیق صدقہ کرتے رہیں۔ بچی کے لئے تعویز ارسال کیا جا رہا ہے۔

محمد سہیل ترمیلا سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محبت کی شادی میں کامیاب ہوا۔ ازدواجی زندگی ہر طرح سے کامیاب ہے جو شادی کے خلاف تھے وہ بھی اب بیگم کے سلیقے اور مزاج دونوں ہی کا دم بھرتے ہیں۔ مگر سینکڑوں دعاؤں کے باوجود ابھی تک اولاد کا گوہر مقصود حاصل نہ ہوا ہے۔ سرکار کے تذکرے میں آپ نے اولاد کے حوالے سے علاج در تعویم کا ذکر فرمایا ہے کیا یہ عمل سرکار میرے لئے تجویز فرما دیں گے۔ ہر طرح کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ بس سرکار کی عنایت ہو جائے بہت بہت ممنون رہوں گا۔ نجانے کیوں مجھے یقین سا ہو گیا ہے کہ اب قادری سرکار کے آستانے سے ہی مجھے منزل مراد ملے گی۔ بھائی محمد سہیل۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حسن عقیدت کو اپنے فضل سے قبولیت عطا فرمائے اور قادری سرکار کی دعاؤں سے آپ کو گوہر مراد عطا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر قارئین مبالغہ آرائی نہ سمجھیں تو گزشتہ بیس پچیس برسوں میں اس حقیر فقیر سرکار کے دیوانے نے سینکڑوں کو داسن مراد بھرتے پایا ہے۔ مگر لوگوں کو پلٹ کر آتے کم ہی پایا ہے سرکار فرماتے ہیں ہمارا کام دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی رحمت اپنے بندوں پر برسنے کے لئے بیقرار رہتی ہے۔ آپ خاطر جمع رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور نعمت اولاد سے نوازے گا۔ آپ کی بے حد فرمائش پر اولاد کے لئے علاج در تعویم ارسال ہے ساتھ میں آپ کے لئے اور آپ کی بیگم کے لئے پڑھنے کے کچھ وظائف ہیں ان کی پابندی کیجئے گا اور چند ماہ میں خوشخبری کا خط لکھئے گا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اولاد کے ہمراہ تشریف لائیے گا۔ انشاء اللہ

آستانہ عالیہ قادری سرکار کی بات ہی کیا۔ یہ تو محبت اور پیار کی محفل ہے۔ سکون و محبت کی بارگاہ ہے۔ یہاں پر عامی اور خاصی سب ہی حاضر ہوتے ہیں۔ قادری سرکار فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں میں تعارف کا ایک ہی ذریعہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس دائرہ ایمان کے بعد تمام مسالک، تمام فرقے اسلام کی شاہراہیں ہیں۔ سب سے محبت کرو، پیار کرو۔ ہر مسلک ہر فرقہ قابل احترام ہے۔ ہم سب کو بحیثیت قوم، اپنی شریعت اور اپنی مملکت سے وفادار رہنا ہے۔ سرکار کے مریدوں اور عقیدت مندوں میں تمام مسالک اور فرقوں کے ساتھ ساتھ سکھ، ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ سرکار کی محبت اور دعائیں سب کے لئے ہیں اس کا صحیح اندازہ ہی لوگ لگا سکتے ہیں جو کہ سرکار کے آستانے سے باقاعدہ منسلک ہیں فقط میری گواہی تو کار وائی ہی ہے۔ سبحان اللہ! کیا سیاسی، کیا سماجی، کیا مذہبی۔ سیاسی رہنما، سماجی کارکن، مذہبی جماعتوں کے سرکردہ افراد، وکلا، شوبزنس کے لوگ غرض کہاں تک بتاؤں کہاں تک سناؤں۔

ساجدہ اعوان منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ سرکار کا تعارف آپ کے قلم اور تحریر کی معراج ہے کتنے خوش نصیب ہیں آپ جو ایسی ہستی کے ساتھ رہتے ہیں جو بلاشبہ اپنے وقت کے ولی اور آفتاب ولائیت ہیں۔ میری بھی درخواست سرکار کے حضور گزار دیں کہ میری شادی کو سولہ برس ہو گئے ہیں اللہ کا مال چار بچے ہیں مگر گھر بلو سکون قطعاً میسر نہیں۔ میری اصل بدقسمتی یہ ہے کہ میں اپنے شوہر کی پیاری ہوں اور پیار کا یہ بھروسہ میں نے دن رات کی محنت اور شوہر کی مکمل

غیر مشروط اطاعت سے حاصل کیا ہے۔ مگر میری نندوں اور ساس صاحبہ کو میرے میاں کی محبت پسند نہیں آتی۔ وہ زبان کے تیر و نشتروں سے ہر وقت گھر کا ماحول مکدر بنائے رکھتی ہیں۔ میرے شوہر اور میں دونوں ہی اس صورت حال سے بری طرح زچ ہو چکے ہیں۔ شوہر محبت اور مروت میں چپ رہتے ہیں۔ مگر اس کا اثر میرے بچوں پر بہت برا پڑ رہا ہے۔ اگر بچے ابتداء ہی سے لگائی بجھائی، غیبت، جھوٹ کا ماحول دیکھیں گے تو پھر ان کی ذہنی نشوونما تباہ ہو جائے گی۔ میں سخت پریشان ہوں۔ سرکار سے دعا کروا دیں اور ساتھ میں کوئی نقش ایسا عنایت فرما دیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے۔ بہت بہت شکر گزار ہوں گی۔ بہن ساجدہ اعوان۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسی محبت کرنے والی بیوی اور بہو ہر گھر کو عطا کرے۔ کتنا صحیح فرمان عالی شان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ فرمایا۔ "نیک عورت بہت بڑا خزانہ ہے۔" اللہ تعالیٰ ہر بیوی کو شوہر کی محبت اور اطاعت عطا فرمائے۔ آمین۔ تحریر پسند کرنے کا شکریہ سرکار فرماتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ "یا شہید یا رقیب" پڑھ کر دعا کر لیا کریں۔ آپ کو نقش ارسال کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ مسائل حل فرمائے۔ آمین

رحمت اللہ شیخ میاں چنوں سے رقم طراز ہیں۔ میں ڈائجسٹ نہیں پڑھتا۔ اتفاقاً میرا بیٹا جو بی اے میں پڑھتا ہے۔ محمد بلال شیخ وہ لے آیا میری بیگم اس سے لیکر ورق گردانی کرنے لگی۔ پھر اس کی نظر آپ کی تحریر پر پڑی، سرکار کی تصویر کو غور سے دیکھا۔ سبحان اللہ یہ تو وہی ہیں جن کی خدمت میں ہم چودہ برس پہلے حاضر ہوئے تھے۔ تب تو سرکار کی ریش مبارک سیاہ تھی۔ اب تو نور آ گیا ہے بہت ہی اچھا لگا ذرا ہی دیر میں ہم لوگ چودہ برس پہلے پہنچ گئے جب بنک کے قرضے تلے دبے تھے۔ اور سرکار کے دیئے ہوئے وظیفے اور نقش کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرمایا چند ہی ماہ میں سارے مسائل دھواں ہو گئے اور آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بہتری ہے یہ سب میرے مرشد کی کرم نوازی ہے میری طرف سے سرکار کی دست بستہ قدم بوسی ہے اور سرکار کی جان و مال عزت و آبرو کو دن رات دعائیں۔ نجانے ایسے کتنے ہی لوگ ہوں گے جو سرکار کے آستانے سے فیض یاب ہوئے ہوں گے اللہ تعالیٰ سرکار کو تا عمر سلامت رکھے۔ آمین۔ بھائی رحمت اللہ آپ اور آپ کے اہل خانہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سائے میں رہیں۔ آپ سب شاد و آباد رہیں سرکار کی خصوصی دعائیں آپ کیلئے ہیں۔ آپ نے جس محبت سے سرکار کے لئے تحائف بھیجے ہیں اس کے لئے بھی شکریہ

بہت سارے لوگوں نے سرکار کی کتب کے حوالے سے پوچھا ہے۔ سرکار کے عقیدت مند برادرم گل فراز صاحب جو ماشاء اللہ علم و عرفان پبلشرز کے نام سے پاکستان کے چند مایہ ناز پبلشرز میں سے ایک ہیں انہوں نے اب سرکار کی تمام کتب کو نئے سرے سے چھاپنے اور پورے پاکستان سمیت دنیا بھر میں تقسیم کرنے کا ایک نہایت جامع منصوبہ بنایا ہے۔ اس لئے قادری سرکار کی جملہ کتب اب علم و عرفان پبلشرز۔ الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون نمبر۔ 0300-9450911 سے دستیاب ہیں۔ تمام مریدین اور عقیدت مند اور تاجران کتب ان سے کتب معقول تاجرانہ کمیشن پر حاصل کر سکتے ہیں۔ سرکار کے مریدین اور عقیدت مند دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اب وہ ایک فون کال پر یہ کتب منگوا سکتے ہیں۔

محمد شوکت کراچی سے لکھتے ہیں کہ سرکار کی زندگی پر کتاب جو معروف صحافی ظفر سجاد صاحب نے لکھی ہے "میری کہانی عملیات سے تصوف تک۔" اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یا الٰہی اس دور میں بھی ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو صلے اور ستائش کی تمنا لئے بغیر رب کی خوشنودی کے لئے خلق خدا کی بھلائی میں لگے ہیں۔ صحافی ظفر سجاد صاحب کو بہت بہت مبارکباد۔ انہوں نے سرکار کے حوالے سے ہماری معلومات میں ہی نہیں بلکہ ہم بے پیرے بے مرشد کو ایک مرشد کامل عطا کیا۔ بیعت کا طریقہ کار کیا ہے۔ اس کے لئے خود حاضر ہونا پڑے گا یا پھر کوئی دیگر طریقہ بھی ہے۔ نیز یہ بھی مطلع فرمائیے کہ سرکار کراچی تشریف لاتے ہیں یا نہیں اور تشریف لاتے ہیں تو کراچی میں قیام کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرماتے ہیں۔ میرا بھی غریب خانہ سرکار کے بابرکت قدموں کا منتظر ہے۔ ہمیشہ سرکار کے لئے دعا گو۔ بھائی محمد شوکت۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حسن عقیدت سے مزید نوازے اور شکر ہے کہ اب آپ بے پیر و مرشد نہیں رہے۔ آپ کو بیعت فارم ارسال کئے جا رہے ہیں جب وہ آپ کو مل جائیں تو آپ جمعرات کے دن مغرب اور عشاء کے درمیان بذریعہ فون رابطہ کر کے بیعت ہو جائیں اللہ تعالیٰ آپ کو مزید برکتوں نوازے۔ ظفر سجاد آپ کا شکریہ ادا کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سب سرکار کی محبت کا نتیجہ ہے۔ ہر جمعرات کو مغرب تا عشاء ذکر کی محفل ہوتی ہے۔ صلوٰۃ التسبیح پڑھی جاتی ہے۔ مریدین اور عقیدت مند خواتین و حضرات کو شرکت کی دعوت ہے۔ آپ سب آستانے کو رونق بڑھانے کے لئے ضرور حاضر ہوا کریں۔ قادری سرکار کی خصوصی دعائیں سمیٹنے آئیں۔ انشاء اللہ

ایک مرتبہ ایک بہت مشہور اداکارہ سرکار کے پاس حاضر ہوئیں۔ کہنے لگیں کہ میری نئی فلم آ رہی ہے انڈسٹری کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ دعا کریں کہ فلم ہٹ ہو جائے۔ میرے اس میں بہت اچھے رقص ہیں۔ سرکار اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے انہیں تشریف رکھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد طعام سے فارغ ہوئے اور فرمایا۔ ''کیا آپ اپنے ملازم کو چوری کرنے کی اجازت دیں گی۔ اگر وہ اجازت طلب کرے؟'' وہ حیرت سے سرکار کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں ''یہ تو ممکن ہی نہیں''۔ فرمایا۔ ''اگر ملازم چوری کی اجازت پر اصرار کرے تو؟'' ''وہ یہ تو پھر ڈھٹائی اور سراسر گستاخی ہے۔'' قادری سرکار مسکرائے اور فرمایا۔ ''جن امور کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت کی ہو اس کے لئے کیا اسی سے دعا کرنا حقیقی بندگی ہے یا نہیں'' وہ اداکارہ چپ ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے بولیں۔ ''سرکار میں تو آپ سے دعا کی درخواست لیکر آئی ہوں کیا مایوس ہو کر واپس چلی جاؤں۔ سرکار کے در سے؟'' سرکار نے فرمایا۔ ''ہم تو آپ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے پناہ رزق حلال عطا فرمائے اور آپ رقص اور موسیقی کی محتاج ہی نہ رہیں۔'' انہوں نے سرکار کے پاؤں تھام لئے آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ سرکار نے ان کے لئے بڑے خلوص سے دعا فرمائی۔ آج بارہ برس ہو گئے ہیں وہ خاتون اداکارہ اب بہت بڑے آدمی کی بیگم ہیں اور شوبزنس کے حوالے سے اپنی نئی شناخت بنا چکی ہیں۔ سچ ہے اللہ والے ہی نصیحت کے گر جانتے ہیں۔

یہ واقعہ اس لئے بھی یاد آ گیا کہ سرکار کی خدمت میں ایک عریضہ اس قسم کا آیا تھا۔ لکھنے والی بچی نے لکھا تھا کہ وہ بہت سریلی ہے اور اپنا نام موسیقی میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ سرکار نے اس کو جواب لکھوایا کہ آپ گانا گائیں گی تو اہل دنیا ہی خوش ہوں گے مگر اس کا ثواب نہ ہو گا۔ اگر نعت خوانی میں اپنا نام بنائیں گی تو کیا عجب ایک لمحہ ایسا بھی آئے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی نعت سماعت فرمائیں تو پھر آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا؟ اس حوالے سے آپ نے اس بچی کے لئے اسم مبارک ''یا کریم یا سلام یا رافع یا بر'' ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ چند ہی دن جواب کو پوسٹ ہوئے تھے کہ ایک دن ایک بڑی سی کار میں ایک فیملی آ گئی اس میں وہی بچی شامل تھی۔ اس کے والد فیصل آباد کے بڑے معروف صنعت کار ہیں آتے ہی سرکار سے ایسے ملے جیسے برسوں کے عقیدت مند ہوں۔ کہنے لگے جو کام ہم لوگو برسوں میں نہ کر سکے، وہ کام سرکار کے چند سطری خط نے کر دیا۔ ہم خاندانی لوگ ہیں، گانے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر ہماری نہیں مانتی تھی۔ آپ کے چند لفظوں نے اس کے دل کو چھو لیا اور اب وہ بالکل بدل گئی ہے۔ وہ بچی ہمراہ ہی تھی۔ چندے آفتاب۔ چندے ماہتاب۔ شکل و صورت۔ قد و بت نہایت دل آویز۔ بڑے جذب سے اس نے سرکار کی دست بوسی کی اس کے بعد تمام فیملی نے سرکار سے شرف بیعت حاصل کیا۔ سرکار کی بے حد خدمت کی بلکہ آستانہ عالیہ کے تمام خدام کی بھی خدمت کر کے گئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ سینکڑوں، ہزاروں واقعات ہیں۔ کہاں تک سنو گے۔ کہاں تک سناؤں۔

محمد نواز خان نے دوبئی سے میل کی ہے۔ سرکار سے محبت عقیدت رکھتے ہیں۔ کئی برس پہلے وہ بیرون ملک جانے کے سلسلے میں سرکار کے پاس حاضر ہوئے تھے سرکار کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا اور وہ دوبئی چلے گئے۔ لکھتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ سرکار بہت مصروف ہو گئے ہیں۔ سینکڑوں آدمی ہیں جو ان کے ذریعے حج کے لیے آ رہے ہیں۔ میں بھی عمرے کے لئے جانا چاہتا ہوں مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ویزہ کہاں سے لوں۔ اچانک کوئی کہتا ہے کہ پاکستان سے ویزے کا معاملہ سرکار کے سپرد ہے ان سے کہو گے تو وہ ویزے کا بندوبست فرما دیں گے۔ اس وقت ہی میری آنکھ کھل

گئی۔ سرکار کا چہرہ نہایت روشن تھا۔ فون میں سرکار کا نمبر نہیں تھا سو چانیٹ پر سرچ کروں۔ جیسے ہی قادری سرکار کے لفظ ٹائپ کئے یوں لگا کہ جیسے معلومات کا ایک جہاں کھل گیا وہی چہرہ جو خواب اور خیال میں روشن تھا اب کمپیوٹر اسکرین پر جگمگا رہا تھا مگر یہ کیا ہزاروں، لاکھوں افراد سرکار سے منسلک ہو گئے ہیں اللہ۔ اللہ یہ مقام۔ فوراً ہی پاکستان فون کیا۔ فون آپریٹر نے بتایا کہ سرکار تو صبح تشریف لائیں گے آپ بذریعہ ای میل اپنا مسئلہ ارسال کر دیں۔ بھائی میرا مسئلہ تو کوئی نہیں بس یہ خواب دیکھ کر یہ احساس ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سرکار کے درجات میں اضافہ فرمائے گا۔ میرا اسلام عرض کر دیجئے گا۔ بھائی محمد نواز خان اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی و سلامتی عطا فرمائے سرکار سے پیار کرنے والے ہمیشہ دعاؤں میں شامل رہتے ہیں سرکار کی طرف سے دعاؤں کا تحفہ ارسال ہے۔

شبانہ فیروز لانڈھی کراچی سے تشریف لائی ہیں۔ لکھتی ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سرکار سے اپنے کون کون سے مسائل کے لئے عرض کروں سر سے پاؤں تک بیماریوں نے گھیر رکھا ہے۔ روپیا پیسا بہت آتا ہے مگر برکت نہیں۔ اولاد خوش شکل تعلیم یافتہ ہے مگر اپنی مرضی کرتی ہے۔ دن رات شوہر کا دم بھرتی ہوں مگر انہیں سوائے کاروبار کے کسی اور چیز کی سمجھ بوجھ ہی نہیں۔ بہت سیدھے سادھے ہیں لوگوں کی باتوں میں آ جاتے ہیں پیسا دے دیتے ہیں نقصان اٹھاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ نقصان کو پورا کر دیتی ہے۔ پتا نہیں انہیں کب سمجھ آئے گی۔ سرکار سے دعا کے لئے التجا ہے آپ تو بہت نزدیک ہیں ان کے۔ آپ کی بات مان لیں گے۔ عزیز بہن شبانہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ مسائل حل فرمائے (آمین) سرکار سے آپ کے تمام مسائل گوش گزار کیے گئے۔ سرکار نے کمال شفقت سے آپ کا طویل خط سنا ہے اور آپ کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ بکثرت ''یا شکور'' پڑھا کریں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیا کیجئے۔ مہینے میں ایک مرتبہ میلاد شریف اور ایک مرتبہ قرآن خوانی کروا دیا کیجئے۔ روپے پیسے میں بھی برکت ہو گی اور شکر کی شعاعوں سے گھر والوں میں محبت اور خیر کا جذبہ بڑھے گا۔ انشاء اللہ

بوریوالہ سے مظہر حسین نے بڑی محبت اور چاہت سے نامہ بھیجا ہے۔ سرکار کی طویل عمری کی بڑے خلوص سے دعا کی ہے اور یوٹیوب پر سرکار کے خطبات کی بڑی تعریف کی ہے۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم سے محبت کو وجہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فی زمانہ ایک ایسے ہی مرد باکمال کی ضرورت تھی جو کہ قوم کی واقعی خلوص دل سے راہ نمائی کر سکے، جو کلے کے ذریعے مسلمانوں کو متحد کر کے انہیں پیار و محبت کی ڈور میں باندھ سکے۔ جن کی تمام مسالک میں یکساں مقبولیت ہو، یقیناً یہ تاج محبت اللہ تعالیٰ نے اسماء الحسنیٰ کے صدقے سرکار کے سر پر ہی سجایا ہے۔ سرکار 25 برسوں سے صرف اسماء الحسنیٰ سے لوگوں کے قلب و ذہن کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ان کے معالات کو سنوارنے میں دن رات ایک کئے ہیں۔ میرے بہت ہی قریبی رشتے دار یعنی سالے صاحب کٹر اہل حدیث ہیں لیکن جب سرکار کی بات آئی تو انہوں نے بے ساختہ سرکار کی تعریف کی۔ اسی طرح علامہ محمد رضا مجتہدی صاحب سرکار کے نام پر بہت خوش ہوتے ہیں اور عالیشان عقیدت رکھتے ہیں۔ سرکار کے کئی کالموں کو مختلف جرائد میں پڑھتے رہے ہیں۔ یقیناً ہمارے سرکار کی ایک دن اس ملک کی آواز بنیں گے۔ کاروبار میں آجکل پریشانی ہے سرکار کی دعا اور نقش کی حاجت ہے۔ اگر سرکار کی نظر کرم ہو جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ بہت سال قبل بھی سرکار کے ذریعے ہی نوکری سے تجارت کا سفر طے کیا تھا۔ دعاؤں کا طلبگار ہوں۔ بھائی مظہر حسین۔ اللہ تعالیٰ سرکار کو حیاتی دے۔ سرکار فرماتے ہیں کہ تمام مسالک تمام فرقے شناخت کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پیروی عطا فرما دے تو ہمارے معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ ہمارا اصل تعارف توکل توحید اور شریعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ سرکار کے ذریعے ہی اسماء الحسنیٰ فاؤنڈیشن پاکستان اپنی شناخت

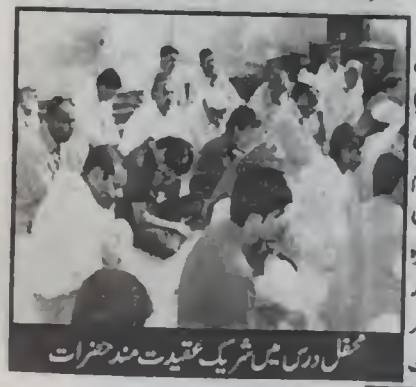

محفل درس میں شریک عقیدت مند حضرات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنائے گی۔ انشاء اللہ۔ آپ "یا باسط یا رافع" ہر نماز کے بعد 100 مرتبہ پڑھا کریں۔ اول آخر 7 مرتبہ درود شریف۔ سرکاری کی خصوصی توجہ سے آپ کو نقش ارسال کیا جا رہا ہے۔ سرکار کی طرف سے آپ کو بے حد دعائیں ہیں۔

بذریعہ فون مختلف شہروں سے ریحان، اصغر، شہباز، محمد علی، کوثر، پروین، سلمٰی، فاطمہ، نورین، سلطانہ نے کہا کہ وہ سب قادری سرکار کی فاؤنڈیشن کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سب کو ممبر شپ فارم ارسال کئے جا رہے ہیں شمولیت کر کے ملک و ملت کے لئے مضبوطی کا باعث ہوں۔ جو بہن بھائی اپنے علاقے میں دفاتر قائم کرنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ان دفاتر کا افتتاح قادری سرکار فرمائیں تو اس کے لئے کم از کم ایک ماہ قبل مطلع فرمائیں۔ اسی طرح بہت سے عقیدت مندوں نے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے ہاں محفل وعاو ذکر کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں قادری سرکار سے وقت لے دوں۔ ان کے لئے بھی یہی جواب ہے کہ سرکار کی دینی، سماجی، سیاسی مصروفیات بے پناہ ہوتی ہیں لہٰذا کم از کم ایک ماہ قبل مطلع فرمایئے تاکہ سرکار کے بے پناہ مصروف وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال لیا جائے۔

قصور سے امجد علی، لانڈھی کراچی سے زبیدہ بہن کے ہاں اللہ تعالیٰ نے اولاد نرینہ کی نعمت عطا کی ہے انہوں نے سرکار کے لئے مٹھائی بھیجی ہے اور ساتھ ہی نومولود کا نام رکھنے کی استدعا کی ہے۔ آپ دونوں کو ہم سب کی طرف سے بہت بہت مبارکباد۔ سرکار نے امجد علی کے فرزند کے لئے محمد حسین علی اور بہن زبیدہ کے صاحبزادے کے لئے محمد ابراہیم نام تجویز فرمائے ہیں۔ اور بے پناہ دعاؤں سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نومولود بچوں کو ان ہی پاک ہستیوں کا عکس بنائے۔ الٰہی آمین

بہت سارے بہن بھائیوں نے بڑی سادگی سے آستانہ عالیہ کا پتا اور ٹیلی فون نمبر پوچھا ہے۔ آپ تمام عقیدت مند اور مسائل اور پریشانیوں میں مبتلا دوست اور بہنیں قادری سرکار کے نام تفصیل سے خط ارسال کر دیں۔ ساتھ میں اپنا نام و پتا ٹیلی فون نمبر اور پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ارسال کر دیں۔ سرکار ان کے انشاء اللہ شافی جوابات عطا فرما دیں گے۔ پتا یہ ہے۔ قادری سرکار آستانہ عالیہ B - 59 - 3 فیصل ٹاؤن لاہور۔ فون نمبر آستانہ عالیہ کے یہ ہیں۔ 042-35167842-35168036 فیس بک پر قادری سرکار کے نام سے پیج دیکھ سکتے ہیں۔ ای میل qadrisarkar@hotmail.com۔ میرا نمبر تو آپ سب کے علم میں ہے یاد دہانی کے لئے دوبارہ لکھ دیتا ہوں 0332-4253995۔ جو خواتین و حضرات، عقیدت مند براہ راست ملنے کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں وہ وقت لیکر تشریف لائیں۔ خصوصاً پیر دن شہر والے تو لازمی فون کر کے مقرر وقت کر کے آئیں تاکہ ان کو زحمت نہ ہو۔

راجا غضنفر ڈار سیالکوٹ سے دعا کے لئے تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کئی مہینوں سے فرانس کے ویزے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اللہ جانے کیا بات ہے کہ ویزہ نہیں لگ رہا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں کئی ملکوں کا پھیرا کر چکا ہوں مگر اس بار اس میں رکاوٹ آ رہی ہے۔ سرکار کی دعا کی سخت ضرورت ہے۔ اگر سرکار مہربانی سے کوئی نقش عطا فرما دیں تو دلی تسکین حاصل ہو جائے گی۔ ڈار صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ معاملات میں دادرسی فرمائے۔ الٰہی آمین۔ سرکار فرماتے ہیں کہ اپنے معاملات کا قبل از وقت کسی سے ذکر مت کیا کریں۔ ہر نماز کے بعد "یا رقیب یا فتاح" پڑھ کر دعا کر لیں۔ اول آخر 7 مرتبہ درود شریف۔ آپ کی فرمائش پر نقش ارسال کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

محفل درس میں شریک عقیدت مند خواتین

خلوص، محبت، ادب و احترام کی قادری سرکار کی روحانی دنیا سے اب اجازت طلب کرتا ہوں۔ تمام مریدین اور عقیدت مندوں سے دست بستہ التجا ہے کہ وہ تعلق قائم کریں تو پھر اس کا احترام کریں۔ درویشوں کو پروا نہیں ہوتی کہ کون آتا ہے کون جاتا ہے وہ تو نہ جانے والوں پر توجہ دیتے ہیں۔ آپ سب بھی اس لطف و عنایات سے فائدہ اٹھائیں۔ محفل کے اختتام پر تین مرتبہ سورۂ عصر پڑھ لیں۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ☆☆☆.....☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk